آندھرا پردیش

ستمبر ۱۹۷۵ء
۵۰ پیسے

10/28

مشہور مصوّر حسین کی طرف سے وزیر اعظم کو تصویروں کا تحفہ

مشہور مصوّر شری ایم۔ ایف حسین نے ۲۴ جولائی ۱۹۷۵ء کو وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی کو اپنی تخلیق کردہ تین تصویروں کا ایک سٹ پیش کیا۔

شری حسین نے ان تصویروں کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ یہ تصویریں ملک کی موجودہ صورتِ حال کی عکاسی کرتی ہیں۔ پہلی تصویر میں جس کا عنوان "۱۲ جون" ہے کئی انگلیوں کو متہمانہ انداز میں 'دہائی' کی طرف اشارہ کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ دوسری تصویر کا عنوان "۲۴ جون" ہے جس میں ملک میں افراتفری اور اضطراب و پریشانی کی ترجمانی کی گئی ہے۔ تیسری تصویر میں جس کا عنوان "۲۶ جون" ہے 'دیوی درگا' کو راکشس سے لڑتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ شری حسین نے وزیر اعظم کو تین دیگر تصویروں کا ایک سٹ بھی پیش کیا۔

چیف ایڈیٹر: شریمتی راحیم سنہا | ایڈیٹر: اختر حسن

آندھرا پردیش

جلد ۱۸ | اگست ۔ ستمبر ۱۹۷۵ء | سراون ۔ بھدرا ۱۸۹۷ شاکا | شمارہ ۱۰-۱۱

ترتیب

زرِ سالانہ چھ روپے

ان شمارے میں اہلِ قلم نے انفرادی طور پر جن خیالات کا اظہار کیا ہے ان سے لازمی طور پر حکومت کا متفق ہونا ضروری نہیں

اِعتذار

ہمیں افسوس ہے کہ بعض ناگزیر اسباب کی بنا پر، ستمبر ۱۹۷۴ء سے جولائی ۱۹۷۵ء تک "آندھرا پردیش" کی اشاعت عمل میں نہ آسکی ۔ اس طویل غیر حاضری کے لیے ہم اپنے قارئین سے معذرت چاہتے ہیں ۔

اگست ستمبر ۱۹۷۵ء کا مشترکہ شمارہ حاضرِ خدمت ہے ۔ اکتوبر ۱۹۷۵ء سے نئے انتظام کے تحت "آندھرا پردیش" ہر مہینے پابندی کے ساتھ پیش کیا جائے گا ۔

سرورق کا دوسرا صفحہ
تین پینٹنگز : عمل :- ایف ۔ ایم حسین

ناظمِ اطلاعات و تعلقات عامہ حکومتِ آندھرا پردیش نے شائع کیا

طباعت : انتخاب پریس، جواہر لال نہرو روڈ، حیدرآباد | کتابت : غوث محمد خاں اور سید محمود

یوم آزادی

چیف منسٹر کا پیام "آندھرا پردیش" کے نام

اگست کا مہینہ ہمارے ملک کے لیے ایک خاص اہمیت اور تاریخی حیثیت رکھتا ہے۔

یہ مہینہ ہماری آزادی کی لڑائی اور حصولِ آزادی کی علامت نیز آزادی کے بعد سے اب تک ہم نے جو ترقی کی ہے اُس کی نشانی بن گیا ہے۔

ہرچند کہ "آندھرا پردیش" ہر سال اس موقع پر اپنا خصوصی شمارہ شایع کرتا ہے لیکن اس سال اس کی اہمیت بہت زیادہ ہوگئی ہے

ترقی پسند طاقتوں کے خلاف رجعت پسند طاقتوں کا محاذ اور ترقی اور رجعت کا ٹکراؤ اپنی انتہا پر پہنچ گیا تھا۔ تخریبی قوتوں نے ایسا بحران پیدا کردیا تھا کہ نئے ہندوستان کی تعمیر کے راستے میں ـــ وہ نیا ہندوستان جس کے خواب گاندھی اور نہرو جیسے عظیم لیڈروں نے دیکھے تھے ـــ زبردست رکاوٹیں پیدا ہوگئی تھیں ـــ پس یہ ضروری ہوگیا تھا کہ اُن پر قابو پانے کے لیے سخت اقدامات کیے جائیں۔

ایسے وقت میں جبکہ ہم، قومی اور بین الاقوامی محاذوں پر متعدد چیلنجوں سے دوچار ہیں، ہم میں سے ہر ایک کا یہ ایک مقدس فریضہ ہوجاتا ہے کہ سوشلسٹ سماج کی تشکیل کے لیے ـــ جو ہماری طے شدہ منزل ہے ـــ قومی اتحاد و یک جہتی کا بھرپور مظاہرہ کریں۔

آندھرا پردیش کے عوام سے میری اپیل ہے کہ وہ دل و جان سے ہماری قومی قیادت کا ساتھ دیں اور ہمارے ملک کو ترقی کے راستے پر آگے بڑھائیں۔

اقتصادی ترقی کے نئے پروگرام

شریمتی اندرا گاندھی کی نشری تقریر

آج میں آپ سے کچھ اقتصادی پروگراموں کا ذکر کرنا چاہتی ہوں، جن پر سرکار عمل کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔ ان میں سے کچھ پروگرام نئے ہیں۔ کچھ پہلے ہی پیش کیے جا چکے ہیں۔ لیکن ان پر زیادہ مضبوطی اور جوش و خروش سے عمل کرنے کی ضرورت ہے براہ مہربانی آپ ڈرامائی نتیجوں کی توقعات نہ باندھیں اور نہ ہی یہ سمجھیں کہ کسی جادو سے مشکلیں دور ہو جائیں گی۔ غریبی کو ہٹانے کا ایک ہی جادو ہے اور وہ ہے سخت محنت۔ اس سلسلے میں ہمارا ذہن بالکل صاف ہونا چاہیئے۔ ہمیں فولادی قوتِ ارادی اور کڑے ڈسپلن سے کام کرنا ہے۔ ہم میں سے ہر ایک کو اپنی جگہ پر صرف اپنے لیے ہی نہیں بلکہ دوسروں کے لیے بھی سخت محنت کرنی چاہیئے۔ قومی جائدادوں کو اپنی جائدادیں سمجھ کر ان کی حفاظت کا زیادہ خیال رکھنا ہے۔ انھیں برباد کرنے والوں کو جرمانے کی سزا دی جائے گی۔ ہمیں ہر شعبے میں فضول خرچی کو روکنے کے لیے کہیں زیادہ پابندِ عمل رہنے کی ضرورت ہے فضول خرچی اور فالتو کھپت کو روکنا سرکار کا فرض ہے لیکن اس سلسلے میں شہریوں کی بھی ذمہ داری ہے۔ قوم کی زندگی کو بہتر بنانے کا یہی ایک راستہ ہے۔

قانون توڑنے، قومی سرگرمیوں کو ٹھپ کرنے، اور فوج اور پولیس کو عدول حکمی پر اکسانے کی کارروائیوں سے ملک کا معاشی نظام منہدم ہو سکتا تھا، ہمارا ملک انتشار پسندانہ رجحانات کا شکار ہو سکتا تھا اور اس کے لیے بیرونی حملے کا خطرہ بھی پیدا ہو سکتا تھا۔ اب جبکہ نفرت کے بادل کچھ چھٹ گئے ہیں ہم اپنے اقتصادی نشانوں کو زیادہ واضح طور پر دیکھ سکتے ہیں۔ اور ان کی اہمیت کو سمجھ سکتے ہیں۔ ایمرجنسی ہمیں اپنے اقتصادی

۲۰ نکاتی پروگرام

وزیرِ اعظم کا معلنہ معاشی پروگرام حسبِ ذیل ۲۰ نکات پر مشتمل ہے:

(۱) اشیائے ضروریہ کی قیمتوں کو گرانے کے لیے مسلسل اقدامات اشیائے ضروریہ کی پیداوار، حصول اور تقسیم میں باقاعدگی، سرکاری اخراجات میں سختی کے ساتھ کفایت شعاری۔

(۲) زرعی اراضی کی حد بندی پر عمل آوری، فاضل اراضی کی عاجلانہ تقسیم اور ریکارڈز کی تیاری۔

(۳) بے زمین اور کمزور طبقات کو مکانات کی تعمیر کے لیے زمین فراہم کرنے کی غرض سے رقمی گنجائش میں اضافہ۔

(۴) جہاں کہیں بھی جبری محنت کا رواج باقی ہے، اسے غیر قانونی قرار دیا جائے گا۔

(۵) دیہی قرضوں کے خاتمہ کے لیے منصوبہ بندی، بے زمین مزدوروں، چھوٹے کسانوں اور ہنرکاروں سے وصولیٔ قرضہ جات کے التوا سے متعلق قانون سازی۔

(۶) اقل ترین زرعی اجرتوں سے متعلق قوانین پر نظرِ ثانی۔

(۷) زمین پر موجود پانی سے استفادے کے لیے مزید پچاس لاکھ ہیکٹر اراضی کو آبپاشی کے تحت لایا جائے گا۔

(۸) برقی توانائی پیدا کرنے کا تیز رفتار پروگرام۔ سوپر تھرمل اسٹیشنوں کا مرکز کا کنٹرول

(۹) دستی پارچے کے شعبے کی ترقی کے لیے نیا ترقیاتی منصوبہ۔

(۱۰) عوام کو سربراہ کیے جانے والے کپڑے کی مقدار اور معیار میں اضافہ۔

(۱۱) شہری زمینات اور ایسی زمینات کو جو شہری بن سکتی ہیں قومی ملکیت قرار دینا، مخلوعہ اراضی کے تصرف اور ملکیت اور نئے رہائشی مکانات کے چوکی تیے پر حد بندی۔

(۱۲) مشکوک تعمیرات کے تشخص کے لیے خصوصی دستے متعین کیے جائیں گے اور ٹیکس چوری کی روک تھام کی جائے گی اقتصادی جرائم کے مرتکبین پر مقدمے چلا کر سخت سزائیں دی جائیں گی۔

(۱۳) اسمگلروں کی جائدادوں کی ضبطی کے لیے خصوصی قوانین کی تدوین۔

(۱۴) سرمایہ کاری کے طریق کار کو آسان بنایا جائے گا اور درآمدی لائسنسوں کے غلط استعمال کے خلاف کارروائی کی جائے گی۔

(۱۵) صنعتوں میں مزدوروں کے اشتراک کے لیے نئی اسکیمیں۔

(۱۶) روڈ ٹرانسپورٹ کے لیے قومی پرمٹ اسکیم۔

(۱۷) اوسط طبقے کے لیے انکم ٹیکس میں رعایت یعنی انکم ٹیکس سے استثنا کی حد ۸۰۰۰ روپے

(۱۸) اقامت خانوں میں رہنے والے طلبہ کو کنٹرول نرخ پر اشیائے ضروریہ کی فراہمی۔

(۱۹) کنٹرول نرخ پر کتابوں اور اسٹیشنری کی فراہمی۔

(۲۰) روزگار اور تربیتی مواقع کو وسعت دینے کے لیے کارآموزی کی جدید اسکیم۔ خاص طور پر کمزور طبقات کے لیے۔

پروگراموں کو آگے بڑھانے کا ایک نیا موقع دیتی ہے۔

قیمتوں کا محاذ

سب سے بڑا اور پہلا چیلنج قیمتوں کے محاذ پر ہے۔ پچھلے پانچ دنوں میں کئی چیزوں کی قیمتوں میں کمی کا رجحان دکھائی دیتا ہے ہمیں اس رجحان کو قائم رکھنا ہے۔ اس مقصد کے لیے حکومت پیداوار بڑھانے، اناج وغیرہ کی وصولی کو تیز کرنے اور لازمی اشیا کی تقسیم کے بہتر بندوبست کے اقدامات کرے گی۔ مغربی بنگال اور اڑیسہ میں التوا کے احکامات (اسٹے آرڈر) کی وجہ سے دھان کی وصولی میں رکاوٹ پیدا ہوئی ہے۔

زرِ مبادلہ کے وسائل کے بارے میں حالت کو ہم معقول حد تک اطمینان بخش سمجھتے ہیں۔ اس لیے جہاں بھی ضرورت ہوگی درآمدات کا انتظام کیا جائے گا تاکہ سپلائی میں کمی نہ ہو ریاستی سرکاروں سے پہلے ہی یہ کہہ دیا گیا ہے کہ وہ قیمتوں کی فہرستیں اور اسٹاک کے بارے میں تفاصیل ٹانگنے کے لیے بیوپاریوں کو ہدایات دیں۔ ذخیرہ اندوزوں اور ان قواعد کی خلاف ورزی کرنے والوں کو سخت سزا دی جائے گی۔

سکے کے پھیلاؤ کو روکنے کی کارروائیاں جاری رہیں گی قرضے خاص خاص حالتوں میں باقاعدہ قواعد کے تحت ہی دیئے جانے چاہئیں۔ سرکاری محکموں اور دوسرے سرکاری اداروں کو غیر ضروری اخراجات کم کرنے کے لیے احکامات جاری کیے گئے ہیں۔

زرعی اراضی کی حد بندی

ہمارے ملک کی بھاری اکثریت دیہات میں رہتی ہے۔ ہمیں زمین کی ملکیت کی حد سے متعلق قوانین کو عمل میں لانا چاہیئے اور فالتو زمین کو بے زمین لوگوں میں بانٹنے کا کام تیزی سے کرنا چاہیئے زمینوں کے ریکارڈ مکمل کرنے کے لیے ہم مقامی لوگوں کا تعاون چاہتے ہیں۔ اس بات کا خاص خیال رکھا جائے گا کہ قبائل کے لوگوں کو ان زمینوں سے محروم نہ کیا جائے۔

دیہی علاقوں میں رہائشی مکانوں کے لیے زمین دینے کے پروگرام میں خاص توسیع کی جائے گی۔ جو بے زمین محنت کش اپنے مالکوں کی مکانوں کی زمین پر ایک خاص عرصے سے رہ رہے ہیں، انھیں ملکیت کے حقوق دینے کے قانون بنائے جائیں گے۔ بیدخلی کی کارروائی کے خلاف سخت قدم اٹھائے جائیں گے۔

جبری مزدوری کا رواج ایک وحشیانہ رواج ہے، اسے منسوخ کیا جائے گا۔ وہ تمام کنٹریکٹ یا دوسرے انتظامات جن کے تحت محنت کشوں کو غلام بناکر ان کی خدمات سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے، انھیں غیر قانونی قرار دیا جائے گا۔

دیہاتی قرضوں کو ختم کرنے کے لیے بتدریج کارروائی کرنے کی تجویز ہے۔ بے زمین محنت کشوں، دیہاتی کاریگروں اور دو ہیکٹر سے کم زمین کے مالک چھوٹے اور مارجینل کسانوں کو قرضے دینے کے لیے نئے ادارے قائم کرنے کی اسکیمیں بنائی جائیں گی اور اس کے ساتھ ہی ایسے لوگوں سے قرضے کی وصولی کے لیے مقدمے چلانے اور ڈگریوں کی تعمیل پر روک لگادی جائیگی کوآپریٹیو اداروں، کمرشیل بینکوں اور حکومتوں سے لیے گئے قرضوں پر اس کا اطلاق نہیں ہوگا۔

زرعی محنت کش ہمارے سماج میں سب سے بری طرح لوٹ کھسوٹ کا شکار ہیں۔ زرعی محنت کشوں کے لیے کم از کم اجرتوں کے موجودہ قانون پر نظر ثانی کی جائے گی اور جہاں کہیں ضروری ہوگا کم از کم اجرتوں کو بڑھانے کے اقدامات کیے جائیں گے۔

پانی اور بجلی کی فراہمی

ہمیں پیداوار بڑھانے کی پوری کوشش کرنی چاہیئے۔ زرعی اور صنعتی پیداوار بڑھانے کے لیے پانی اور بجلی دو بنیادی ضرورتیں ہیں۔ کم از کم ۵۰ لاکھ ہیکٹر مزید رقبۂ زمین کے لیے سینچائی کے انتظامات کرنے کے اقدامات کیے جا رہے ہیں۔ زمین کے نیچے جہاں پانی کی موجودگی پتہ لگایا جا چکا ہے وہاں اس پانی سے فوراً فائدہ اٹھانے کے اقدامات کیے جائیں گے اور سینچائی اور پینے کے پانی کی سپلائی (بالخصوص ان علاقوں میں جہاں سوکھے کا اندیشہ رہتا ہے) کے بارے میں مزید سروے کیے جائیں

بجلی کے بارے میں حالت کچھ سدھری ہے۔ مزید ۲۶۰ میگا واٹ بجلی پیدا کرنے کی کارروائی کی جا رہی ہے۔ بجلی تیار کرنے کے پروجیکٹوں کی تکمیل کے لیے کافی سرمایہ مہیا کیا جا رہا ہے۔ بجلی پیدا کرنے کی طویل المیعاد ضرورتوں کے پیش نظر مرکزی حکومت سوپر تھرمل اسٹیشن قائم کرنے کی تجاویز تیار کر رہی ہے۔ ریاستوں کے بجلی بورڈوں کے کام میں سدھار کیا جا رہا ہے۔

ہمارے ملک میں کھیتی باڑی سے دوسرے درجے پر لوگوں کے روزگار کا وسیلہ ہتھ کرگھے کی صنعت ہے۔ ہتھ کرگھے پر کپڑا وغیرہ بننے والے کاریگروں کو ان کی ضرورت کا سامان مناسب داموں پر سپلائی کیا جائے گا۔ ہتھ کرگھوں کے لیے ایک علٰحدہ ڈیولپمنٹ کمشنر مقرر کیا جا رہا ہے۔ ہتھ کرگھے کی صنعت کے لیے کچھ پیداوار مخصوص کرنے کی پالیسی کو "ریشنلائیز" کیا جا رہا ہے تاکہ بنکر کو زیادہ تحفظ مل سکے۔

ملوں کے سیکٹر میں کنٹرول شدہ کپڑے کی اسکیم کو بہتر بنایا جا رہا ہے تاکہ بہتر قسم کی دھوتیاں، ساڑیاں اور کپڑا تیار ہو سکے اور انھیں شہری اور دیہی علاقوں میں لوگوں تک پہنچانے کے زیادہ وسیع انتظامات کیے جائیں گے۔

شہری جائدادوں پر پابندی

شہری زمینوں سے کئی لوگوں نے قومی مفاد کی قیمت پر بہت پیسہ کمایا ہے۔ زمین کی سٹے بازی اور شہری جائداد کے کچھ ہاتھوں میں اکٹھا ہونے سے عدم مساوات واضح طور پر بڑھی ہے اور شہری پھیلاؤ بڑے غیر منظم ڈھنگ سے ہوا ہے۔ خالی زمینوں کی ملکیت اور قبضے کی حد مقرر کرنے، فالتو زمین کو سرکاری کنٹرول میں لینے اور نئے رہائشی مکانوں کی چوکی (پلنتھ) کے رقبے کی حد مقرر کرنے اور شہری علاقے میں شامل کی جا سکنے والی زمین کو سماجی مقاصد کے نقطۂ نظر سے استعمال میں لانے کے بارے میں قانون بنایا جا رہا ہے۔

ٹیکس کی چوری کرنا ایک جرم ہے۔ اس طرح بچایا ہوا بہت سا کالا دھن شاندار عمارتوں کی تعمیر پر خرچ کیا جاتا ہے۔ شہری جائداد کی قیمت بہت کم دکھائی جاتی ہے۔ اب جائداد کی مالیت کی پڑتال کرنے کے لیے خاص عملہ مقرر کیا جائے گا۔ اس بارے میں سخت سزا دی جائے گی۔ ہم سرسری مقدمے چلانے پر غور کر رہے ہیں۔

اسمگلروں کے خلاف بھی مہم تیز کر دی جائے گی۔ ٹکنیکل نکتوں پر ان کی رہائی سے اس مہم میں رکاوٹ پیدا ہوئی تھی۔ بعض حالتوں میں وہ پیشگی ضمانت حاصل کرنے میں بھی کامیاب ہوئے۔ اسمگلروں کی جائدادیں اب ضبط کی جائیں گی۔ خواہ وہ ان کے اپنے نام پر ہوں یا بے نامی۔

لائسنس جاری کرنے کے طریقۂ کار سے نیا سرمایہ لگانے میں دیر واقع ہوئی ہے۔ اب ان طریقوں کو آسان بنایا جائے گا۔ جن صنعتوں کے لیے سرکاری مدد یا درآمدات کی ضرورت نہیں ان میں سرمایہ لگانے کی حد بڑھا دی جائے گی۔

اس کے ساتھ ہی میں یہ کہوں گی کہ لائسنسوں کا غلط استعمال کیا جا رہا ہے۔ درآمد اور برآمد کے قواعد میں ہم ترمیم کر رہے ہیں۔ مقدمے تیزی سے چلائے جائیں گے اور قواعد کو توڑنے کے لیے جو سزائیں دی جائیں گی ان میں سامان کی ضبطی بھی شامل ہوگی۔

صنعتوں میں محنت کشوں کی شرکت کی بالخصوص پیداواری پروگراموں میں، اسکیمیں نافذ کی جائیں گی۔

پچھلے کچھ مہینوں میں ریلوں کے ذریعے اناج، کوئلہ، فولاد اور سمنٹ کی نقل و حرکت میں بہتری ہوئی ہے۔ ٹرکوں کے ذریعے مال ڈھونے میں رکاوٹوں کو بھی دور کیا جائے گا۔ اس مقصد کے لیے ہم قومی پرمٹوں کا سسٹم شروع کر رہے ہیں۔

پچھلے کچھ برسوں میں مقررہ آمدنی کے لوگوں کو بہت مشکلوں کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ انھیں فوری ریلیف کی ضرورت ہے۔ انکم ٹیکس سے مستثنیٰ آمدنی کی حد ۲ ہزار روپے سے ۸ ہزار روپے کر دی جائے گی۔

تعلیم یافتہ بے روزگاروں کو روزگار

غریب کنبوں کے طالب علموں کو اپنے گھر سے دور رہ کر اعلیٰ

تعلیم حاصل کرنے کے سلسلے میں خاص مشکلوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ان کی مدد کے لیے ضروری چیزیں تمام ہوسٹلوں اور دیگر منظور شدہ رہائشی جگہوں پر، کنٹرول شدہ قیمتوں پر مہیا کی جائیں گی۔ تعلیمی شعبے میں ایک اور اہم قدم یہ اٹھایا جائے گا کہ اسکول، کالج اور یونیورسٹی کے تمام طالب علموں کو نصابی کتابیں اور اسٹیشنری مناسب داموں پر مل سکے۔ قیمتوں پر سختی سے کنٹرول کیا جائے گا۔ اور کتابوں کے 'بینک' قائم کیے جائیں گے۔

پڑھے لکھے نوجوانوں کے لیے روزگار کے مواقع بڑھانے کے ایک قدم کے طور پر "اپرنٹس شپ ایکٹ" میں مناسب ترمیم کی جائے گی تاکہ ہماری معیشت کے منظم سیکٹروں میں منتظمین ایک خاص مدت کے لیے زیادہ تعداد میں اپرنٹس رکھ سکیں۔ اپرنٹس بھرتی کرنے کے سلسلے میں اس بات کا خیال رکھا جائے گا کہ شیڈولڈ کاسٹس اور قبیلوں، اقلیتوں اور معذور افراد کے ساتھ انصاف ہو۔

میں نے مختصر نئے پروگرام کے کچھ حصوں کا خاکہ پیش کیا ہے جس پر آنے والے ہفتوں میں عمل کیا جائے گا۔ دیگر پہلوؤں پر غور کیا جا رہا ہے اور وقتاً فوقتاً مزید اقدامات کا اعلان کیا جائے گا مجھے اس بارے میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ تمام اقدامات مل کر ملکی معیشت میں ایک تبدیلی لے آئیں گے۔ سب سے ضروری بات یہ ہے کہ ہم مجموعی طور پر احساس بے بسی کو ترک کر دیں۔ پچھلے کچھ مہینوں سے ملک میں جو بحران (کرائسس) پیدا ہوتا رہا ہے اس کا بدترین پہلو یہ ہے کہ اس سے انتہائی مایوسانہ نظریہ کو ہوا ملی جس سے قوم میں خود اعتمادی کے جذبے کو ٹھیس لگا۔ یہ سارے دیش میں پھر سے ہمت سے آگے بڑھنے کی اسپرٹ پیدا کرنے کا موقع ہے۔ آیئے ہم اپنے کام میں جٹ جائیں۔

پریس کی آزادی میں میرا ہمیشہ یقین رہا ہے اور وہ اب بھی قائم ہے لیکن دیگر تمام آزادیوں کی طرح ذمہ داری اور احتیاط کے ساتھ اس کا استعمال کیا جانا چاہیے۔ اندرونی انتشار اور لسانی اور فرقہ وارانہ فسادات کی صورت حال کے دوران میں غیر ذمہ دارانہ تحریروں کے ذریعہ سنگین شرانگیزی کا ثبوت دیا گیا۔ ہمیں اس صورت حال کی روک تھام کرنی تھی کچھ عرصہ تک مخالف اخبارات نے جان بوجھ کر خبروں کو توڑ مروڑ کر پیش کیا اور شرانگیز و اشتعال انگیز تبصرے کئے۔

* * *

اخبارات پر کچھ ضوابط کی پابندی عائد کر کے میں خوش نہیں ہوں لیکن کچھ اخبارات نے اپنی واقعیت پسندی اور قوت فیصلہ کو بالائے طاق رکھ کر خود کو حزب مخالف کے سامنے مکمل طور پر وابستہ کر لیا اور تباہی اور شکست خوردگی پھیلانے کی ہر ممکن کوشش کی۔

—— اندرا گاندھی

کمزور کڑیاں جتنی مضبوط ہوں گی
اُتنی ہی ہماری طاقت بھی بڑھے گی

— بھشّم سری رام مورتی

اِدھر کچھ مدت سے، آندھرا پردیش میں قوم کے کمزور طبقات کی فلاح وبہبود کے کاموں کو خاص اہمیت دی گئی ہے اور اس ضمن میں متعدد اہم اقدامات کیے گئے ہیں۔ ان بے بس طبقات کی بہتری اور ترقی کے لیے طویل المیعاد اسکیمیں بنانے کی ضرورت تھی چنانچہ پانچویں پنجسالہ منصوبے میں ان کے لیے بہتر تعلیمی سہولتوں، رہایشی امکنہ کی فراہمی اور ادارہ جاتی مالیے کی بہم رسانی کے تعلق سے بڑی بڑی اسکیمیں شامل کی گئیں۔

درج فہرست اقوام دقبایل کے لیے رہایشی سہولتوں کی فراہمی پر خاص توجہ دی گئی اور ان کے لیے مکانات کی تعمیر کے پروگرام کو پوری تیز رفتاری کے ساتھ روبہ عمل لایا گیا۔ حکومت نے ایک بڑے پروگرام کے تحت آندھرا پردیش اسٹیٹ شیڈولڈ کاسٹس اینڈ ٹرائبس کوآپریٹیو ہاؤزنگ سوسائٹی فیڈریشن کے توسط سے (۵۵,۵۴۶) امکنہ کی تعمیر کا منصوبہ بنایا اور اس کے لیے دس کروڑ روپوں کے مصارف کا تخمینہ مقرر کیا۔ دسمبر ۱۹۷۴ء تک اس اسکیم کے تحت ۲۸,۲۵۷ مکانات کی تعمیر کا کام مکمل ہوگیا۔ ۱۹۷۵-۷۶ء میں سرمایۂ حصص کے طور پر مذکورۂ بالا فیڈریشن میں مشغول کرنے کے لیے دس لاکھ روپے کی رقم فراہم کی گئی ہے۔ نیز قرضوں کی اجرائی اور لایف انشورنس کارپوریشن کو سود کے اقساط کی ادائی کے لیے فیڈریشن کو ۱۴ اور ۱۱۳ لاکھ روپے کی مدد دینے کی گنجایش رکھی گئی ہے۔ جینتی مواضعات میں جنوری ۱۹۷۵ء کے اختتام تک ۱۰۰۸ مکانات تعمیر کیے گئے جن کی وجہ سے جینتی مواضعات کے اُن ہریجنوں کو جو گندہ پیشے انجام دیتے ہیں، زبردست اور مستقل فایدہ پہنچا۔

صحت مند ذہنی شعور پیدا کرنے اور معاشی ترقی کو تیز رفتار بنانے کے لیے تعلیم کی اہمیت محتاج بیان نہیں ہے۔ چنانچہ اس نقطۂ نظر کو سامنے رکھتے ہوئے درج فہرست اقوام کے طلبہ کے لیے فیسوں میں رعایتیں، تعلیمی وظایف، اسکولوں اور کالجوں میں نشستوں کا تحفظ، اقامت خانوں کی سہولتیں اور ق[illegible] ہوئی کتابوں کی مفت سربراہی کا انتظام کیا گیا۔ یہ چیزیں ان کے لیے بلا[illegible] بہت بڑی نعمت تھیں۔ میٹرک سے قبل کی جماعتوں کے طلبہ کو ۱۹۷۳-۷۴ میں جو تعلیمی وظایف دیے گئے تھے ان پر ۳۵ لاکھ ۹۰ ہزار روپے کا خ[illegible] آیا تھا۔ ۱۹۷۴-۷۵ء میں، یہ رقم ۵۰ لاکھ ۸۱ ہزار نوسو روپوں تک پہنچ گئی۔ ان وظایف سے مستفید ہونے والے طلبہ کی تعداد علی الترتیب ۵۴۶۰۵ اور ۶۵,۰۰۰ رہی۔ ۱۹۷۲-۷۳ء میں تعلیمی وظا[illegible] سے استفادہ کرنے والے میٹرک کے بعد کی جماعتوں کے طلبہ کی تعداد ۲۱,۲۱۴ [illegible] تھی جو ۱۹۷۳-۷۴ء میں ۲۸,۴۲۳ ہوگئی۔ کمزور طبقات [illegible] طلبہ کے لیے اقامت خانوں کی سہولتیں مزید ترغیب کا باعث ہیں۔ اقامت خانوں میں رہ کر وہ ایک ایسے ماحول میں اپنے تعلیمی مشاغل رکھ سکتے ہیں جو زندگی کی ضرورتوں اور فکروں سے نسبتاً آزاد اور ما[illegible] ہوتا ہے۔ درج فہرست اقوام سے تعلق رکھنے والے طلبہ کے لیے ہو وقت ریاست میں ۹۴۳ سرکاری اقامت خانے موجود ہیں جن میں اق[illegible] پذیر ہونے کے لیے طلبہ کی منظورہ تعداد ۴۳,۰۷۶ ہے۔ اقامت [illegible] کی بڑھتی ہوئی مانگ کے پیش نظر حکومت نے اکتوبر ۱۹۷۴ء میں [illegible] فہرست اقوام کے لیے آٹھ اور پس ماندہ طبقات کے لیے بارہ اسکول، ہاسٹلوں کے قیام کی منظوری دی ہے۔ ان میں سے ہر ا[illegible] خانے میں (۳۰) طلبہ کے قیام کی گنجایش منظور کی گئی ہے۔ ان کے قی[illegible] مصارف کی مجموعی تعداد ۱۶۱,۴ لاکھ روپے ہے۔

حال ہی میں حکومت نے ایک خاص اور اہم اقدام کیا ہے یعنے کالج کے طلبہ کے اقامت خانوں کے انتظامات خود طلبہ کے سپرد کر دیے ہیں۔ سرکاری اور خانگی عمارتیں جن میں یہ اقامت خانے قائم ہیں کسی کرائے کے بغیر طلبہ کے حوالے کردی گئی ہیں تاکہ وہ خود ان اقامت خانوں کو چلائیں۔ ۷۴-۱۹۷۳ء میں درج فہرست اقوام کی لڑکیوں کے لیے صرف چار کالج ہاسٹل تھے دو حیدرآباد میں اور جنتہ اور اننت پور میں ایک ایک۔ لیکن آج ریاست کے (۱۹) اضلاع میں لڑکیوں کے (۲۰) کالج ہاسٹل ہیں جن میں ۷۰۶ طالبات کے قیام کی گنجایش ہے۔ عنقریب باقی اضلاع میں بھی مزید دو ہاسٹل قایم کیے جائیں گے۔

زراعت، افزائش نسل مویشیان نیز چھوٹی اور دیہی صنعتوں کے شعبوں کے تحت روبہ عمل لائے جانے والے پروگراموں کی مالی امداد کے سلسلے میں شیڈولڈ کاسٹس فینانس کارپوریشن سے بہت تقویت حاصل ہوئی ہے یہ کارپوریشن منظورہ اسکیموں کے مصارف کا ۲۰ فی صد حصہ بطور قرض دے گا اور باقی ۸۰ فی صد سرمایہ ادارہ جاتی مالیے سے اکٹھا کیا جائے گا۔ اس ضمن میں ضلع واری انجمنوں کی تشکیل عمل میں آچکی ہے۔ مذکورۂ بالا کارپوریشن نے متعدد اسکیموں کے "بلو پرنٹ" تیار کر لیے ہیں، ان پر کئی کروڑ روپے مشغول کیے جائیں گے۔ کارپوریشن کو اُمید ہے کہ کمزور طبقات بدلتے ہوئے وقت اور حالات کا ساتھ دیں گے اور اس سنہرے موقع سے پورا پورا فایدہ اُٹھائیں گے۔

سماجی بھلائی کا محکمہ ایسی متعدد اسکیموں کو روبہ عمل لارہا ہے جو سماجی اور تعلیمی اعتبار سے بچھڑے ہوئے طبقوں یعنے ہریجنوں، گرسیجنوں اور دوسرے معاشی طور پس ماندہ طبقات کی ترقی کے لیے بنائی گئی ہیں۔ ایسے تمام افراد جن کی سالانہ آمدنی ۱۵۰۰ روپے یا اس سے کم ہے معاشی طور پر پس ماندہ طبقات سے تعلق رکھنے والے تصوّر کیے جاتے ہیں۔ ان افراد کے طلبہ کو تعلیمی فیس کی رعایتیں، تعلیمی وظایف اور اقامتی سہولتیں وغیرہ سماجی اور تعلیمی اعتبار سے پس ماندہ طبقات کے مساوی فراہم کی جاتی ہیں۔

ان اسکیموں پر اتنی تیز رفتاری سے عمل کیا جارہا ہے کہ ۷۵-۱۹۷۴ء میں ان کے لیے ۱٫۹۵ کروڑ روپے کی جو گنجایش موازنے میں رکھی گئی تھی ۷۶-۱۹۷۵ء میں اُسے ۲٫۴۴ کروڑ روپے کرنا پڑا۔

تعلیمی سہولتوں میں وظایف، اقامت خانوں کی آسانیاں اور فیسوں کی رعایتیں شامل ہیں جو درج فہرست اقوام کے ساتھ ساتھ پس ماندہ طبقات کو بھی بہم پہنچائی جاتی ہیں۔ آندھرا پردیش میں پس ماندہ طبقات کی اکثریت پیشہ ور گروہوں سے تعلق رکھتی ہے جیسے بافندے، ماہی گیر، درزی، دھوبی اور حجام وغیرہ۔ ان کی معاشی ترقی کے لیے ستمبر ۱۹۷۴ء میں بیک ورڈ کلاسس فینانس کارپوریشن تشکیل دیا گیا، یہ کارپوریشن، زراعت، افزائش نسل مویشیاں اور چھوٹی اور دیہی صنعتوں کے شعبوں میں بڑے پیمانے پر معاشی ترقی کے پروگرام روبہ عمل لاتا ہے۔ توقع ہے کہ اس کارپوریشن کے ذریعہ فراہم کیا جانے والا ادارہ جاتی سرمایہ آبادی کے ان طبقات کو ایک نئے دَور سے ہم کنار کرنے میں بے حد ممد و معاون ثابت ہوگا۔

پس ماندہ طبقات سے تعلق رکھنے والے طلبہ کو بڑے پیمانے پر تعلیمی وظایف دیے جاتے ہیں۔ میٹرک سے قبل اور بعد کی ۹ جماعتوں کے لیے تعلیمی وظایف کی رقم جو ۷۴-۱۹۷۳ء میں ۷۱٫۹۶ لاکھ روپے تھی ۷۵-۱۹۷۴ء میں ۱۰۳٫۱۷ لاکھ روپے تک پہنچ گئی۔ ۷۶-۱۹۷۵ء کے تخمینہ موازنے میں اس مد کے تحت ۱۰۲٫۷۶ لاکھ روپے کی گنجایش رکھی گئی ہے۔ تربیتی اور پیداواری مراکز میں داخلوں کا تحفظ، نصابی کتابوں اور ملبوسات کی مفت فراہمی وغیرہ کی بیش بہا رعایتیں بھی شامل ہیں۔

حال ہی میں ہم نے نئی سمتوں کی جانب قدم اُٹھایا ہے۔ ریاست میں رضاکارانہ تنظیموں کی اعانت اور ان کے نشو و نما کو تقویت دینے کی غرض سے ایک جو کس اور مستعد ایجنسی کے قیام کا تصفیہ کیا گیا ہے تاکہ ان تنظیموں کی سرگرمیوں کو مربوط کیا جائے اور انھیں مالی مدد دی جائے۔ اس مقصد کے لیے سوشیل ویلفیر فنڈ کے نام سے ایک خصوصی فنڈ کے تعین اور ایک ریاستی کمیٹی کی تشکیل کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ یہ کمیٹی ۴۰ لاکھ روپے کے فنڈ سے اپنے کام کا آغاز کرے گی۔

کمزور طبقات کی بھلائی کے لیے فلاحی اسکیموں کو پوری قوّت کے ساتھ عمل میں لانے کی جانب عوامی توجہ مرکوز کرانے کی غرض سے ۱۹ جنوری ۷۵ء کو یوم سماجی بھلائی منایا گیا۔ اس بے مثال تقریب کو ایک یادگار واقعہ بنانے کی نیت سے زراعت افزائش مویشیاں اور چھوٹی صنعتوں کے شعبوں سے متعلق ریاستی سطح پر ایک حرکیاتی پروگرام مرتب کیا گیا جس کی بدولت کمزور طبقات کو حقیقی، واضح اور فوری امداد ہمدست ہوئی۔ اور انھوں نے اس کے مُفید اثرات، پوری شدت کے ساتھ محسوس کیے۔

اور آج اعتماد و اطمینان کے ساتھ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ ہماری ریاست کے کمزور طبقات، اُمید و کامرانی کی نئی منزلوں کی جانب گام زن ہیں ●●

ریاست کا سالانہ منصوبہ

بابتہ ۷۶-۱۹۷۵ء

ریاست کے سالانہ منصوبے بابت ۷۶-۱۹۷۵ء کے لیے ۱۵۳ء۶۸ کروڑ روپے کی رقم کو بڑھا کر ۱۹۰ کروڑ روپے کر دیا گیا ہے۔ ریاست کے وسائل کے موقف میں بہتری کی وجہ سے یہ اضافہ ہو سکا۔ اس اضافہ کا فائدہ تقریباً تمام شعبوں کو پہنچے گا لیکن بڑا حصہ آبپاشی اور برقی کے شعبوں کو ملے گا۔ سال رواں میں برقی قوت کی پیداوار کے لیے مواز نے میں ۴۵ کروڑ روپے کی گنجایش رکھی گئی تھی جسے بڑھا کر ۶۷ کروڑ روپے کر دیا گیا ہے۔

کوتہ گوڑم کے چوتھے مرحلے کے لیے ۸ء۵۰ کروڑ روپے کی گنجایش رکھی گئی تھی۔ سب سے زیادہ اضافہ اسی مد میں کیا گیا اور اب اس پر ۱۹ کروڑ روپے خرچ کیے جائیں گے تاکہ اس اہم پروجکٹ کے کام میں تیز رفتاری پیدا کی جا سکے۔ اسی طرح لوئر سیلیرو ہائیڈرو الکٹرک اسکیم کے لیے جو تکمیل کے آخری مرحلوں پر ہے، ۱۴ کروڑ روپے کی گنجایش کو بڑھا کر ۱۵ کروڑ روپے کر دیا گیا ہے۔

آبپاشی کے لیے ۳۸ کروڑ روپے کے بجائے ۵۰ کروڑ روپے مختص کر دیے گئے ہیں۔ ناگرجنا ساگر پروجکٹ پر ۱۰ دس کروڑ کی جگہ بارہ کروڑ روپے صرف کیے جائیں گے۔ ومسادھر پروجکٹ کے لیے ۱ کروڑ کے بجائے تین کروڑ کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ اسی طرح حسب ذیل اسکیموں، پروجکٹوں پر زائد اخراجات کی گنجائش مہیا کی گئی ہے۔ تنگبھدرا ہائی لیول کنال کے لیے تین کروڑ کے بجائے پانچ کروڑ روپے اور نظام ساگر کے لیے ایک کروڑ کی جگہ دو کروڑ روپے، پوچم پاڈ پروجکٹ کے تحت اوور مانیر ڈیم کے لیے بھی ایک کروڑ روپے کی گنجایش رکھی گئی ہے۔ اوسط درجے کی آب پاشی کی نئی اسکیمیں شروع کرنے کے لیے جن میں سوماسیلا کی اسکیم بھی شامل ہے، ایک کروڑ روپے مختص کیے گئے ہیں۔ اوسط درجے کی آب پاشی کی جاریہ اسکیموں کے لیے رقمی گنجایش میں بھی ۱۷۵ لاکھ روپے کا اضافہ کر دیا گیا ہے یعنی اس مد کے لیے ۲۳ کروڑ روپے کے بجائے ۲۴ کروڑ روپے مختص کیے گئے ہیں۔

خشک سالی سے متاثرہ علاقوں کے پروگرام کی رقمی گنجایش میں ۱۲۸ لاکھ روپے کا اضافہ کیا گیا ہے۔ ان کے علاوہ دوسری زرعی اور متعلقہ اسکیموں کو بھی مزید ۶۲ لاکھ روپے کا فائدہ پہنچے گا۔

صنعتوں کے لیے رقمی گنجایش میں ۲۱۰ لاکھ روپے کا اضافہ کر دیا گیا ہے جس میں سے ۵۵ لاکھ روپے دستی پارچہ جات کی صنعت کے لیے مختص کیے گئے ہیں۔

دوسرے شعبوں کی رقمی گنجایش میں بھی اضافہ کیا گیا ہے سڑکوں کے لیے دو کروڑ روپے بڑھا دیے گئے ہیں یعنی ۲ء۵۰ کروڑ روپے کی گنجائش کو ۴ء۵۰ کروڑ روپے کر دیا گیا ہے اور اس رقم کا ایک حصہ قبائلی علاقوں اور مچھیروں کے دیہاتوں میں سڑکیں بنانے کے لیے مختص کر دیا گیا ہے۔

سماجی خدمات کی مد کے تحت بھی معقول رقمی اضافہ کیا گیا ہے۔ طبی خدمات کی مد پر ۲۶ لاکھ کی جگہ ایک کروڑ روپے کی

گنجائش فراہم کی گئی ہے۔

تعلیمات، شہروں میں پانی کی سپلائی اور سیاحت کی مدات میں بھی علی الترتیب ۳۵ لاکھ ۵۰ لاکھ اور ۱۲ لاکھ روپیوں کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔

کمزور طبقات کی فلاح و بہبود کی اسکیموں پر بھی رقمی گنجائش میں کافی اضافہ کیا گیا ہے۔ مکانات کی تعمیر کے لیے حصول اراضی کی مد میں ایک کروڑ روپے کی گنجائش کو بڑھا کر ۲٫۵۰ کروڑ روپے کر دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ اقوام درج فہرست اور پسماندہ طبقات کے مالیاتی کارپوریشنوں کی مدد کے لیے بھی ۵۰ لاکھ روپے کی گنجائش فراہم کی گئی ہے۔ بین الاقوامی سال خواتین کے سلسلے میں مخصوص اسکیموں کے لیے دس لاکھ روپے مختص کیے گئے ہیں۔ ضروری سرکاری عمارات، خصوصاً عدالتوں کی عمارات حاصل کرنے کے لیے بھی ۵۰ لاکھ روپے کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ ۷۳-۱۹۷۴ء، ۷۴-۱۹۷۵ء اور ۷۵-۱۹۷۶ء کے سالانہ منصوبوں کی رقمی گنجائش کا تفصیلی تختہ بڑی بڑی مدات کی تفصیلات کے ساتھ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

ترقی کی بڑی بڑی مدات	نظرثانی شدہ رقمی گنجائش ۷۳-۱۹۷۴ء	نظرثانی شدہ رقمی گنجائش ۷۴-۱۹۷۵ء	نظرثانی شدہ رقمی گنجائش ۷۵-۱۹۷۶ء
	رقم لاکھ کے ہندسوں میں		
۱۔ زراعت اور متعلقہ سرویسز:	۱,۱۴۸٫۰۱	۱,۵۵۹٫۵۷	۱,۶۰۲٫۰۰
۲۔ آب پاشی:	۱,۵۴۲٫۸۴	۳۰۸۱۵٫۰۰	۵۰۰۰٫۰۰
۳۔ برقی قوت:	۴,۲۲۳٫۰۷	۵,۴۴۴٫۸۷	۶,۲۰۰٫۰۰
۴۔ صنعت و معدنیات:	۲۰۵٫۲۶	۶۱۵٫۳۸	۶۵۸٫۰۰
۵۔ حمل و نقل اور رسل و رسائل:	۳۰۱٫۰۰	۱۰۵۰٫۹۰	۱,۹۹۸٫۰۰
۶۔ سماجی خدمات اور کمیونٹی و اُن کی سرویسز:	۱,۵۱۵٫۲۳	۲,۳۶۵٫۳۹	۲,۸۳۸٫۰۰
۷۔ عام خدمات	×	×	۲۰۰٫۰۰
میزان:	۸,۹۳۶٫۷۷	۱۱,۸۰۷٫۱۱	۱۹,۰۰۰٫۰۰

عبدالشکور

آندھرا پردیش اور سیاحت

آندھرا پردیش کا رقبہ دو لاکھ چھہتر ہزار آٹھ سو چودہ کلو میٹر ہے۔ اس اعتبار سے یہ ریاست ہندوستان کی پانچویں بڑی ریاست ہے۔ ۱۹۷۱ء کی مردم شماری کے مطابق اس کی آبادی چار کروڑ پینتیس لاکھ دو ہزار سات سو آٹھ افراد پر مشتمل ہے اور اس لحاظ سے بھی یہ ریاست ہندوستان میں پانچویں درجے پر آتی ہے۔ خلیج بنگال کی جانب اس کا ساحلی حصہ چھ سو میل لمبا ہے۔

آندھرا پردیش اپنے خوبصورت قدرتی مناظر، شاندار آثار قدیمہ اور قدیم و جدید تہذیب کے حسین امتزاج کی بدولت سیاحوں کے لئے اپنے اندر بے پناہ کشش رکھتا ہے۔

اس کا صدر مقام، شہر حیدرآباد بجائے خود سیاحوں کے لیے فردوس نظر سے کسی طرح کم نہیں۔ شہر حیدرآباد ۱۵۸۹ء میں والئی گولکنڈہ قلی قطب شاہ نے آباد کیا تھا۔ قلی قطب شاہ نے اس شہر کا نام پہلے اپنی محبوب ملکہ بھاگ متی کے نام سے منسوب کر کے بھاگیہ نگر رکھا لیکن جب بھاگ متی کو حیدر محل کا خطاب عطا کیا گیا تو اس شہر کا نام بھی اسی مناسبت سے حیدرآباد رکھا گیا۔ دنیا کے دیگر جڑواں شہروں کی طرح حیدرآباد کو بھی بھارت کا بڈاپسٹ (BUDAPEST) کہا جا سکتا ہے۔ حیدرآباد اور سکندرآباد کو حسین ساگر کا خوبصورت تالاب ایک دوسرے سے الگ بھی کرتا ہے اور ملاتا بھی ہے۔ سطح سمندر سے دو ہزار فٹ کی بلندی پر واقع ہونے کی وجہ سے حیدرآباد کا موسم سال کے بارھوں مہینے بہت خوش گوار رہتا ہے۔ شہر حیدرآباد بہت سی یادگار شاہی تعمیرات، خوبصورت جھیلوں، شاندار مسجدوں، عالیشان میناروں اور خوش منظر پہاڑیوں کو اپنے احاطے میں لیے ہوئے ہے۔ چار مینار کی مشہور اور عالیشان عمارت والئی گولکنڈہ قلی قطب شاہ نے ۱۵۹۱ء میں تعمیر کروائی تھی۔

سیاحوں کے لئے دوسری پرکشش چیز یہاں کا عجائب خانہ "سالار جنگ میوزیم" ہے۔ نوادرات اور عجائبات کے اس عظیم الشان مخزن کا بیشتر حصہ ایک واحد شخصیت نواب سالار جنگ سوم کا جمع کیا ہوا ہے جسے ۱۹۴۹ء میں ان کی وفات کے بعد عام کر دیا گیا۔ نواب سالار جنگ مرحوم نے اپنی دولت کا وافر حصہ ان عجائبات اور نوادرات کی تحصیل میں صرف کر دیا۔ ان نوادرات میں سنگ مرمر کے مجسموں میں ایک نادر مجسمہ "دوشیزۂ محجوب" (VEILED REBECCA) ۱۸۶ء میں ایک اطالوی سنگ تراش بینزونی (BENZONI) کا تراشا ہوا ہے جس کی فن کاری دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔

شہر حیدرآباد کی ایک اور جاذب نظر عمارت "مکہ مسجد" ہے اس عظیم الشان مسجد میں بیک وقت دس ہزار مصلی نماز پڑھ سکتے ہیں پتھر اور رنگین پچی کاری سے بنائی ہوئی اس مسجد کی تعمیر والیان گولکنڈہ میں سے عبداللہ قطب شاہ چہارم نے ۱۶۱۴ء میں شروع کی تھی لیکن اس کی تکمیل ۱۶۸۷ء کے بعد اورنگ زیب نے کی۔

حیدرآباد کا قلعہ گولکنڈہ بھی قابل دید ہے۔ اور سیاحوں کے لیے کافی اہمیت رکھتا ہے۔ یہ قلعہ قطب شاہی سلاطین کا صدر مقام رہ چکا ہے۔ قطب شاہی سلاطین اپنے اس مضبوط قلعے پر نازاں بھی

تھے۔ مغل شہنشاہ اورنگ زیب نے ۱۶۸۷ء میں اس قلعے کو فتح کیا تھا

حیدرآباد کے دوسرے دلکش اور سیاحت کے نقطۂ نظر سے اہم مقامات حسب ذیل ہیں۔

آرکیالوجیکل میوزیم، سالار جنگ میوزیم، باغ عام، فلک نما، اسمبلی ہال، عدالت عالیہ، جامعہ عثمانیہ، حسین ساگر، نوبت پہاڑ، عثمان ساگر اور حمایت ساگر وغیرہ۔

حیدرآباد کا ایک اور جدید اور قابل دید مقام "نہرو زوالوجیکل پارک" ہے جو ۱۹۵۹ء میں قایم کیا گیا ہے۔ یہ چڑیا گھر تین سو سے زاید ایکڑ زمین پر پھیلا ہوا ہے۔ میر عالم تالاب کے کنارے پر واقع یہ خوبصورت چڑیا گھر فرانسیسی انجینیروں کا بنایا ہوا ہے۔

آندھرا پردیش میں سیاحوں کی دلچسپی کے مقامات صرف حیدرآباد ہی تک محدود نہیں بلکہ پوری ریاست میں پھیلے ہوے ہیں۔ جن میں چند مشہور مقامات کا تذکرہ حسب ذیل ہے:

ضلع ورنگل بستی ہنمکنڈہ میں "دیول ہزار ستون" ایک قابل دید مندر ہے۔ خانوادہ کاکتیہ کے دور کا یہ مندر چالوکیہ فن تعمیر کا نادر نمونہ ہے۔ اس کی شباہت ستارے سے ملتی جلتی ہے۔ اس میں تین سرائیں اہل ہنود کے تین مقدس دیوتاؤں شیوجی، وشنوجی اور سوریہ جی سے منسوب کی گئی ہیں۔ قاضی پیٹھ ریلوے اسٹیشن سے نو میل کے فاصلے پر ورنگل کا قلعہ ہے جو کاکتیہ خاندان کے راجہ گنپتی اور اس کی راجکماری "رودرما دیوی" نے تیرھویں صدی عیسوی میں تعمیر کروایا تھا۔

آندھرا پردیش کا ایک اور مشہور مقام بھدرا چلم ہے جہاں شری رام جی کا مندر ہے۔ یہ مقام دریائے گوداوری کے کنارے پر واقع ہے۔ رام نومی کے تہوار کے موقع پر یہاں تقریباً پچاس ہزار زائرین جمع ہوتے ہیں۔ اہل ہنود کے مقدس پرانوں کے مطابق شری رام جی نے یہاں قیام کیا تھا اور یہیں اُن کی ملاقات بھدرا نامی رشی سے ہوئی تھی۔ چنانچہ انہی رشی جی کے نام پر اس مقام کا نام بھدرا چلم رکھا گیا۔ بھدرا چلم سے بائیس میل کے فاصلے پر "پرانا سالہ" ایک مقام ہے کہا جاتا ہے کہ شری رام جی نے اسی مقام پر اپنی پتنی سیتا جی کو چھوڑا تھا۔

سری سیلم آندھرا پردیش کا ایک اور مشہور مندر ہے جو ضلع کرنول میں دریائے کرشنا کے جنوبی ساحل پر رشبا نامی پہاڑی پر واقع ہے یہ مندر شری شیوجی سے منسوب کیا جاتا ہے۔ یہ مندر ویدوں کے زمانے سے پہلے قایم تھا۔ اس مندر میں شری ملکارجنا سوامی کا بت خودساختہ تصور کیا جاتا ہے اور یہ بھارت کے دیگر بارہ خودساختہ بتوں میں سے دوسرا مانا جاتا ہے۔ ہندو اور بودھ مت والے دونوں اس مندر کی تعظیم کرتے ہیں۔ اس مندر کی تعمیر کاکتیہ خاندان کے عظیم حکمرانوں اور وجیانگرم راجاؤں کی سرپرستی میں ہوئی تھی

ضلع چتور کے چندراگری تعلقے میں تروپتی ایک اور مشہور مندر ہے۔ کہا جاتا ہے کہ تروپتی کا یہ مندر ہندوستان کے قدیم مندروں میں سے ایک ہے۔ ہندوؤں کے پرانوں اور شاستروں میں اس مندر کی تعریف ملتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس مندر کے دیوتا شری وینکٹیشور سوامی کی پوجا ہی کسی زایر کو مکمل نجات ملتی ہے۔ زمانۂ قدیم میں جنوبی ہندوستان کے پلوا، چولہ اور پانڈیا راجاؤں کی سرپرستی اس مندر کو حاصل تھی یہ مندر دراصل سات چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں کا مجموعہ ہے۔ پرانوں کے مطابق یہ سات پہاڑیاں ناگ دیوتا آدی سیشن کا جسم کہلاتی ہیں جس پر دنیا کے محافظ دیوتا شری وشنو جی نے آرام کیا تھا۔ ان سات پہاڑیوں کی چوٹیاں مقدس ناگ دیوتا شری آدی شیش کے سات پھن تصور کیے جاتے ہیں۔ جن پر وینکٹ جلیتی جی محو رقص ہیں یہ زیارت گاہ سیاحوں کی زبردست توجہ کا مرکز ہے۔ زایرین کی تعداد کا حساب نہیں لگایا جاسکتا۔ زائرین کا عقیدہ ہے کہ اس مندر کی زیارت سے انھیں نامعلوم خطرات اور آفات سے حفاظت ملتی ہے اور دلی مرادیں بر آتی ہیں۔

ہندو پور ریلوے اسٹیشن سے دس میل کے فاصلے پر لیپاکشی ایک چھوٹا سا خوبصورت مندر ہے۔ وجیانگر طرز تعمیر کا یہ خوبصورت مندر اپنی نوعیت کے اعتبار سے ہندوستان بھر میں منفرد مانا جاتا ہے جہاں شری شیوجی اور شری وشنوجی باہم ایک جگہ ہیں۔ اس مندر کے بتوں کی تراش خراش بہت خوشنما ہے۔ یہاں ایک عظیم الشان بیل کا مجسمہ ہے جو بیس فٹ اونچا اور ستائیس فٹ لمبا ہے۔

آندھرا پردیش اپنی پہاڑی قیام گاہوں کے اعتبار سے بھی اہمیت رکھتا ہے ان پہاڑی قیام گاہوں میں ہارسلے ہل (HORSLEY HILL)

قابلِ ذکر ہے جو مدن پلّی تعلقہ ضلع چتور میں واقع ہے۔ اس مقام کا نام انڈین سول سروس کے برطانوی ممبر مسٹر ہارسلے کے نام پر رکھا گیا ہے۔ مسٹر ہارسلے نے یہاں پہلے دو عمارتیں کچہری اور دو دو بنگلہ تعمیر کروائی تھیں۔ یہاں کی فضا بہت خوش گوار رہتی ہے۔ اور درجہ حرارت زیادہ سے زیادہ ۹۰ درجے فارن ہیٹ اور کم سے کم ۷۰ درجہ فارن ہیٹ ہوا کرتا ہے۔ وشاکھا پٹنم سے ۱۱۵ کلو میٹر کے فاصلے پر وادیٔ اراکو ایک اور دل کش مقام ہے جو سطح سمندر سے ساڑھے تین ہزار فیٹ کی بلندی پر واقع ہے۔

سیاحت یا ٹورزم ایک اہم صنعت ہے جس کے ذریعہ کافی زرِ مبادلہ حاصل ہوتا ہے۔ حکومت آندھرا پردیش نے سیاحت کا ایک علاحدہ محکمہ قایم کیا ہے تاکہ سیاحت کی صنعت کو ترقی دی جاسکے۔ پانچویں پنجسالہ منصوبہ کے تحت سیاحت کے لیے کئی اسکیمیں مرتب کی گئی ہیں۔ اور ۳۷ لاکھ روپے کی منظوری حسب ذیل ترقیاتی کاموں کے لیے دی گئی ہے ــــ

تفصیل	رقم
۱۔ سیّاحوں کے لیے وشاکھا پٹنم، امراوتی، کنڈہ پلی، ٹوپلی پالم، کرنول اور نظام ساگر کے مقامات پر آرام گاہوں کی تعمیر کے لیے۔	۱۲ لاکھ روپے
۲۔ سری سیلم، ہارسلے ہل، اہوبلم، چیاندی پاکھال عالم پور، رامپا اور ناگر جونا ساگر پر واقع سیّاحوں کی آرام گاہوں کی ترقی اور تعمیرِ نو کے لیے۔	۷ لاکھ روپے
۳۔ وادیرو بندھو، سوریہ لنکا ساحل اور مٹی پاڑ ساحل کی ترقی کے لیے۔	۳ لاکھ روپے
۴۔ آبشارِ یعنی پوتھلا اور پوچارا کی ترقی کے لیے	۱½ لاکھ روپے
۵۔ جزیرۂ ینڈرو منڈی کی ترقی کے لیے	۱ لاکھ روپے
۶۔ سیّاحوں کے لیے رنگا پودم، لیپاکشی اور یادگری گٹہ میں سہولتوں کی فراہمی کے لیے	۲½ لاکھ روپے
۷۔ ترویتی ٹورسٹ کوچ کے لیے	۱ لاکھ روپے
۸۔ ورنگل میں ٹورسٹ بیورو کی تعمیر کے لیے	۱½ [illegible] روپے
۹۔ حسین ساگر کی حسن کاری کے لیے	۱ لاکھ روپے
۱۰۔ ٹورسٹ لٹریچر کی فراہمی کے لیے	۴ لاکھ روپے
۱۱۔ ٹورسٹوں کے تہواروں اور میلوں کے لیے	۲ لاکھ روپے
جملہ	۳۷ لاکھ روپے

فسطائیت کا مطلب ہے ــــ ایک چھوٹا سا طبقہ ــــ ایک اقلیت ــــ کسی نہ کسی طرح سے اقتدار حاصل کرنے اور جمہوریت کو تباہ کرنے کی کوشش کرتی ہے یا عوام کے صرف ایک طبقے کے مفادات کے لئے کام کرتی ہے۔ ہم نے اپنے ملک میں ایسا کچھ بھی نہیں کیا ہے۔ ہم آزادانہ انتخابات کے ذریعے منتخب ہوتے ہیں اور پارلیمنٹ میں ہماری دو تہائی اکثریت ہے۔ تاہم حزب مخالف کے ایک چھوٹے سے طبقے نے حکومت کے لیے کام کرنا دوبھر کر دیا تھا۔ کچھ لوگ ہماری مسلح افواج کو بغاوت کرنے پر اکسا رہے تھے۔ وہ پولیس اور صنعتی کارکنوں کو بھی بھڑکا رہے تھے۔ وہ طلبہ کو بھی اپنے اسکولوں اور کالجوں کو خیر باد کہنے اور تشدّد انگیزیوں میں شامل ہونے کی ترغیب دے رہے تھے۔ ــــــــ اندرا گاندھی

قیصر سرمست

زمین کس طرح فنا ہوگی
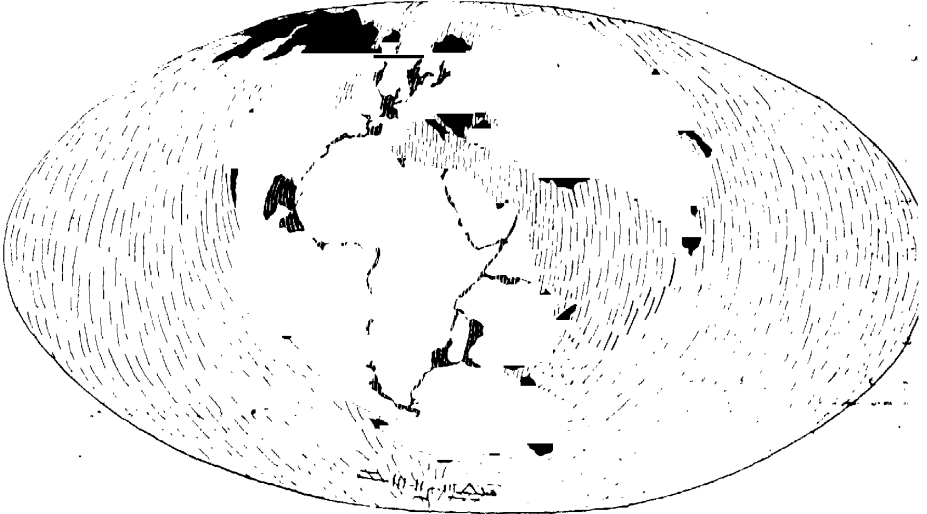
ایک زمانہ پہلے خشکی کے بیشتر حصے آپس میں ملے ہوئے تھے ـــ اور اب صورت اس کے برعکس ہے

زمین کی تباہی کے متعلق کوئی حکم نہیں لگایا جاسکتا۔ اس لیے اس کی تباہی سے متعلق مختلف ہیئت دانوں نے مختلف نظریے پیش کیے ہیں لیکن یہ امر یقینی ہے کہ اگلے سو ہزار سال تک تو زمین تباہ نہیں ہوگی بلکہ اس فانی دنیا کو فنا ہونے میں اندازاً ڈیڑھ دو کروڑ سال تو لگ ہی جائیں گے لہٰذا سردست ہمیں فکر و تردد کی ضرورت ہی کیا ہے تاہم ان نظریوں پر ایک نظر ڈال لینا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ اس لیے کہ یہ تمام نظریے من گھڑت یا عام انسانوں کی خامہ فرسائی کا نتیجہ نہیں بلکہ ان نظریات کے پیچھے سائنسدانوں اور ہیئت دانوں کے دماغ کام کر رہے ہیں اور یہ بات انھوں نے سارے نظامِ شمسی کو پیشِ نظر رکھ کر کہی ہے۔ پہلے یہ دیکھیں کہ ماہر طبقات الارض اور ہیئت دان زمین کی عمر کا اندازہ کس طرح قایم کرتے ہیں؟ ایک ماہر طبقات الارض اس وقت سے زمین کی عمر کی ابتدا کرتا ہے جب اس میں سب سے پہلی پتھریلی تہ پیدا ہونی شروع ہوئی۔ زمین کی عمر معلوم کرنے کی یہ بھی ایک صورت اختیار کی گئی کہ سمندروں میں نمک کی جتنی مقدار پائی جاتی ہے اس سے یہ اندازہ لگایا گیا کہ اتنا نمک کتنے زمانے میں حاصل ہوا ہوگا ایک اور طریقہ یہ کہ چٹانوں کی سب سے پہلی تہوں میں اُن دھاتوں کا پتہ چلایا گیا جو دوسری دھاتوں میں تبدیل ہوتی رہتی ہیں۔ یورانیم وہ اصل دھات ہے جو بعد کو بہت سے تغیرات کے بعد سیسے میں تبدیل ہوجاتی ہے اور اس لئے جب چٹانوں میں ان دھاتوں کا اندازہ لگایا گیا تو پتہ چلا کہ ان کے کیمیاوی تغیرات میں کتنا زمانہ صرف ہوا ہے چنانچہ کہا جاتا ہے کہ اس طرح ۶۰ کروڑ سال کا زمانہ زمین پر گزر چکا ہے۔

ایشیا اور امریکہ میں اس قسم کے ادارے قایم ہیں جہاں سیّاروں کی حرکت و گردش کو ان کے نمونے بنا کر دکھایا جاتا ہے۔ نیویارک کے ایک ایسے ہی ادارے میں ماہرینِ فلکیات نے دکھایا کہ کُرۂ زمین کی تباہی کی پانچ صورتیں ہو سکتی ہیں۔ پہلی صورت :۔ کُرۂ آفتاب پھٹ جائے گا۔ اور اس کی گرمی سے کُرۂ ارض کا پانی اس قدر کھولنے لگا کہ یہاں کے تمام جاندار فنا ہو جائیں گے

دوسری صورت :۔ کوئی دُم دار سیّارہ اس سے بہت قریب ہو کر گزرے گا اور اس کا پانی کھولنے لگے گا۔

تیسری صورت :۔ زمین میں دفعتاً اتنی سردی پیدا ہو جائے گی کہ لوگ ٹھٹھر کر مر جائیں گے۔

چوتھی صورت :۔ چاند زمین سے قریب تر آ جائے گا جس کی وجہ سے یہاں کے سمندروں میں اتنی طغیانی آئے گی کہ لوگ ہلاک ہو جائیں گے۔

پانچویں صورت :۔ فضا کا کوئی کرّہ دوران گردش میں زمین سے ٹکرا جائے گا۔ اور اسے پاش پاش کر دے گا۔

یہ تمام باتیں انھوں نے زبانی لکچر میں ختم نہیں کر دیں بلکہ مصنوعی کرّہ بنا کر اور اس پر یہ تمام قیامتیں ڈھا کر بتا دیں۔ اِن وُجوہ کو ہم بالکل غلط بھی قرار نہیں دے سکتے۔ آپ چاہے کسی فرقے یا مذہب سے تعلق رکھتے ہوں آپ کا مذہب بھی قیامت کے بارے میں کچھ نہ کچھ کہتا ضرور ہے۔ ممکن ہے کہ ان وجوہ سے ہٹ کر بھی اور کوئی وجہ ہو سکے لیکن قیامت آئے گی ضرور یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ ابتدا میں زمین ایک دہکتا ہوا کرّہ تھی اور رفتہ رفتہ اِس حالت کو پہنچی اور آج بھی زمین کے اندر بعض معدنی اشیا ایسی پائی جاتی ہیں جو زمین کو گرمی پہنچاتی رہتی ہیں۔ جب یہ معلوم ہو جائے تو قدرتاً یہ سوال بھی اُٹھتا ہے کہ زمین کے یہ عناصر کب تک اس کی گرمی قایم رکھ کر زمین کو زندہ رکھ سکیں گے۔ ایک وقت ضرور ایسا بھی آئے گا جب عناصر کا انفجار ختم ہو جائے گا۔ اور اُس کے ساتھ ہی زمین بھی اتنی سرد ہو جائے گی کہ کوئی جاندار اس سردی کو برداشت نہ کر سکے گا۔ چونکہ زمین ابھی جوان ہے اس لیے اربوں سال تک وہ اپنی حرارت کو قایم رکھ سکے گی۔ اس کے بعد زمین پر خشکی کے پھر ایسے ادوار آئیں گے کہ ہماری زمین کسی ضعیف کی طرح کمزوری کی بنا پر سردی نہ برداشت کر سکے اور اکڑ کر دم توڑ دے۔ اور بھی خاتمۂ زمین سے متعلق سب سے بڑا اور اہم اندیشہ ہے اس لئے کہ یہ زمین پچھلے چار لاکھ سال میں چار مرتبہ برفانی ادوار کی صعوبتوں سے دو چار ہو چکی ہے اور آخری دور صرف پچیس ہزار سال قبل شروع ہوا تھا اور آج تک بھی زمین اس کے چنگل سے آزاد نہیں ہو سکی ہے چنانچہ آپ کرّۂ زمین کا دس فیصد حصّہ برف سے ڈھکا ہوا پاتے ہیں۔ یقین سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس قسم کا برفانی دور پھر کس وقت آئے گا مگر جب بھی آئے گا اس وقت شمالی امریکہ اور یورپ کے اکثر شہر ایک میل دبیز برف کا کفن اوڑھے کھڑے نظر آئیں گے۔ یہ برفانی دور اچانک نہیں آئے گا بلکہ اس سے قبل کرّہ ارض کی آب و ہوا بتدریج گرم ہوتی جائے گی اور خطِ استوا کے علاقوں کا درجۂ حرارت اس درجہ بڑھ جائے گا کہ ان خطوں میں بسنے والے جاندار گرمی کی شدّت سے گھبرا کر شمال کی جانب کوچ کر جائیں گے اس بڑھتی ہوئی گرمی کا نتیجہ یہ ہوگا کہ گرین لینڈ اور دوسرے علاقوں کی برف پانی میں تبدیل ہو جائے گی جس کی وجہ سے رودبار انگلستان اور بحرِ اطلانٹک کی سطح سو فٹ بُلند ہو جائے گی اور لندن، نیویارک اور پیرس جیسے حسین شہر غرقاب ہو جائیں گے۔

نہ صرف انسانی زندگی بلکہ خود زمین کی زندگی کا انحصار بھی سورج پر ہے۔ سورج اگر آج چمکنا چھوڑ دے تو سارا نظام درہم برہم ہو جائے اس کے بعد زمین پر کیا گزرے گی اس کا اندازہ لگانا دشوار نہیں۔

زمین پر رہنے والا ہر ذی حیات ختم ہو جائے گا اور یہ بھی ایک طرح سے زمین کا فنا ہونا ہی ہے اس لیے کہ زمین کی ساری رعنائی، دِل فریبی، دل کشی اور سجیلاپن صرف اس پر نظر آنے والے جاندار اجسام سے ہے۔

ایک اور صورت قیامت کی یہ بھی ہو سکتی ہے کہ کرّہ ارض پر صرف اور صرف پانی رہ جائے، اس بات سے سبھی واقف ہیں کہ زمین بہت آہستگی سے کٹتی جا رہی ہے اور اس کی جگہ پانی لیتا جا رہا ہے یوں سمجھئے کہ تمام دریا اور سمندر آہستہ آہستہ زمین کھاتے جا رہے ہیں۔ ماہرین سے قطع نظر اس کا مشاہدہ آپ کو اور مجھ کو بھی ہوتا ہی رہتا ہے زیادہ مدّت نہیں گزری جب یورپ اور افریقہ، فرانس اور برطانیہ، ایشیا اور امریکہ تک دوسرے سے ملے ہوئے تھے مگر آج دنیا کے نقشے پر نظر کیجئے تو دوسری ہی صورت نظر آئے گی۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ جس جگہ آج بحرِ اطلانٹک ٹھاٹھیں مار رہا ہے کسی زمانے میں اس علاقے پر خشکی اپنا قبضہ جمائے ہوئے تھی۔ اسی طرح ایک وقت زمین پر ایسا بھی گزرا ہے جب آسٹریلیا، انٹارٹیکا، جنوبی امریکہ اور جنوبی افریقہ آپس میں ملے ہوئے تھے اور

ان پر بسنے والے جانور آزادانہ ایک ملک سے دوسرے ملک کو آیا جایا کرتے تھے لیکن اب یہ تمام ممالک ایک دوسرے سے علاحدہ ہو چکے ہیں قدرت نے ان تمام ممالک کے بیچ پانی کی دیوار کھڑی کر دی ہے اور انسان نے حرص و ہوس کی۔
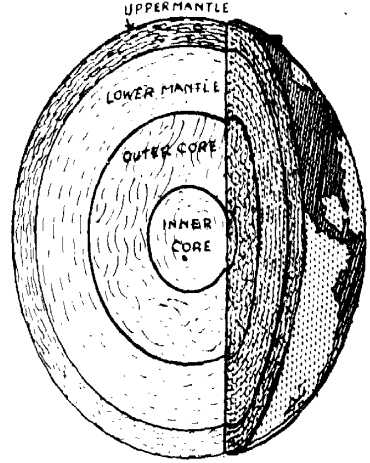
زمین کا اندرونی حصہ اتنی دہکتی ہوئی حالت میں ہے۔

متذکرہ بالا پانچ نظریوں سے ہٹ کر بعض ماہرین کچھ اور ہی نظریے قائم کرتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ مستقبل بعید میں ایسا وقت بھی آسکتا ہے جب کچھ گیسیں سورج کی سطح پر پردہ ڈال کر ہمیں اس کی حرارت اور نور سے محروم کر دیں گی۔ خلا کی زبردست خنکی اس صورتِ حال سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے زمین پر حملہ آور ہو جائے گی۔ یہ بھی خیال ہے کہ ایک زمانہ پھر ایسا آئے گا کہ زمین کی سطح آب و ہوا کے لیے ترس جائے گی ہوا تو خلاءِ بسیط میں گم ہو کر رہ جائے گی اور پانی برف کی شکل اختیار کر لے گا۔ یا نظامِ شمسی کے سارے سیارے اپنی رفتار رفتہ رفتہ کم کرتے جائیں گے اور ایک دن وہ تمام پھر سورج کا ایک حصہ بن جائیں گے۔ ان سیاروں میں ایک ہماری زمین بھی ہوگی۔

ایک خیال یہ بھی ہے کہ یہ نہیں ہوگا بلکہ زمین کی اندرونی قوتیں بروئے کار آئیں گی۔ جس کی وجہ سے زمین کی سطح پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گی اور کرۂ ارض بے شمار شہابوں کی شکل اختیار کر لے گا۔ اس سے پہلے کہ سورج اپنی تمام دوزخ سامانیوں کے ساتھ پھٹ کر اپنے ماتحت سارے سیاروں کو تباہ کر کے ہمیشہ کے لیے خاموش ہو جائے۔

ایٹم سے متعلق تحقیقات اس بات کی گواہ ہیں کہ سورج کا خزانۂ آتش وہی گیس ہے جسے آپ اور ہم ہائیڈروجن کہتے ہیں "اس گیس کے ایٹم سورج کے قلب میں سخت حرارت اور بے پناہ دباؤ کے زیرِ اثر ہیلیم گیس میں تبدیل ہوتے رہتے ہیں لیکن جیسے جیسے ہائیڈروجن کی مقدار کم ہو رہی ہے سورج کی شعلہ فشانی بڑھتی جا رہی ہے۔ گزشتہ دو لاکھ سال میں ہماری زمین کے اوسط درجۂ حرارت میں چند ڈگری کا جو اضافہ ہوا ہے اس کی وجہ صرف مذکورۂ بالا نظریے سے ہی ظاہر ہو سکتی ہے۔

جس وقت سورج میں ہائیڈروجن کی مقدار آدھی رہ جائے گی تو اس کی تپش اور چمک میں کئی سو گنا اضافہ ہو جائے گا۔ اس بلاخیز گرمی کے زیرِ اثر سمندر، تالاب، جھیلیں اور دریا خشک ہو جائیں گے۔ اور زمین جل بھن کر فضا میں منتشر ہو جائے گی۔ قیاس غالب ہے کہ اس قیامت کے عالم میں بیچارہ سورج بھی خود اپنی گرمی کی تاب برداشت نہ لا کر پھٹ جائے اور اس کی سطح پر کی گیس شعلوں کی صورت کر لے اور یہ شعلے اس کے ماتحت سیاروں کو اپنی لپیٹ میں لے لیں۔ سورج کے اس حشر کے ٹھیک آٹھ منٹ بعد ہماری زمین اس دہکتی ہوئی بھٹی کی نذر ہو جائے گی اور خلا کی وسعتوں میں سوائے گرد و غبار کے کچھ باقی نہ رہے گا۔

آپ تو جانتے ہیں کہ فضا نام ہے لاتعداد سالمات کے اجتماع کا اور یہ سالمات بڑی سرعت سے گردش میں لگے رہتے ہیں اور ان کی یہی گردش بعض اوقات اس درجہ تیز ہو جاتی ہے کہ زمین بھی اپنی کشش کے ذریعے ان پر قابو نہیں پا سکتی۔ ایسے وقت میں وہ کرۂ ارض کی فضا سے باہر نکل جاتے ہیں۔ یہ سلسلہ مستقل طور پر چل رہا ہے حالانکہ اس طرح نکل جانے والے سالمات کی تعداد کبھی بھی قابلِ بیان نہیں رہی پھر بھی یہ چکر اسی طرح چلتا رہے تو چند لاکھ سال بعد زمین کی ہوا اتنی ہلکی اور لطیف ہو جائے گی کہ کوئی ذی حیات اس میں سانس نہ لے سکے گا۔ ایسی حالت میں حیات کے فنا ہونے میں کیا کلام ہو سکتا ہے۔

جدید تحقیق نے یہ انکشاف کر کے دل دہلا دیا ہے کہ سورج بڑی آہستگی سے اپنے وزن میں کمی کر رہا ہے۔ اگر سورج اسی طرح

باقی [illegible] پر

ضروری وسائل کی فراہمی

صنعتی ترقی کے لئے سب سے پہلی ضرورت یہ ہوتی ہے کہ زمین، پانی اور بجلی موجود ہو۔ انھیں بنیادی چیزوں کو انفرا اسٹرکچر کہا جاتا ہے اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے ایک کمپنی کا قیام ضروری ہوگیا تھا تاکہ قرضہ دینے والے اداروں جیسے لائف انشورنس کارپوریشن، انڈسٹریل ڈیولپمنٹ بینک آف انڈیا، ہاوزنگ اینڈ اربن ڈیولپمنٹ کارپوریشن، نیز مختلف تجارتی بینکوں سے سرمایہ حاصل کیا جاسکے چنانچہ حکومت آندھرا پردیش نے ستمبر ۱۹۷۳ء میں، آندھرا پردیش انڈسٹریل انفرا اسٹرکچر کارپوریشن لمیٹڈ قائم کیا اور پچھلے تین پنجسالہ منصوبوں کے دوران میں صورت پذیر ہونے والی ۴۴ صنعتی بستیوں کا انتظام، یکم جون ۱۹۷۴ء سے اس کارپوریشن کے سپرد کردیا۔ اس کے علاوہ حکومت نے کارپوریشن کو یہ فہمائش بھی دی کہ ایسے علاقوں میں جلد از جلد انفرا اسٹرکچر کی سہولتیں بہم پہنچائی جائیں جہاں یہ سہولتیں موجود نہیں ہیں۔ کارپوریشن کو بطور خاص یہ ہدایت بھی دی گئی ہے کہ حکومت ہند نے جن علاقوں کو صنعتی اعتبار سے پس ماندہ علاقے قرار دیا ہے اُن پر پوری پوری توجہ مرکوز کی جائے۔

صنعتی ترقی کے علاقے

کارپوریشن نے زمین کے ایسے بڑے بڑے قطعات حاصل کئے جنھیں صنعتی ترقی کے نقطۂ نظر سے مناسب و موزوں سمجھا گیا۔ اور پھر ان قطعات اراضی میں سڑکوں، ڈرینج، آب رسانی اور بجلی کی سہولتیں مہیا کی گئیں۔ اس ضمن میں سب سے پہلے حیدرآباد کے قریب پٹن چیرو، ضلع میدک میں ترویتی۔ اپی گنٹہ کی پٹی اور آندھرا پردیش کے ساحلی علاقے میں وشاکھاپٹنم کا انتخاب کیا گیا۔ ان سب مقامات پر بڑے پیمانے کی جن صنعتوں کا قیام عمل میں آرہا ہے اُن میں چھوٹے چھوٹے فولاد سازی کے کارخانے، کیڑا مار دوائیں بنانے کے یونٹ اور کیمیکل یونٹ وغیرہ شامل ہیں۔ مذکورہ صدر علاقوں کے علاوہ شادنگر، رام گنڈم، گنٹکل، وجے واڑہ اور سریکا کولم کو بھی صنعتی ترقی کے لئے اہم علاقے قرار دیئے گئے جہاں انفرا اسٹرکچر کی سہولتوں کی فراہمی، نئی صنعتوں کے قیام کا پیش خیمہ بن جائے گی۔ اوپر بیان کئے ہوئے جن علاقوں میں بڑے پیمانے کی صنعتوں کا قیام عمل میں آرہا ہے، اُن کے دوش بدوش گرد و نواح میں خود بخود چھوٹے پیمانے کی صنعتیں بھی عالم وجود میں آنے لگیں گی۔

چھوٹے پیمانے کی صنعتوں کو فروغ دینے کے لئے کارپوریشن نے متعدد صنعتی بستیوں کے قیام کا ایک پروگرام بھی بنایا ہے۔ یہ صنعتی بستیاں دو قسم کی ہوں گی۔ ایک تو روایتی قسم کی جن میں صنعت کاروں کے لئے تیار شدہ شیڈ فراہم کئے جائیں گے دوسری نجی طور پر قائم کی جانے والی صنعتی بستیاں ہوں گی۔ جن میں نجی صنعت کاروں کو ایسے قطعاتِ اراضی الاٹ کئے جائیں گے جہاں انفرا اسٹرکچر کی تمام سہولتیں موجود ہوں اور پھر نجی صنعت کاروں کو ان قطعات اراضی پر اپنی ضرورتوں کے بموجب کارخانے بنانے کی اجازت حاصل ہوگی۔ حیدرآباد و سکندرآباد کی بڑی صنعتی بستیوں کے اندر ذیلی صنعتوں کے قیام کے لئے الحاقی بستیوں کا پروگرام بھی شروع کیا گیا ہے تاکہ اوسط درجے اور چھوٹے

پیمانے کی صنعتوں کو مدد دی جاسکے۔

خود روزگار بستیاں

حکومت ہند کی ایک اسکیم کے تحت ایسی صنعتی بستیاں بھی قایم کی جارہی ہیں جو کلیتاً ایسے تعلیم یافتہ اشخاص، انجینیروں اور ٹکنولوجی کے ماہرین کے لیے ہوں گی جو اپنے طور پر چھوٹے پیمانے کی صنعتیں قایم کرنا چاہتے ہوں۔ اس پروگرام کے تحت جو بستیاں قایم کی گئی ہیں انھیں "خود روزگار بستیوں" یا "ٹیکنو کریٹس بستیوں" کا نام دیا گیا ہے۔ ایسی بستیاں سر دست کٹے دان (حیدرآباد)، کرنول، اونگول اور کاکیناڈا میں قایم کی گئی ہیں اور بھی متعدد علاقوں میں اس اسکیم کو نافذ کیا جارہا ہے۔ اور عنقریب کئی مقامات پر اس طرح کی نئی صنعتی بستیاں عالم وجود میں آجائیں گی۔ امدادی بستیوں کے پروگرام کے تحت حسب ذیل مقامات پر صنعتی بستیوں کے قیام کی تجویز ہے۔

(الف) راجندرا پورم میں [بھارت ہیوی الیکٹریکلس لمیٹڈ راجندرا پورم کے لیے امدادی صنعتی بستی] (ب) کوشائی گوڑہ میں [الیکٹرانکس کارپوریشن آف انڈیا لمیٹڈ حیدرآباد کے لیے امدادی صنعتی بستی] (ج) بودھن میں [نظام شوگر فیکٹری لمیٹڈ، بودھن کے لیے امدادی صنعتی بستی] حیدرآباد، ورنگل کڑپہ اور وجے واڑہ میں آندھرا پردیش اسٹیٹ روڈ ٹرانسپورٹ کارپوریشن اور ٹرانسپورٹ کے دوسرے اداروں کے لیے خودکار امدادی صنعتی بستیوں کے قیام کی تجویز بھی زیر غور ہے۔

تجارتی بستیاں

تعلیم یافتہ بے روزگاروں کی حوصلہ افزائی کے لیے تجارتی مرکزوں کے قیام کے سلسلے میں کارپوریشن نے تصفیہ کیا ہے کہ ریاست کے اہم شہروں اور قصبوں میں تجارتی بستیاں قایم کی جائیں جہاں دکان اور دفتر کی سہولتیں فراہم کی جائیں۔ اب تک وشاکھاپٹنم، وجے واڑہ، نیلور اور تروپتی میں ایسی بستیاں قایم کی جاچکی ہیں، حیدرآباد، ورنگل اور نظام آباد میں بھی اسی قسم کی بستیوں کا قیام زیر غور ہے۔ ہر تجارتی بستی میں ۳۰ تا ۴۰ تعلیم یافتہ اشخاص اپنے تجارتی مرکز قایم کرسکتے ہیں۔ جواہر آٹو نگر، وجے واڑہ میں آٹوموبائیل ٹریڈ مینوفیکچر اور سرویسنگ کی کامیاب عمل آوری کے پیش نظر گنٹور، ورنگل اور وشاکھاپٹنم میں بھی اسی طرح کی اسکیمیں روبہ عمل لائی جانے والی ہیں۔

انڈسٹریل ہاؤزنگ پراجکٹ

کسی صنعت کو فروغ دینے کے لیے یہ بات بھی بہت اہم ہوتی ہے کہ مختلف صنعتی بستیوں اور صنعتی ترقی کے علاقوں میں مزدوروں کے لیے رہائشی مکانات فراہم کیے جائیں، چنانچہ اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے، کارپوریشن نے صنعتی ترقی کے مختلف علاقوں میں مکانات کی تعمیر کا پروگرام بھی شروع کردیا ہے۔ آغازِ کار کے طور پر حیدرآباد کے قریب چندولال کی بارہ دری میں ایک سو مکانات تعمیر کیے جارہے ہیں۔ عنقریب ایسے ہی پروگرام کوشائی گوڑہ (حیدرآباد کے قریب) وجے واڑہ، تروپتی، حیدرآباد اور ورنگل میں بھی روبہ عمل لائے جائیں گے۔

پانی اور بجلی کی فراہمی

تمام صنعتوں خصوصاً ایسی صنعتوں کے لیے جو پانی کی سہولتوں سے محروم ہیں، کارپوریشن نے پانی کی فراہمی کی اسکیمیں بنائی ہیں اور ایسی دو بڑی اسکیموں پر عمل بھی شروع کردیا ہے ان میں سے ایک اسکیم کے تحت کڑپہ کی صنعتوں کو اور دوسری اسکیم کے تحت رینی گنٹہ کی صنعتوں کو پانی فراہم کیا جائے گا۔ کاکیناڈا میں مجوزہ فرٹیلائزرس کامپلکس کے لیے پانی فراہم کرنے کی ایک بڑی اسکیم بھی کارپوریشن کے زیر غور ہے۔

آندھرا پردیش الکٹرسٹی بورڈ کا یہ مطالبہ ہے کہ صنعتوں کو برقی قوت فراہم کرنے کے لیے بورڈ کو رضاکارانہ طور پر قرضہ دیا جائے۔ چنانچہ آندھرا پردیش انفرا اسٹرکچر کارپوریشن نے اس سلسلے میں ایک اسکیم بنائی جس کے تحت نئے صنعت کاروں کی جانب سے الکٹرسٹی بورڈ کو قرضہ دیا جاتا ہے۔ کارپوریشن قرضے کی رقم آسان قسطوں میں متعلقہ صنعت کاروں سے وصول کرتا ہے۔ یہ سہولت بطورِ خاص ایسے ٹیکنوکراٹس اور خود روزگار صنعت کاروں کو دی جاتی ہے جو صنعتی ترقیاتی علاقوں اور صنعتی بستیوں میں اپنی صنعتیں قایم کرنا چاہتے ہیں۔

پس ماندہ علاقے

جہاں تک پس ماندہ علاقوں کا تعلق ہے، کارپوریشن کی پالیسی یہ ہے کہ ایسے علاقوں میں صنعتی بستیوں کی عمارات رعایتی کرائے پر دی جائیں۔ کارپوریشن نے ایسی اسکیمیں بھی بنائی ہیں کہ کارخانے کی عمارتوں کو قسط وار کرائے کی بنیاد پر یا ایک دم فروخت کردیا جائے۔ (باقی ص ۲۸ پر)

بدیع الزماں اعظمی

کاغذ

انسانی تہذیب کا سب سے قیمتی سرمایہ

یہ پرچہ جو آپ کے ہاتھوں میں ہے کاغذ کے چند اوراق پر ہی تو مشتمل ہے۔ ان اوراق کو قدر کی نگاہ سے دیکھئے یہ سونے اور جواہرات سے زیادہ قیمتی ہیں۔ تہذیب و تمدن کے موجودہ قلعہ کو منہدم ہونے میں دیر نہ لگے گی اگر کاغذ دنیا سے ناپید ہو جائے۔ کاغذ ہی دراصل جہالت کی تاریکی اور علم کی روشنی کے درمیان نظم و نسق اور لاقانونیت کے درمیان، غلامی اور آزادی کے درمیان، تقریر اور تحریر کے درمیان پل کا درجہ رکھتا ہے۔ بغیر اس کے ہم ان تحریری الہامات سے بھی تہی دامن ہو جائیں گے جو ہمارے دلوں کو گرماتے اور ہمیں بڑے بڑے کام کرنے کے لیے اکساتے رہتے ہیں۔

اگر آپ دنیا کے کسی بڑے کتب خانے میں چلے جائیں جہاں عظیم المرتبت کتب الہیہ کے علاوہ بڑے بڑے فلسفیوں ادیبوں، شاعروں، سائنس دانوں، ہیئت دانوں، ریاضی دانوں مورخوں اور دانشوروں کی لکھی ہوئی کتابیں محفوظ ہیں تو آپ ایسا محسوس کریں گے کہ وہ بزرگ شخصیتیں جنہیں مرے ہوئے سینکڑوں ہزاروں برس گزر گئے ہیں آپ سے زندہ انسانوں کی طرح باتیں کر رہی ہیں۔

انسان اپنے ابتدائی دور میں اپنے خیالات کی ترجمانی چند علامتوں یا تصویروں کے ذریعے ہڈیوں، لکڑی کی تختیوں، درختوں کی چھالوں، غاروں کی دیواروں اور پتھر کی سطحوں پر کندہ کر کے کیا کرتا تھا۔ بعد اس کے وہ مٹی کی بنی ہوئی تختیوں پر نقش بنانے اور معبد خانوں کی دیواروں پر خطوط دیر میں اپنے خیالات کو ثبت کرنے لگا۔ آگے چل کر اس نے جانوروں کی جھلیوں یا ابتدائی کاغذ پارچوں پر لکھنا شروع کیا۔

کاغذ کی ایجاد کا سہرا مصر کے سر

اہل مصر کاغذ سازی کے باوا آدم کہے جا سکتے ہیں۔ لفظ پیپر یا پیپرس (Papyrus) خود غماز ہے کہ مصریوں نے دریائے نیل کے ڈیلٹائی علاقے میں اگنے والے پیپرس پودے سے کاغذ بنایا ہوگا۔

اسی پیپرس سے ہی وہ ٹوکری تیار کی گئی تھی جس میں رکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ نے فرعون وقت کے تاناشاہی حکم کے خوف سے اپنے نور نظر کو نیل کی موجوں کے سپرد کر دیا تھا۔ آج پیپرس اگرچہ نیل کے ڈیلٹائی علاقے سے ناپید ہو چکا ہے مگر اب بھی نیل کی بالائی وادی اور ملک حبشہ میں پایا جاتا ہے۔ پیپرس کے بارے میں مشہور مورخ (Theophrastus) رقم طراز ہے کہ یہ پودا تین فٹ گہرے پانی میں دلدلی زمین میں نشوونما پاتا ہے۔ اس کی خاص جڑ ۱۵ فٹ لمبی ہوتی ہے اور دبازت میں انسان کی کلائی کے برابر ہوتی ہے۔ یہ جڑ کیچڑ میں زمین کی سطح کے متوازی پھیلی ہوتی ہے۔ اس جڑ سے ننھی ننھی جڑیں زمین کے اندر جاتی ہیں اور کئی ایک تنے اوپر کی سمت آتے ہیں۔

یہ تنے بالعموم ۶ فٹ اونچے ہوتے ہیں جو نیچے سے اوپر کی طرف پتلے ہوتے جاتے ہیں۔ ان کے سروں پر پتیوں کے خوبصورت گچھے ہوتے ہیں۔ زمانۂ قدیم میں ان گچھوں سے ہار بنا کر دیوتاؤں کے مجسموں کو پہنائے جاتے تھے۔ جڑ ایندھن کا کام دیتی تھی اور تنے کے گودے سے چٹائیاں، ٹوکریاں، رسیاں، کپڑے اور کاغذ بنایا جاتا تھا۔ گودا کھانے کے کام بھی آتا تھا۔

پیپرس کاغذ ابتدائی کاغذ تھا جس پر آج کل کے کاغذ کا اطلاق نہیں ہو سکتا ہے۔ پیپرس کا سفید گودا لمبے لمبے ٹکڑوں میں کاٹ لیا جاتا تھا۔ انھیں ایک قطار میں رکھ کر ان پر چھوٹے چھوٹے ٹکڑے آڑے پھیلا دیئے جاتے تھے۔ اس کے بعد جملہ ٹکڑوں کو دریائے نیل کی کیچڑ یا کسی چپکنے والے مادے سے جوڑ دیا جاتا تھا۔ پھر انھیں اچھی طرح دبا کر اور بیل کر کاغذ کی شکل دے دی جاتی تھی۔ مصر میں کھدائی کے بعد اس قسم کے تحریر کردہ کاغذ کے رول فراعنۂ مصر کی ممیوں کے ساتھ ساتھ برآمد کیے گئے ہیں۔ ان سے ایک رول پر آج سے ساڑھے پانچ ہزار برس قبل شہنشاہ آسا (king Assa) کے عہد حکومت (۲۵۸۰ ق م سے ۳۵۳۹ ق م) کے حالات درج ہیں۔ کاغذ کا ایک ایسا ہی رول پیرس کے عجائب خانے میں محفوظ ہے جو مصر کے پانچویں خاندان کے بادشاہ کے زمانے میں ۲۵۰۰ سال قبل مسیح لکھا گیا تھا۔ ایسے ہی رولوں پر افلاطون، ارسطو وغیرہ کی بھی تحریریں دستیاب ہوئی ہیں۔ بھارت کا بھوج پتر بھی کچھ اسی قسم کا تھا۔

کاغذ سازی اور چین

موجودہ دور کے کاغذ کے سلسلے میں ہم اہلِ چین کے مرہونِ منت ہیں۔ چینی لوگ بانس کے بنے ہوئے کاغذ پر یا ریشمی پارچوں پر لکھا کرتے تھے لیکن سنہ عیسوی کی پہلی صدی میں یا اس سے کچھ قبل ایک چینی نے شہتوت کے درختوں کی چھال، سن، چیتھڑوں اور مچھلی پکڑنے کے بوسیدہ جالوں سے کاغذ بنانے میں کامیابی حاصل کر لی تھی۔ وثوق کے ساتھ تو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اصلی کاغذ کب بنایا گیا۔ لیکن یہ بات قرینِ قیاس ہے کہ کاغذ آج سے دو ہزار برس قبل کی ایجاد ہوگی۔ اس امر کا سراغ ہمیں برطانوی سیاح سر آرل اسٹین (Sir Aurel stein) کی تحقیقات سے ملتا ہے۔ موصوف برٹش میوزیم کے لیے صحرائے گوبی کے مدفون شہروں کی کھوج میں ایک تحقیقاتی مہم پر گئے ہوئے تھے۔ اس ریگستانی علاقے میں قدیم دیوارِ چین پر بنی ہوئی حفاظتی چوکیوں کے جا بجا کھنڈرات بھی تھے۔ انھیں کھنڈروں میں سے ایک کھنڈر کے ملبے میں کھدائی کے بعد مسٹر سٹین اور ان کے ساتھیوں کو لکڑی کی چند تختیاں ملیں جن پر چینی زبان میں کچھ کندہ تھا۔ ان کے علاوہ تحریر کردہ ریشمی پارچے اور درختوں کی چھال اور چیتھڑوں کے بنے ہوئے کاغذ پر لکھے ہوئے خطوط کا ایک بنڈل بھی دستیاب ہوا اگرچہ یہ تحریریں ایسی زبان میں تھیں جس سے مسٹر اسٹین ناواقف تھے۔ مگر بعد میں جب ان کے ترجمے کروائے گئے تو نفسِ مطلب کا اندازہ ہوا۔ لکڑی کی ایک تختی پر تاریخ بھی کندہ تھی جس سے یہ معلوم ہوا کہ سنہ عیسوی کا ابتدائی زمانہ تھا۔

اہلِ چین اس زمانے میں جو کاغذ بناتے تھے وہ زیادہ تر شہتوت کی چھال سے بنایا جاتا تھا۔ اس درخت کی پتیوں پر ریشم کے کیڑے بھی پالے جاتے ہیں جو ریشم بھی پیدا کرتے ہیں۔ اسی لیے اس درخت پر ریشم اور کاغذ دونوں کا انحصار تھا۔ چینیوں کی اس ایجاد کی بھنک دنیا کے کسی دوسرے خطے کو تقریباً سات سو برس تک نہ ہو پائی۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ کاغذ کی ایجاد کا علم عربوں کو ایک جنگی مڈبھیڑ کے سلسلے میں ہوا۔ ۷۵۱ء میں چینیوں نے وسطِ ایشیا کی نئی اسلامی مملکت کی راجدھانی سمرقند پر فوج کشی کر دی۔ سمرقند کے عرب گورنر نے اس جھڑپ میں چینیوں کو پسپا کر کے ان کے بہت سارے فوجی قید کر لیے۔ ان قیدیوں میں ایسے لوگ بھی تھے جو کاغذ سازی کے فن سے واقف تھے۔ ان لوگوں نے کاغذ سازی کی صنعت کے گر سے نہ صرف عربوں کو روشناس کیا بلکہ انھیں کاغذ بنانے کی ٹریننگ بھی دی۔ اس طور پر کاغذ سازی کی

صنعت کی شروعات عرب ممالک میں بھی ہو گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے اسے کافی فروغ بھی ملا۔ سب سے پہلے خراسان کے علاقے میں کاشت کی جانے والی السی کے ریشوں سے کاغذ بنایا گیا۔ اسی کاغذ پر عربی قواعد کی مشہور کتاب "دیوان الادب" سمرقند ہی میں ۹۷۴ء میں لکھی گئی۔ جب عربوں نے اپنی فتوحات کے سلسلے میں یورپ کے کئی ممالک کو زیر نگیں کر لیا تو ان کے ساتھ کاغذ بنانے کی صنعت بھی یورپ پہنچی۔

چین سے سمرقند میں

اگر چہ دنیا کی تاریخ بڑی بڑی جنگوں اور بڑی بڑی فتوحات کے ذکر سے بھری پڑی ہے مگر ان میں سے کسی ایک نے بھی تاریخ عالم پر وہ انقلاب انگیز اثر نہیں چھوڑا جو ایک معمولی جھڑپ میں مٹھی بھر چینیوں کو قیدی بنا کر حاصل کیا گیا۔ اہل چین کاغذ بنانے کے لیے شہتوت کی چھال کو اتنا کوٹتے تھے کہ ان کے ریشے الگ الگ ہو جاتے تھے۔ یہ ننھے ننھے ریشے پانی میں حل کر کے ایک بڑے چھننے میں ڈال دیئے جاتے تھے۔ پانی ٹپک جانے کے بعد جو فضلہ بچتا تھا وہ نمدے کی شکل اختیار کر لیتا تھا جسے آج ہم لُبدی کہتے ہیں۔ اس نمدے کو بیلنوں سے دبا دبا کر بیلنے کے بعد پتلے کاغذ کی شکل دے دی جاتی تھی۔ اس طریق کار میں اگرچہ ہر صدی میں سُدھار ہوتا گیا مگر اصل اصول اپنی جگہ قائم رہا۔ آج بھی کاغذ ایسے ریشوں سے بنی ہوئی لُبدی سے بنایا جاتا ہے۔ یہ لبدی نرم لکڑی ہی سے نہیں بلکہ ہر قسم کی گھاس پات سے بنائی جاتی ہے اس ضمن میں نرم لکڑی، کپاس، سن، پوال، چیتھڑے، الفا فایا اسپارٹو گھاس یا بھارت کے ترائی علاقے کی سبائی گھاس خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

نباتاتی ریشوں میں ایک قسم کا مادہ پایا جاتا ہے جسے ہم سلولز (cellulose) کہتے ہیں۔ کاغذ بنانے میں اس کا ایک خاص مقام ہے۔ سلولز پودوں اور پیڑوں کی ہری پتیوں میں سورج کی شعاعوں کی بدولت پیدا ہوتا ہے۔ دراصل یہ کاربوہائیڈریٹ (carbo - Hydrate) ہے جو آکسیجن اور ہائیڈروجن جیسی بے رنگ گیسوں اور سیاہ کاربن سے مرکب ہوتا ہے۔ اگر ہری ہری پتیوں کا وجود نہ ہوتا تو سفید کاغذ کا تختہ بھی وجود میں نہ آتا سورج کی کرنیں، اور ہری پتیاں نشاستہ تیار کرتی ہیں۔ یہ نشاستہ شکر میں تبدیل ہو جاتا ہے اور پھر شکر سلولز میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ یہی تین اشیا یعنی نشاستہ، شکر اور سلولز غیر معمولی اہمیت رکھنے والے مادے ہیں۔ جس طرح نشاستہ اور شکر ہماری بقا اور جسمانی حرارت کو قائم رکھنے کے لیے ضروری ہیں۔ اسی طرح سلولوز کاغذ کی شکل میں سیاہی کے چند قطروں کی مدد سے ہمارے ذہنی ارتقا کا واحد ذریعہ ہے۔

کاغذ یورپ میں

جیسا کہ ہم سطور بالا میں پڑھ چکے ہیں۔ کاغذ سازی کی صنعت کا راز چین سے سمرقند عربوں کی نوک خنجر پر لایا گیا، اسی طرح تلوار کی دھار پر یورپ تک پہنچا۔ یورپ میں کاغذ عرب ممالک سے سب سے پہلے یونان لایا گیا جہاں گیارھویں صدی میں ملکہ آیرین (Empress Irene) کے دور حکومت میں کاغذ کے استعمال کا سراغ ملتا ہے۔ ملک اسپین کا شہر طالیدو (Toledo) یورپ کا وہ پہلا مقام ہے جہاں مور کاریگروں کی مدد سے کاغذ تیار کرنے کا سب سے پہلا کارخانہ کھولا گیا۔ اس کے بعد وہاں کے دوسرے شہروں میں بھی کارخانے قائم کیے گئے۔ فرانس میں ۱۱۸۹ء میں ایک کارخانہ کھولا گیا جس کے لیے وہ اسپین ہی کا رہین منت تھا۔ عربوں کا تسلط جب جزیرۂ سسلی پر ہو گیا تو وہاں بھی شہر فابریانو (Fabriano) اس صنعت کا مرکز قرار پایا۔ چنانچہ وہاں کے ڈیوک ریمنڈ کا تحریر کردہ ایک خط آج بھی انگلستان کے پبلک ریکارڈ آفس میں محفوظ ہے جسے موصوف نے انگلستان کے شہنشاہ ہنری سوم کے نام لکھا تھا۔ چند برسوں کے بعد اٹلی کے بڑے بڑے شہر جیسے فلورنس، روم، میلان، وینس وغیرہ کاغذ سازی کے مراکز بن گئے۔ ان کارخانوں میں تیار شدہ کاغذ سے جرمنی کی کاغذ کی مانگ چودھویں صدی تک پوری کی جاتی رہی۔ بالآخر جرمنی میں بھی اطالوی کاریگروں کی دیکھ ریکھ میں کارخانے قائم کیے گئے۔ سب سے پہلے ۱۳۲۰ء میں شہر مینز (Mainze) میں اور ۱۳۹۰ء میں شہر نوریمبرگ

میں کارخانے کھلے۔ انگلستان میں پہلا کارخانہ سولھویں صدی کے اوائل میں مسٹر جان ٹیٹ نے ہارٹ فورڈ (Hart ford) میں کھولا اور ملکۂ الزبتھ کے جوہری مسمی سرجان اسپیل مین نے ایک کارخانہ ڈارٹ فورڈ (Dart fort) میں کھولا۔ انگلستان میں کاغذ کی معتدبہ مقدار اٹھارویں صدی سے پہلے تیار نہیں ہوئی۔ امریکہ میں تو یورپ ہی سے کاغذ درآمد کیا جاتا۔ وہاں پہلی پیپر مل کا افتتاح ۱۶۹۰ء میں جرمن ٹاؤن (German Town) میں ہوا۔ اس کے بعد ہر سال کارخانوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا۔ ۱۸۱۰ء تک تقریباً دو سو کارخانے چالو ہو گئے جن میں بیس لاکھ ڈالر کا کاغذ تیار ہونے لگا۔ فرانس کی ایسون پیپر مل (Essonne Paper Mill) کے ایک کلرک لوئس رابرٹ (Louis Robert) نے ۱۷۹۸ء میں کاغذ بنانے کی مشین ایجاد کرلی۔ اس ایجاد سے صنعت کو چار چاند لگ گئے۔

کاغذ سازی کی صنعت میں ترقی

ابتدا میں یورپ کے جن جن ملکوں میں کاغذ تیار کیا جاتا تھا، اس کے لیے زیادہ تر چیتھڑے استعمال کیے جاتے تھے۔ اب بھی اگرچہ اس کا استعمال جاری ہے مگر اب اس صنعت کے لیے خام مال میں مخروطی جنگلات کی نرم لکڑی کو خصوصی درجہ حاصل ہے۔ جنگلات کی لکڑی سے کاغذ بنانے کا فن کاغذ کی ایجاد سے ہزاروں لاکھوں سال قبل کیڑے مکوڑوں نے معلوم کرلیا تھا شہد کی مکھیاں اور بھڑیں نامعلوم زمانوں سے اپنے اپنے چھتے درختوں کی سڑی ہوئی بے جان لکڑی سے بناتی چلی آرہی ہیں بھڑ کا چھتہ دراصل لکڑی کا ایک قسم کا کاغذ ہی ہے۔ اس چھتے نے ہی لکڑی کی لُبدی سے کاغذ بنانے کا راز بتلایا۔ جب حضرت سلیمانؑ نے آرام طلب اور کاہل انسانوں کو نصیحت کی کہ وہ چیونٹیوں کے پاس جائیں اور ان سے جفاکشی کا سبق لیں تو غالباً انھوں نے کاغذ بنانے کے لیے لوگوں کو مشورہ دیا ہوگا کہ وہ بھڑوں کے پاس جائیں لیکن کسی کو بھی بھڑوں سے سبق لینے کی توفیق نہ ہوئی یہ تو ۱۷۶۵ء کی بات ہے کہ ایک پادری شیفر نے بھڑوں کے چھتوں اور لکڑی کے برادے سے اچھے قسم کا کاغذ بنانے میں کامیابی حاصل کرلی۔ اس تجربے کو ایک ڈچ باشندے مسمی کوپس (Kocps) اور سکسینی۔ کیلر (Keller) نے آزماکر ۱۸۴۴ء میں لکڑی کی لُبدی سے کافی مقدار میں کاغذ بنایا۔ پھر تو لُبدی ہی سے کاغذ تیار کیا جانے لگا۔ چنانچہ ۱۸۷۲ء میں ۱۲ ہزار ٹن لکڑی کاغذ بنانے میں استعمال کی گئی۔ ۱۹۰۰ء میں اس کی مقدار بڑھ کر دس لاکھ ٹن ہوگئی۔ بالفعل ساری دنیا میں مخروطی جنگلات کی لگ بھگ پانچ کروڑ ٹن سے بھی زائد لکڑی ہر سال استعمال کی جاتی ہے جس سے دو کروڑ ٹن لُبدی حاصل ہوتی ہے۔

مخروطی جنگلات کے ہزاروں میل لمبے اور سیکڑوں میل چوڑے قطعے شمالی یورپ، سائبیریا اور شمالی کنیڈا میں پھیلے ہوئے ہیں۔ چیڑ اور صنوبر کے درخت کاٹ کر اور ندیوں میں بہاکر اس مقام پر لائے جاتے ہیں جہاں ندیوں پر آبشار ہوتے ہیں۔ آبشاروں کے قریب لُبدی بنانے کے کارخانے قائم کیے گئے ہیں جو آبشاروں سے حاصل کردہ آبی بجلی کی مدد سے چلائے جاتے ہیں۔ ان کارخانوں میں بڑی بڑی مشینیں لکڑی کے کندوں کو پیس کر برادے کی شکل میں تبدیل کردیتی ہیں۔ پھر اس برادے سے کاغذ بنانے کی لُبدی تیار کرلی جاتی ہے۔ ان کارخانوں سے لبدی دنیا کے صنعتی علاقوں میں بھیج دی جاتی ہے۔ کاغذ بنانے والے کارخانوں میں لبدہ پانی سے بھرے ہوئے بڑے بڑے حوضوں میں ڈال دی جاتی ہے اور مختلف کیمیاوی اجزا کے ساتھ خوب متھی جاتی ہے۔ اس طور پر لبدی میں ملی ہوئی گندگی بھی دور ہوجاتی ہے۔ جب لُبدی اچھی طرح صاف ہوکر دودھ کی شکل اختیار کرلیتی ہے تو اسے آہنی چادروں پر بہایا جاتا ہے جو متعدد بھاری بھرکم بیلنوں کے نیچے سے گزر کر بالآخر کاغذ کی شکل اختیار کرلیتی ہے۔ تیارشدہ کاغذ ایک دوسرے بیلن پر لپٹا جاتا ہے۔ اس بیلن پر لپیٹے والے کاغذ کی لمبائی جب ایک میل کے قریب ہوجاتی ہے تو اسے ہٹاکر دوسرا بیلن لگا دیا جاتا ہے۔ بیلن پر لپٹا ہوا کاغذ اتار کر ضرورت اور مانگ کے مطابق مختلف سائزوں میں کاٹ کر پیک کرلیا جاتا ہے۔ کارخانوں سے کاغذ کے بنڈل نکل کر مارکٹ میں آجاتے ہیں۔ جہاں سے چھاپہ خانے اور عوام الناس

کاغذ حاصل کرکے اپنی ضروریات پوری کرتے رہتے ہیں۔ یہ کاغذ مختلف قسم کے ہوتے ہیں جیسے اخباری کاغذ، کتابوں اور میگزین کے لیے کاغذ، کھردرے اور چکنے کاغذ، آرٹ پیپر، فلٹر پیپر، سگریٹ پیپر، ٹیشو پیپر، بلاٹنگ، مومی کاغذ، پیکنگ کا کاغذ وغیرہ وغیرہ۔ اب تو پلاسٹک کے بھی کاغذ بننے لگے ہیں۔ کاغذ کے علاوہ پلاسٹک کے بڑھتے ہوئے رواج کو دیکھتے ہوئے گمان غالب ہے کہ اگلی صدی پلاسٹک کی صدی کہلائے گی۔ کیونکہ وہ زمانہ تیزی سے آرہا ہے جب کہ ہم پلاسٹک کے بنے ہوئے مکانات میں رہیں گے، پلاسٹک پر بیٹھیں گے، پلاسٹک پر لیٹیں گے، پلاسٹک پر چلیں گے، پلاسٹک سے کھائیں گے اور پلاسٹک پہنیں گے۔ یہی نہیں بلکہ ہمارے جسم کے وہ اعضا جو بیکار ہو رہے ہوں گے پلاسٹک کے بنے ہوئے اعضا سے تبدیل کر دیئے جائیں گے۔

دنیا کے اطراف کاغذ کی ایک میل چوڑی سڑک

دنیا بھر کی کاغذ کی مانگ پوری کرنے کے لیے محفوظ جنگلات کے ایک ارب ایکڑ رقبہ کی ضرورت پڑتی ہے۔ ان سے تیار کیے جانے والے کاغذ کی مقدار کا اندازہ یوں کیا جاسکتا ہے کہ ایک ٹن لُبدی سے تیار ہونے والا کاغذ اگر پھیلایا جائے تو تین ایکڑ زمین کو ڈھک لے گا۔ ۱۸۰ ٹن لُبدی سے تیار کیا ہوا کاغذ ایک مربع میل کے رقبے پر پھیلایا جا سکتا ہے۔ بروقت تیار کی جانے والی ۲ کروڑ ٹن لبدی سے بنا ہوا کاغذ ایک لاکھ مربع میل کے قطعے کو ڈھکنے کے لیے کافی ہے۔ اسے یوں بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ ایک سال میں تیار ہونے والے کاغذ کی نصف مقدار سے دنیا کے چاروں طرف کاغذ کی ایک میل چوڑی سڑک بنائی جا سکتی ہے۔ اگر ہم سارے کاغذ کی ایک انچ چوڑی پٹیاں کاٹ لیں اور انھیں آپس میں جوڑ دیں تو یہ پٹی زمین سے سورج تک کا فاصلہ ۳۰ بار طے کرلے گی۔

کسی ملک یا کسی قوم کے ذہنی ارتقا کا اندازہ وہاں استعمال ہونے والے کاغذ کی مقدار سے ہی لگایا جاسکتا ہے۔ اگر نشاستے کی کمی سے ہماری جسمانی صحت بگڑ سکتی ہے تو کاغذ کی قلت ہمارے ذہنی افلاس کا سبب بن سکتی ہے۔

"خوش قسمتی سے ایمرجنسی کے محض اعلان سے ہی ہمارے عوام میں ڈسپلن کا ایک نیا جذبہ پیدا ہوا ہے۔ اس اعلان نے یہ تاثر بھی دیا ہے کہ ایک نیا موقع فراہم کیا گیا ہے۔ اب یہ ہمارا کام ہے کہ اس موقع سے فائدہ اٹھائیں ہم سے مراد محض کانگریس سے ہی نہیں بلکہ اس سے مراد بھارتی عوام ہیں۔ یہی سوال ہمارے سامنے ہے اگر ہم جذبۂ ڈسپلن کو عوام کے ذہن نشین کرانے میں کامیاب ہوگئے اور جذبۂ تعاون کو ان میں مقبول بناسکے خواہ یہ تھوڑے ہی شعبوں میں کیوں نہ ہو، تو یقیناً ہم زیادہ تیز رفتاری کے ساتھ آگے بڑھ سکیں گے۔ ایمرجنسی آگے بڑھنے کے لیے ہمیں نیا موقع فراہم کرتی ہے۔"

——— اندرا گاندھی

"ہم نے سائنس ٹیکنالوجی اور تعلیم کے شعبوں میں نمایاں خدمات انجام دی ہیں۔ ہر شعبے میں ہم آگے بڑھے ہیں۔ مجھے شبہ ہے کہ کوئی ملک جس کے سامنے اس قدر مسائل ہوں۔ اس طرح کے اقدامات کر سکا ہو۔ یہ محض وزیر اعظم کا ہی کام نہیں ہے بلکہ یہ بھارتی عوام کا کارنامہ ہے، بھارتی سائنس دانوں انجینیروں اور دیگر نوجوانوں اور دانشوروں کا کارنامہ ہے۔"

——— اندرا گاندھی

چہرے کے باوجود بھی بے چہرگی سی ہے
تصویرِ زندگی میں ابھی کچھ کمی سی ہے

چہروں کی بھیڑ میں بھی وہی رخ ہے روبرو
جو بھی سنائی دے تری آواز ہی سی ہے

اس کی گلی سے بچ کے گزرنا پڑا تو کیا
گزروں جہاں جہاں سے اسی کی گلی سی ہے

پلکوں سے چھانتا ہوں ہر اک نقص و عیب کو
خود دشمنی بھی میرے لیے دوستی سی ہے

تو آبروئے حرف و صدا بن کے رہ گیا
ہر بات میں بھی بات تری لازمی سی ہے

ہر زاویئے سے زورِ قلم صرف ہو گیا
تنقید زندگی کی ابھی سرسری سی ہے

جدت کے اس مقام پہ ضو باش ہے نظر
یہ ساری کائنات نئی شاعری سی ہے

مانا کہ ہم پیالہ و ساغر رہے ہیں ہم
کیوں شخصیت تمہاری ابھی اجنبی سی ہے

کاوش پکار دیا مجھے تم کاوشم کہو
ہر طرزِ گفتگو مرے دل کی لگی سی ہے

کاوش شعاعِ مہر کو دو آگہی کا نام
طاری مزاجِ ماہ پہ دیوانگی سی ہے

کاوش بدری

دو غزلیں

مرغوب جو غذا تھی دوا بن کے رہ گئی
ہر سانس آج آبِ ہوا بن کے رہ گئی

اب زندگی کے نام کو شہرت کہاں نصیب؟
مقبولِ خاص و عام قضا بن کے رہ گئی

پینے کے بعد اتنا ملنسار ہو گیا
میرے لیے شراب روا بن کے رہ گئی

کٹیا نے جب سے دھار لیا ہے محل کا روپ
چڑیا بھی گھونسلے میں ہما بن کے رہ گئی

کردار کے خلوص نے بخشا ہے وہ گداز
خود بددعا بھی لب پہ دعا بن کے رہ گئی

ماحولِ کم سواد پہ لاحول بھیج کر
عمرِ خضر بھی آبلہ پا بن کے رہ گئی

وہ نیم سوز شعلہ کہاں جا کے چھپ گیا
ہستی ہماری کالی گھٹا بن کے رہ گئی

جب کچھ نہ بن سکی تو غزل کاوشم مری
"ممتاز جانِ ادا" کی ادا بن کے رہ گئی

شاہجہاں نسیم

فولاد کا شہر بھلائی

فولاد کے بھلائی خانے کو اب تک ہندوستان کے سب سے بڑے کارخانے کی حیثیت حاصل رہی ہے۔ اس کے علاوہ بوکارو میں ایک اور کارخانہ زیرِ تعمیر ہے جو اس سے بڑا ہوگا۔ اس کے باوجود آنے والے آٹھ، نو برسوں تک بھلائی سب سے بڑا کارخانہ بنا رہے گا۔ اس کی صلاحیتِ پیداوار ۲۵ لاکھ ٹن فولاد سالانہ ہے جو مستقبلِ قریب میں ۴۰ء۴ لاکھ ٹن تک پہنچ جائے گی۔

ہندوستان کے لیے جو چیز اس وقت اہمیت رکھتی ہے وہ صرف بھلائی نہیں ہے، سورت گڑھ کے زرعی فارم سے واقف ہونا بھی ہر ایک کے لیے ضروری ہے کیونکہ اس طرح کے اور بھی فارم قایم ہو رہے ہیں اور آج ہمارے لیے یہی چیز اہمیت رکھتی ہے، اور دھات ساز کارخانوں سے کہیں زیادہ اہم ہے۔ دھات کی مہک سے پیٹ کی آگ تو نہیں بجھائی جا سکتی۔ یہ کہنا صحیح ہے کہ زرعی فارم، دھات ساز کارخانوں کے مقابلے میں پیٹ سے زیادہ قریب ہیں لیکن اس کے معنی یہ نہیں کہ کسی ملک کے بنیادی مسایل حل کرنے کے لیے جس میں غذائی مسٔلہ کو بھی ایک جزو کی حیثیت حاصل ہے۔ اس ملک کی ترقی کا آغاز محض ان فارموں کے ہی ذریعہ سے ہونا چاہیئے۔

بھلائی کے کارخانے کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ بھلائی میں فولاد تیار ہوتا ہے جو کسی قوم کی معاشیات کا دل ہے اس کی صنعتی ترقی کا سنگِ بنیاد ہے اس میں شک نہیں اس قیمتی دھات کے بغیر آج زندگی کا تصوّر بھی نہیں کیا جا سکتا یہ دھات ہماری پوری زندگی پر چھائی ہوئی ہے اس کی ضرورت ٹریکٹروں کی تیاری میں بھی پڑتی ہے اور معمولی کڑھائی بنانے میں بھی۔ ٹینکوں کی تعمیر میں بھی اور معمولی کلپ کی تیاری میں بھی۔ موٹروں کے لیے بھی یہ ضروری ہے اور کھڑکیوں کی زنجیر کے لیے بھی۔ اپنے وجود کے دوران بھلائی ہمارے ملک کو لاکھوں ٹن فولاد مہیا کر چکا ہے لیکن اس فولاد کو چیزوں کی صورت دینے کے لیے سینکڑوں اور ہزاروں انسانوں کی محنت درکار ہے۔ بھلائی کو ایک اہم ترین انجن کی حیثیت حاصل ہے اگر آپ ایک سال کے لیے بھی اس گردان مشینی نظام سے جسے معاشیات کہا جاتا ہے الگ کر دیں تو آپ دیکھیں گے کہ ملک کی رفتار رُک جائے گی۔ اور ایک ایسی قیامت ٹوٹ پڑے گی جو اتنی ہی تباہ کُن ہوگی جتنا قحط۔

جواہر لال نہرو نے اپنے زمانے میں کہا تھا "ہندوستان اُسی وقت صحیح معنوں میں ایک ترقی یافتہ اور صنعتی ملک بن سکتا ہے جب کہ اس میں بیرونی امداد کے بغیر خود اپنے ڈیزائن کرنے، ڈھالنے اور نصب کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے۔

بھلائی کارخانے کا خیال نہرو کے ذہن میں اُبھرا تھا اس کے لیے جگہ کے انتخاب اور پروجیکٹ کی جانچ اور توثیق میں انھوں نے بذاتِ خود حصّہ لیا تھا تعمیر کے مرحلوں کا وہ جائزہ لیتے رہے تھے اور متعدد بار بھلائی آئے تھے۔ نہرو نے کہا تھا "جب میں ملک کا دورہ کرتا ہوں اور اس طرح کے پروجکٹ دیکھتا ہوں تو میری نگاہوں میں نئے ہندوستان کی تصویر ابھرنے لگتی ہے اور مسرت کا احساس ہوتا ہے۔ میں نئے ہندوستان کا پورا منظر نہیں دیکھ سکوں گا لیکن مجھے اس کی جھلکیاں نظر آنے لگی ہیں اور یہ جھلکیاں بھی مجھے مسرّت عطا کرتی ہیں۔

اُنھوں نے بھلائی کو مستقبل کے ہندوستان کا ایک نشان قرار دیا تھا ایک نئی دنیا کی علامت کہا تھا۔ لیکن یہ محض ایک "نئی دنیا" کی علامت ہی نہیں ہے اپنی جگہ خود ایک دُنیا ہے انتہائی پیچیدہ اور کثیر پہلو۔ اس کے علاوہ دُنیا ہوتی بھی کیا ہے۔

بھلائی کا منظر

دیوقامت کارخانہ اور صاف ستھری، جدید طرز کی بستی ۲۵ ہزار ایک

خطۂ زمین پر پھیلی ہوئی ہے ۱۵ ہزار آدمی جن میں مزدور، انجینیر نیز دوسرے قسم کے کارکن شامل ہیں۔ کارخانے میں کام کرتے ہیں ان میں وہ لوگ بھی ہیں جو اس کی متعلقہ یونٹوں اور رفاہِ عام کے اداروں سے وابستہ ہیں۔ دور سے اس ذخیرۂ آب کی مچلتی ہوئی لہروں کے سامنے جو یہاں بنایا گیا ہے یہ علاقہ سمندر میں تیرتے ہوئے ایک بہت بڑے جہاز کی طرح نظر آتا ہے کھلے منہ کی بھٹیوں کی بلند و بالا چمنیاں اور ہوا بھٹیوں کے پیچیدہ ڈھانچے اس کے خدوخال کا تعین کرتے ہیں۔ کارگاہوں کے شاندار ڈھانچے سنکیڑوں میٹر پر پھیلے ہوئے ہیں۔ اس "جہاز" میں سڑکیں بھی ہیں، دفاتر بھی اور ٹریفک کے سگنل بھی۔ ٹیڑھی ترچھی ریلوے لائن تقریباً ایک سو کیلومیٹر کا احاطہ کرتی ہے وابستہ کارگاہوں میں سے ہر ایک مثلاً مشینی اور ڈھلائی کی کارگاہیں وغیرہ بجائے خود ایک کارخانہ معلوم ہوتی ہیں۔ اس کے علاوہ گیس کی تیاری کے لیے جو کوک کی ذیلی پیداوار کے طور پر کوک بیٹریوں کی مدد سے وجود میں لائی جاتی ہیں۔ کیمیاوی کارخانے بھی قایم ہیں جن میں المونیم سلفیٹ، گندھک کے تیزاب، زنگ اور لیکر وغیرہ جیسی بیش قیمت کیمیاوی مصنوعات تیار ہوتی ہیں۔ پچھلے سال بھلائی کارخانے نے ملک کو ۲۵ ہزار ٹن مصنوعی کھاد فراہم کی ہے۔

کارخانے کے پڑوس میں ہی بھلائی نگر کی بستی وجود میں آگئی ہے جس کی آبادی ڈیڑھ لاکھ ہے۔ بھلائی نگر میں اٹھارہ ہزار سے زیادہ مکانات ہیں۔ جدید وضع کے شہر کے سارے لوازمات اسپتال، اسکول، پارک باغ، اسٹیڈیم، کلب، سینما گھر وغیرہ کی تعمیر عمل میں آچکی ہے۔ یہ بستی کارخانے کی ملکیت ہے اور مزدوروں کے لیے مکانوں کا کرایہ بھی زیادہ نہیں ہے۔ بسوں کے کرایہ میں بھی رعایت کی جاتی ہے اور طبی امداد مفت فراہم کی جاتی ہے ان کے بچے اسکول جاتے ہیں اور انہیں فیس نہیں دینی پڑتی۔ مزدوروں کے بچوں سے اسکول کی وردی اور جوتوں کے لیے بھی کوئی پیسہ نہیں لیا جاتا۔

بھلائی کارخانے کے انتظامی عملے نے دقتوں کے اس دور میں اپنی پیداوار میں کمی کے حقیقی اسباب معلوم کرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ خاص طور پر اس زمانے میں جب یہ کارخانہ ملک کے بازار میں دقتوں سے دوچار تھا، عملے نے بھلائی کی مصنوعات بیرونی ملکوں میں بھیجنے کی طرف پورا دھیان دیا۔ بھلائی میں ڈھالے جانے والے فولاد کی خریداری کے لیے جاپان، نیوزی لینڈ، متحدہ عرب جمہوریہ، گھانا اور دوسرے متعدد ملکوں نے پیش قدمی کی۔

۱۹۶۷ء۔ ۱۹۶۸ء کے مالی سال میں بھلائی نے ہارڈ کرنسی کی صورت میں ۲۸ کروڑ ۲۰ لاکھ روپے کی مالیت کا سامان بیرونی ملکوں کے ہاتھ فروخت کیا۔ ۱۹۶۸ - ۱۹۶۹ء میں بھلائی کی برآمد میں مزید اضافہ ہوا ہے۔

"نیکی کے بغیر بدی کا وجود نہیں ہوتا" یہ ایک روسی کہاوت ہے بھلائی سے ہارڈ کرنسی کی صورت میں جو کروڑوں روپے ملے ہیں وہ یقیناً ایک برکت ہیں لیکن بھلائی کی تعمیر کا سب سے پہلا مقصد یہ تھا کہ ہندوستانی کارخانوں کو فولاد کی فراہمی یقینی بنادی جائے اور آج اسے برآمد کیا جارہا ہے تو اس کی وجہ یہ نہیں کہ ہندوستان میں خوشحالی کا دور دورہ ہے ہندوستان کے لیے یہ بات کہیں زیادہ مفید ہوتی کہ بھلائی کا وہ فولاد جو ہندوستان کے کارخانوں اور وہاں کی صنعتوں کو فراہم کیا جاتا وہ ان مصنوعات کی صورت میں ہندوستانی خریداروں تک پہنچتا جو اب بھی درآمد کی جاتی ہیں اور کون جانے کہ وہ مصنوعات جو بیرونی ملکوں سے ہندوستان آتی ہیں، بھلائی میں ڈھلے ہوئے فولاد سے ہی بنتی ہوں۔

اس سال بھلائی کے مزدوروں اور انجینیروں نے یہ ثابت کردیا ہے کہ نہ صرف یہ کہ وہ کارخانے کو محض اس کی پوری صلاحیت پیداوار کے مطابق جو ۲۵ لاکھ ٹن سالانہ ہے، چلا سکتے ہیں بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ سکتے ہیں۔ مثلاً جنوری کے ایک ہفتہ میں پیداوار کی ایک ایسی سطح یہاں حاصل کی گئی جسے ریکارڈ کہا جاسکتا ہے یعنی 27 لاکھ ۵۰ ہزار ٹن سالانہ یا یوں کہا جائے کہ معینہ صلاحیت پیداوار کا ۱۱۰ فی صدی۔

اور اس طور پر ضروری کام یہ ہے کہ ہندوستان میں صنعت کے دوسرے شعبوں کو ترقی دی جائے یہ انجن ایسا ہے جو معاشیات کے پہیوں کو تیز رفتاری عطا کرنا ممکن بناتا ہے اور اب اس امکان کو حقیقت بنانا ہے۔

بھلائی کارخانے کے صدر دروازے پر ہندوستانی ماہروں کی دوستی کی ایک یادگار قایم ہے اس پر مندرجہ ذیل عبارت کندہ ہے۔

"خدا کرے ہماری دوستی اتنی ہی مضبوط ہو جتنا بھلائی کارخانے میں ڈھلا ہوا فولاد"

* * *

نظم و نسق

آندھرا یونیورسٹی کے پرو۔چانسلر

گورنر آندھرا پردیش اور آندھرا یونیورسٹی کے چانسلر نے شری پی۔ وی۔ جی راجو کو ۲۶۔ مئی ۱۹۷۵ء سے مزید تین سال کی دوسری میعاد کے لیے آندھرا یونیورسٹی کا پرو۔ چانسلر مقرر کیا ہے۔

مہیلا منڈل کے لیے بس کا راستہ

کلکٹر شری کے چندریا نے آندھرا مہیلا منڈل کو لاکلور کے زیر اہتمام منعقدہ اِمانی سیمتی، ضلع گنٹور کی ایک تقریب میں تقریر کرتے ہوئے بتایا کہ گنٹور میں ایک مہیلا کوآپریٹیو بینک قائم کیا جائے گا اور مادر کی مجلس میں مہیلا منڈل کے نمائندوں کو بھی شامل کیا جائے گا۔

تمّا پالم مہیلا منڈلی کے لیے ایک بس کے راستے کی منظوری دی گئی ہے تاکہ اس کے وسائل مضبوط ہو سکیں۔

شریمتی وِملا چندریّا نے مہیلا منڈلا کے ارکان کو ۲۵ سینے کی مشینیں تقسیم کیں۔ اِمانی سیمتی کے صدر شری یوٹم باکا سری راملو نے اس تقریب کی صدارت کی۔

عورتوں کی تعلیم کے لیے کمیٹی کی تشکیل

بین الاقوامی سال خواتین کے سلسلے میں حکومت آندھرا پردیش نے۔ عورتوں کی تعلیم کے لیے ایک کمیٹی تشکیل دی ہے جس کی صدر ڈاکٹر ایس ییری دیوی مقرر کی گئی ہیں۔ یہ کمیٹی ریاست میں ہر سطح پر عورتوں کی تعلیم کی توسیع اور معیار کے تعلق سے اپنی سفارشات پیش کرے گی کمیٹی کے دوسرے ارکان حسب ذیل ہیں۔

شریمتی اے ایس۔ انندا بائی ایم۔ ایل۔ اے، شریمتی ساوتری ایم۔ایل۔سی شریمتی رتنا بائی ایم۔پی چتّور، شریمتی کنکا رتنما سابق ایم۔ایل۔سی، شریمتی پربھا وتھما ایم۔ ایل۔ اے، ڈاکٹر بی۔ کلاوتی ایم۔ ایل۔ اے شریمتی سمترا دیوی ایم۔ ایل۔ اے، شریمتی جے ایشوری بائی ایم۔ ایل۔ اے اور شریمتی ڈی اندرا ایم ایل اے۔ شریمتی سروجنی دسرت رام ڈسٹرکٹ ایجوکیشنل افسر شہر حیدرآباد اس کمیٹی کے ممبر، سکریٹری ہیں۔ یہ کمیٹی تین مہینے کے اندر اپنی رپورٹ حکومت کو پیش کر دے گی۔

آندھرا پردیش سنگیت ناٹک اکیڈیمی

حکومت آندھرا پردیش نے حسب ذیل (۲۰) اشخاص کو (۵) سال کے لیے آندھرا پردیش سنگیت ناٹک اکیڈیمی کی جنرل کونسل کا ممبر نامزد کیا ہے۔

شری کے۔ وی۔ گوپال سوامی، شری کوٹا پنیّا ایم۔پی، شری این۔ وینوادھو ایم۔ ایل سی، شری ایف۔ این پرشوتمن، شری نرسمہا مورتی، شری پتنم پدمنابھم ایم۔ ایل۔ اے شریمتی بلقیس علاء الدین، شری وِدیالہ چندر شیکھر راؤ، شری لی بی کرشنا راجو، شریمتی این سمترا دیوی ایم ایل۔ اے، شریمتی اے انسویا شری ڈی۔ اے۔ نارائن، شری اَنتولا وشوانا تھ بھگوتھ، شریمتی جنا رمنا راؤ شری نٹراج رام کرشنا، شری گوپال راج بھٹ، ڈاکٹر سی۔ نارائن ریڈی، شری جے۔ باپو ریڈی، شریمتی وی۔ شاردھا راؤ اور ڈاکٹر پی ایس آر اپا راؤ (خازن) محکمہ تعلیمات۔

بہبودی خواتین کی سرگرمیوں کا جائزہ لینے کے لیے کمیٹی کا قیام

محکمہ بہبودی خواتین و اطفال کئی ادارے جیسے اسٹیٹ ہومس، سروس ہومس اور چلڈرنس ہومس وغیرہ چلا رہا ہے جو بے کس اور بے سہارا بیواؤں اور بچوں اور بدکرداری کی مرتکب ٹھکرائی ہوئی عورتوں کی مدد کرتے ہیں۔ ان ہومس میں متعدد تربیتی اور پیشہ وارانہ اسکیمیں جیسے چرمی سامان کی تیاری شیشے کی کاریگری اور بنیان سازی وغیرہ روبہ عمل لائی جاتی ہیں تاکہ ان ہومس میں رہنے والی عورتیں اور بچے آپ اپنی روزی پیدا کرنے کے قابل ہو سکیں اور ایسے پیشوں اور دھندوں کا انھیں تجربہ حاصل ہو جائے کہ جب ان ہومس سے انھیں ڈسچارج کر دیا جائے تو وہ روزگار حاصل کر سکیں۔ لیکن جب حکومت کے علم میں یہ بات لائی گئی کہ یہاں سے نکلنے کے بعد سماج میں انھیں مناسب جگہ نہیں ملتی ہے اور وہ آپ اپنی روزی پیدا نہیں کر سکتی ہیں تو بہبودی خواتین سے متعلقہ معاشی اسکیموں کو مستحکم اور کارآمد بنانے کی غرض سے حکومت نے یہ مناسب سمجھا کہ خواتین کے بین الاقوامی سال ۱۹۷۵ء میں ان کا از سر نو جائزہ لیا جائے تاکہ اس بات کا تیقن حاصل کرنے کے لیے کہ ان ہومس کے مقیمین کی صحیح معنوں میں معاشی

امداد ہو سکے۔ معنی خیز اور موزوں اسکیمیں اور پروجکٹ شروع کئے جا سکیں لہٰذا حکومت نے حسب ذیل افراد پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی ہے تاکہ وہ محکمہ بہبودی خواتین و اطفال کی جانب سے چلائے جانے والے اسٹیٹ ہومس، سروس ہومس اور چلڈرنس ہومس کا معاینہ کرنے کے بعد ایسی تجاویز پیش کر سکے جو ان اداروں کی کارکردگی کو بہتر بنانے اور ان کے اغراض و مقاصد کو عملی شکل دینے میں معاون ہو سکیں، یہ کمیٹی اپنی تجاویز پیش کرنے کے سلسلہ میں اس امر کو بھی ملحوظ رکھے گی کہ ایسی معنی خیز اور عملی اسکیمیں اور پروجکٹ بھی پیش کئے جائیں گے جو ان ہومس کے مقیمین کے لیے کارآمد ہوں۔

اس کمیٹی کے ارکان حسب ذیل ہیں۔

۱۔ شریمتی وی۔ راج لکشما، ایم' ایل' اے (چیرمین)
۲۔ شریمتی وی۔ پربھا وتما ایم' ایل' اے (رکن)
۳۔ کماری ایم۔ کملا ایم' ایل' اے (رکن)
۴۔ شریمتی کونڈا پاروتی دیوی ایم' ایل' سی (رکن)
۵۔ ڈپٹی سکریٹری محکمہ فینانس و منصوبہ بندی (بجز سماجی بھلائی) (رکن)
۶۔ ڈپٹی سکریٹری محکمہ ایمپلائمنٹ و سوشیل ویلفیر انچارج آف ومین اینڈ چائیلڈ ویلفیر (رکن)
۷۔ ناظم محکمۂ بہبودی خواتین و اطفال (ممبر۔ سکریٹری)

کمیٹی سے کہا گیا ہے کہ وہ چار ماہ کے اندر اپنی رپورٹ پیش کر دے

جذامیوں، جاروب کشوں، ماہی گیروں اور کان کنوں کے مسائل کمیٹی کا قیام

جذامیوں، جاروب کشوں، ماہی گیروں اور کان کنوں کے مسائل کا جائزہ لینے کے لیے حکومت آندھرا پردیش نے ایک کمیٹی تشکیل دی ہے جس کے صدر نشین شری جی۔ بی۔ اپا راؤ سابق ایم ایل اے دجنی گری، تعلقہ ایس کوٹ ضلع وشاکھا پٹنم ہیں۔ اس کمیٹی کے دوسرے اراکین یہ ہیں۔ ڈاکٹر کے۔ وی۔ رامنا ریڈر معاشیات آندھرا یونیورسٹی، ڈاکٹر شانتی نارائن ماتھر سپرنٹنڈنٹ گاندھی ہاسپٹل سکندرآباد، شری ٹی راگھو داس پنڈکٹ نوارن سنگھ، شری ونکا ستیا نارائنا ایم' ایل' اے، شری لکشمنا راؤ ایم' ایل' اے مچھلی پٹنم، شری وائی ستیا نارائنا ایم' ایل' اے بھولک پور حیدرآباد، ڈاکٹر کے لنگیا، ایم ایل اے پی چیریال ضلع ورنگل، شریمتی کمدنی دیوی سابق ایم ایل اے، شری ٹی ناگیشور راؤ سابق ایم ایل اے اور شری ٹی دینکٹا رامیا پندد ریسرچ انسٹی ٹیوٹ۔

یہ کمیٹی عوام کے مذکورۂ بالا طبقوں کے مختلف مسائل کا جائزہ لے گی اور اُن کی فلاح و بہبود کے لیے اختیار کیے جانے والے اقدامات اور پروگراموں کے بارے میں سفارشات پیش کرے گی۔

صدر نشین اگر ضرورت محسوس کریں تو اراکین کمیٹی پر مشتمل ذیلی کمیٹیاں تشکیل دیں گے۔ کمیٹی یا اس کی ذیلی کمیٹیاں درکار معلومات کی فراہمی کے لیے صدر نشین کی منظوری سے ریاست کے ایسے علاقوں کے دورے کر سکیں گی جہاں اُن کا جانا ضروری ہو۔ کمیٹی کے اجلاس حیدرآباد یا ایسے مقامات پر منعقد کیے جا سکیں گے جس کا تعین صدر نشین کریں۔

آندھرا پردیش وقف بورڈ

شری صلاح الدین اویسی ایم ایل اے کے استعفے کے باعث خالی ہونے والی جگہ پر حکومت آندھرا پردیش نے شری سردار علی خاں، بار ایٹ لا کو بحیثیت رکن آندھرا پردیش وقف بورڈ مقرر کیا ہے۔

فشریز کارپوریشن کے ڈائرکٹر

حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے حسب ذیل اصحاب کا تقرر بحیثیت ڈائرکٹرز آندھرا پردیش فشریز کارپوریشن (پی) لمیٹڈ عمل میں آیا ہے شری سی' وی' کے راؤ ایم۔ ایل۔ اے کاکی ناڈا، شری کے وین سنگھ موضع اوپڑا تعلقہ پتھا پورم ضلع مشرقی گوداوری اور شری ایم سیتنا' ایم۔ ایل۔ اے ڈھون ضلع کرنول۔ ★★

بقیہ "ضروری وسایل کی فراہمی صفحہ ۲۵ سے آگے

آندھرا پردیش اسٹیٹ فینانشل کارپوریشن اور قومیائے ہوئے بینکوں سے نئے صنعت کاروں کو قرضے دلوانے میں بھی کارپوریشن اپنی خدمات پیش کرتا ہے تاکہ وہ صنعتی بستیوں میں اپنے کارخانے کے لیے عمارتیں خرید کر خود اس کے مالک بن جائیں خود روزگار اسکیموں کے تحت ریاست کے پس ماندہ علاقوں میں قایم کی جانے والی صنعتوں کو، کارپوریشن کی جانب سے ایک چھوٹی سی رقم بھی دی جاتی ہے اور سنٹرل سبسیڈی اسکیم کے تحت بھی مالی امداد مہیا کی جاتی ہے ●●
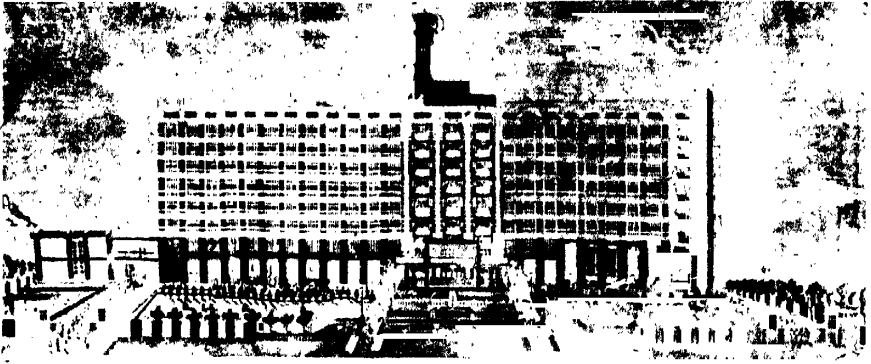
سکندرآباد نیلایم

ساؤتھ سنٹرل ریلوے کی خدمات

ساؤتھ سنٹرل ریلوے نے اپنی تشکیل کے بعد نو سال کے عرصے میں سفری سہولتوں میں اضافہ کے لیے ہر ممکنہ کوشش کی ہے۔ مسافروں کے لیے سہولت بخش اوقات پر چلنے والی ایکسپرس گاڑیاں فراہم کی گئی ہیں، جو تیز رفتار ہونے کے علاوہ آرام دہ بھی ہیں اور ایک ریاست کو دوسری ریاست سے نیز ایک شہر کو دوسرے شہر سے ملاتی ہیں۔

اس زون کی ریلوں کو گوناگوں اور کثیر مطالبات کی پذیرائی کرنی پڑتی ہے۔ تاجر، طالب علم، ملازم سرکار، زائرین غرض کہ ہر طرح کے لوگ ریلوں کو اولین ذریعۂ حمل و نقل کی حیثیت سے استعمال کرتے ہیں۔ اسی لیے ریلوے کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ اپنی سروس کو مختلف ضرورتوں کی تکمیل کے لائق بنایا جائے۔ چنانچہ نئے اسٹیشنوں کا قیام، رفتار میں اضافہ، راست اور ضمنی سروسوں کا رواج، ڈیزل کا استعمال نئی سروسوں کی ابتدا، اسی کوشش کے ثمرات ہیں۔ اجنتا اکسپرس، دکھشن اکسپرس اور گولکنڈہ اکسپرس نیز تردولا اکسپرس، کرشنا اکسپرس، گوداوری اکسپرس، جینتی اکسپرس، ایسٹ کوسٹ اکسپرس اور وینکٹادری اکسپرس گویا ساؤتھ سنٹرل ریلوے کے "نگینے" ہیں۔

تین نگینے

اس زون کی تشکیل کے فوراً بعد یعنی یکم اپریل ۱۹۶۷ء کو سکندرآباد سے چلائی جانے والی اجنتا اکسپرس ٹرین پُراشتیاق سیاحوں کو رات بھر میں تاریخی اہمیت کے حامل ثقافتی مراکز تک بہ سرعت پہنچا دیتی ہے۔ یہ اکسپرس نظام آباد، ناندیڑ اور پورنا کو چھوتی ہوئی گزرتی ہے اور اپنے مسافروں کی تعداد میں کچھ اور اضافہ کر لیتی ہے۔ اس کی منزل مقصود منماڑ ہے۔ اس طرح ملک کو جوڑنے والی ٹرینوں کے سلسلے میں یہ ایک اہم کڑی کی

حیثیت رکھتی ہے۔ ایلورا اور اجنتا کا دروازہ کہلانے والے مقام اورنگ آباد سے سکندرآباد کو اس ٹرین کی واپسی بھی ایک رات میں ہوتی ہے۔ درحقیقت یہ ٹرین ملک میں میٹر گیج سسٹم کی بھاپ سے چلنے والی سب سے زیادہ تیز رفتار گاڑیوں میں سے ایک ہے۔

سیاسی اور تجارتی سرگرمیوں میں اضافے کے ساتھ ساتھ سیاستدانوں، تاجروں، سرکاری عہدہ داروں اور فوجیوں نے بھی ملک کی راج دھانی سے زیادہ باقاعدگی کے ساتھ آمدورفت شروع کردی ہے۔ اس لیے ریاستی مستقر اور ملک کی راج دھانی کے درمیان ایک راست ٹرین کی ضرورت شدت کے ساتھ محسوس کی جارہی تھی۔ اس دیرینہ ضرورت کی تکمیل کی خاطر یکم جنوری ۱۹۶۸ء سے دکھشن ایکسپریس شروع کی گئی اور ابتدا ہی سے اس میں ڈیزل سے چلنے والا انجن لگایا گیا ہے۔

ملک کے اقتصادی اور تجارتی نقشے میں وجے واڑہ ایک اہم مرکز اور ریلوں کے نظام میں نمایاں حیثیت کا حامل ہے جبکہ حیدرآباد جو آندھرا پردیش کا سیاسی صدر مقام ہے، وجے واڑہ سے تقریباً ۲۸۰ کیلومیٹر کی دوری پر واقع ہے۔ حیدرآباد و سکندرآباد جو ایک دوسرے کے حصے ہیں، مشرق و مغرب اور شمال و جنوب سے آنے والے ثقافتی دھاروں کے سنگم ہیں۔ گولکنڈہ اور اس کا قلعہ دونوں عہد ماضی کی تاریخ کے آئینہ دار ہیں۔ سالار جنگ میوزیم بین الاقوامی آرٹ کا ذخیرہ ہے۔ آندھرا پردیش کے سیاسی مستقر کو اس کے تجارتی مستقر وجے واڑہ سے ملانے والی ٹرین گولکنڈہ ایکسپریس ہے جو مسافروں کو چند گھنٹوں کے اندر وجے واڑہ سے سکندرآباد پہنچا دیتی ہے یعنے اگر کوئی مسافر صبح کا ناشتہ وجے واڑہ میں کرے تو دوپہر کا کھانا سکندرآباد میں کھا سکتا ہے۔ وجے واڑہ سے آنے والا کوئی بیوپاری سکندرآباد میں اپنا کاروبار انجام دے کر اسی روز اپنے مقام کو واپس ہوسکتا ہے۔ اس ٹرین میں "چیئر کار" کی سہولت بھی فراہم کردی گئی ہے۔ یہ ایکسپریس ٹرین یکم مارچ ۱۹۶۹ء سے چلائی جارہی ہے۔

ترو ملا ایکسپریس

ترو ملا (تروپتی) میں واقع لارڈ وینکٹیشور کے مقدس مندر کی یاترا کے لیے سال بھر روزانہ زائرین کی بڑی تعداد ملک کے کونے کونے سے کھنچی چلی آتی ہے۔ ان کی سہولت کی خاطر ۴ اپریل ۱۹۷۰ء سے وجے واڑہ اور تروپتی کے درمیان ہفتے میں دوبار چلنے والی ترو ملا ایکسپریس کا آغاز کیا گیا جو جلد ہی چلنے والی یک شنبی ٹرین میں تبدیل کردی گئی۔ حیدرآباد، مچھلی پٹنم، تےپلی اور گنٹور کے یاتریوں کی سہولت کے لیے اس ایکسپریس کو ملانے والی موزوں سروسیس چلائی جارہی ہیں۔ گولکنڈہ ایکسپریس اور ترو ملا ایکسپریس کا میل وجے واڑہ پر ہوتا ہے۔

کرشنا ایکسپریس

وجے واڑہ کے تجارتی مرکز اور بمبئی کے آفاقی شہر کے درمیان روز بروز بڑھتی ہوئی تجارت کے پیش نظر دن میں چلنے والی ایک ایسی ٹرین کی ضرورت شدت سے محسوس کی جارہی تھی جو ریاست کے مستقر کو وجے واڑہ سے اور ساتھ ہی ساتھ بمبئی کو جانے اور وہاں سے واپس لانے والی سروس سے ملادے۔ قوم و ملک کی خدمت کا ولولہ رکھنے والے محکمۂ ریلوے نے فوراً اسی جانب دھیان دیا۔ چنانچہ ۲ اکتوبر ۱۹۷۴ء کو یعنے اس زون کی تکمیل کی آٹھویں سالگرہ کے دن کرشنا ایکسپریس کا آغاز عمل میں آیا۔ اوسطاً فی منٹ ایک کلومیٹر کی رفتار سے زمین پر دوڑنے والی یہ ٹرین بمبئی ایکسپریس کو سکندرآباد پر اور "ایسٹ کوسٹ" ایکسپریس کو وجے واڑہ پر ملاتا ہے۔ یعنے ۲۴ گھنٹے میں مشرقی ساحل سے مغربی ساحل تک رسائی ممکن ہوگئی ہے۔ ابتدا میں یہ ٹرین سکندرآباد اور وجے واڑہ کے درمیان چلائی جاتی تھی۔ بعد میں اس کو گنٹور تک توسیع دی گئی۔

گوداوری ایکسپریس

محکمۂ ریلوے کی یہ کوشش ہے کہ ریاست کے اہم شہروں اور بڑے قصبوں کو تیز رفتار یک شبی سرویسوں کے ذریعے راجدھانی سے ملادیا جائے۔ چنانچہ دریائے گوداوری کے اوپر راجمندری

کے مقام پر ایک ریل اور سڑک کے پل کی تعمیر کے فوراً بعد یکم دسمبر ۱۹۷۴ء کو ریاست کے مستقر اور بندرگاہی شہر وشاکھا پٹنم کے درمیان دوڑنے والی گوداوری ایکسپریس ٹرین کا آغاز اسی کوشش کا نتیجہ ہے۔ اب بندرگاہ وشاکھا پٹنم کے رہنے والے سرِشام اپنے شہر سے نکل کر صبح ناشتے کے وقت تک راج دھانی پہنچ سکتے ہیں اور اسی طرح واپس بھی ہو سکتے ہیں۔

جینتی ایکسپریس

جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے، ریلوے کو گوناگوں اور کثیر مطالبات کی تکمیل کرنی پڑتی ہے جو وقت کے ساتھ ساتھ بدلتے بھی رہتے ہیں۔ وقت کا مطالبہ یہ تھا کہ ملک کی راج دھانی اور ریاستی مستقر کے درمیان دوڑنے والی ایسی تیز رفتار ٹرین ہو جو دکھشن ایکسپریس کے ذریعے دو راتوں میں طے کی جانے والی مسافت کو ایک رات میں طے کرے۔ اس مطالبے کی پذیرائی میں ۳ مئی ۱۹۷۵ء سے جینتی ایکسپریس چلائی جا رہی ہے فی الوقت یہ ایک ہفتہ وار ٹرین ہے جو ہر شنبے کو سکندرآباد سے اور ہر دو شنبے کو دہلی سے نکلتی ہے۔ جلد ہی اس کو ہفتے میں دو بار چلنے والی ٹرین میں تبدیل کر دیا جائے گا۔ جس میں درجۂ اوّل کے مسافروں کے لیے بھی گنجائش رہے گی۔

ایسٹ کوسٹ ایکسپریس

آج کل تیز رفتاری پر زور دیا جا رہا ہے تاکہ اپنی منزلِ مقصود تک ممکنہ حد تک جلد سے جلد پہنچا جائے۔ ۱۶ مئی ۱۹۷۵ء سے ایسٹ کوسٹ ایکسپریس کا وجے واڑہ سے آغاز کر کے ہوڑہ تک جانے والی ٹرین سروس میں کچھ ایسی تبدیلی عمل میں لائی گئی ہے کہ حیدرآباد اور کلکتہ کے درمیان مسافت میں سات گھنٹوں کی بچت ہو گئی ہے۔ اب آپ طلوعِ آفتاب کے وقت سکندرآباد سے ٹرین میں سوار ہو کر دوسرے دن ہوڑہ میں غروبِ آفتاب کا نظارہ کر سکتے ہیں۔ اب آپ کو ہوڑہ اور سکندرآباد کے درمیان ایسی ٹرین سروس میسر ہے جس میں صرف ایک رات کا سفر ہے اور جو مشرقی ساحل سے مغربی ساحل کی مسافت ۲۴ گھنٹوں میں طے کرتی ہے۔

وینکٹا دری ایکسپریس

وینکٹا دری ایکسپریس کے آغاز کے پیچھے ایک کثیر مقصدی تخیل کارفرما ہے۔ اب دونوں شہروں سے یاتری لارڈ وینکٹیشور کی مقدس سکونت گاہ تک براہِ راست جا سکتے ہیں۔ طالبِ علم اور سرکاری ملازمین ایک رات کی مسافت میں بنگلور اور دن میں چند گھنٹوں کے تیز رفتار سفر کے بعد کرنول پہنچ سکتے ہیں۔ وینکٹا دری ایکسپریس ساؤتھ سنٹرل ریلوے کی ان کوششوں میں ایک مزید پیش رفت ہے جو وہ تیز رفتار اور پاک و صاف ٹرین سروسوں کے ذریعے اہم شہروں اور قصبوں نیز دوسری ریاستوں کے مستقر مقامات کو حیدرآباد و سکندرآباد سے ملانے کے لیے کر رہا ہے۔ یہ ایکسپریس ۱۹ مئی ۱۹۷۵ء سے چلائی جا رہی ہے۔

ساؤتھ سنٹرل ریلوے کے پلاننگ بورڈ نے منصوبے بنانے اور سروسوں نیز نظم و نسق میں عصری طریقے رائج کرنے میں پوری طرح منہمک ہیں۔

ایمرجنسی کے بعد

بہ گیا رات کے زخموں کا سیہ کار لہو
پو پھٹی، پھول کھلے بادِ سبک گام چلی
چھٹ گئے شورشِ تخریب کے وحشی بادل
پھر نئے حسن سے تعمیر کی قندیل جلی

•

درد کی رات کٹی زخموں کے منہ بند ہوئے
آئی پھر بادِ سحر وصل کا پیغام لیے
سن لو اب تلخیٔ دوراں کا نہ لے نام کوئی
کہہ دو اب کوئی نہ زہرابِ غمِ ہجر پیے

(دستخط)

6
نو
۱۔ ایسٹ کو
۲۔ جینتی ایک
۳۔ دکشن ایک
۴۔ تردملا ایک
۵۔ گولکنڈ
۶۔ کرشنا
۷۔ وینکٹادر
۸۔ گوداوری
۹۔ اجنتہ
VENKATADRI
EXPRESS
7
GODAVARI EXPRESS
HYDERABAD - WALTAIR
8
9

SOUTH CENTRAL RAILWAY
NDLS

رسمِ اظہارِ تمنّا
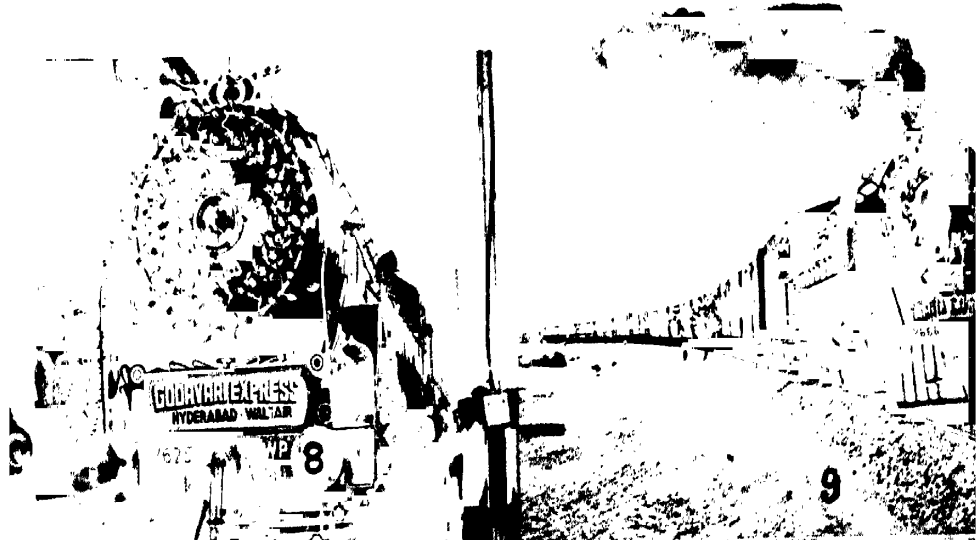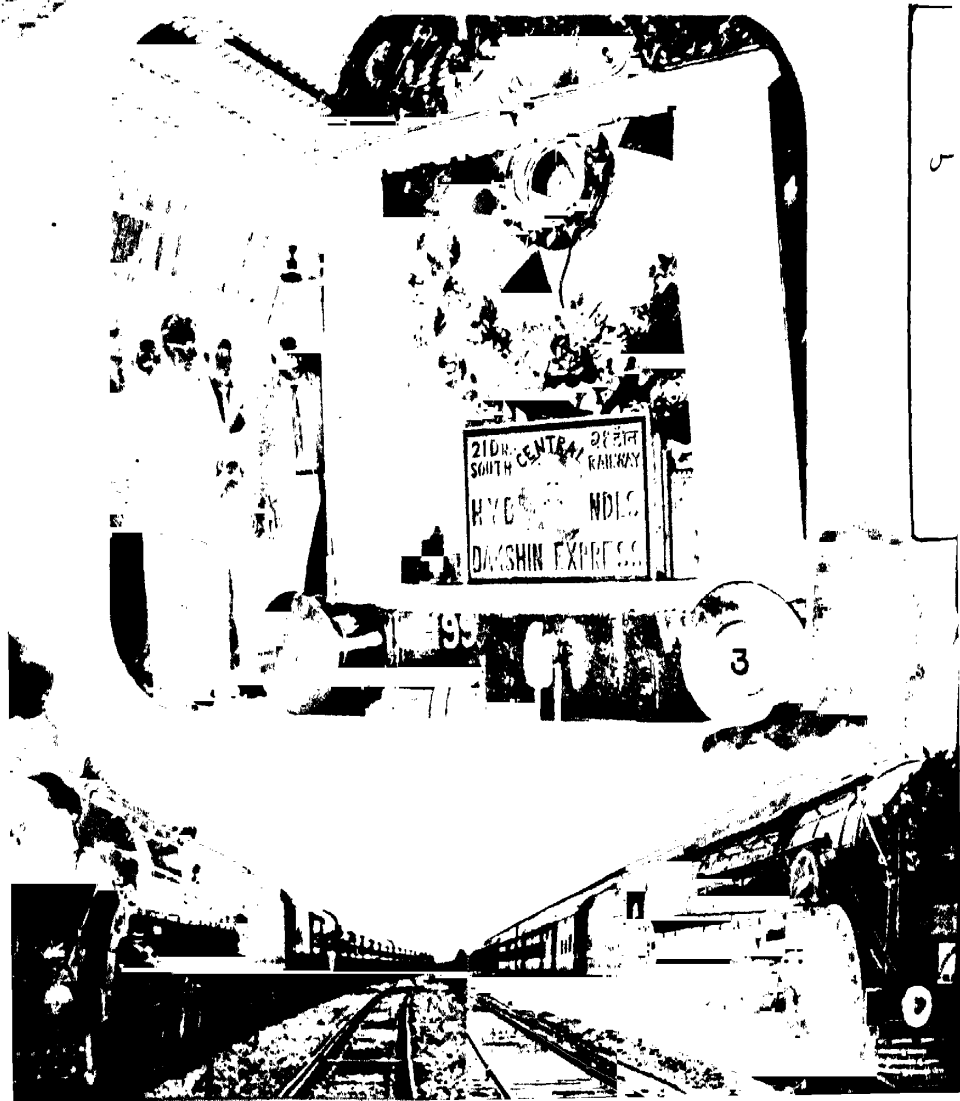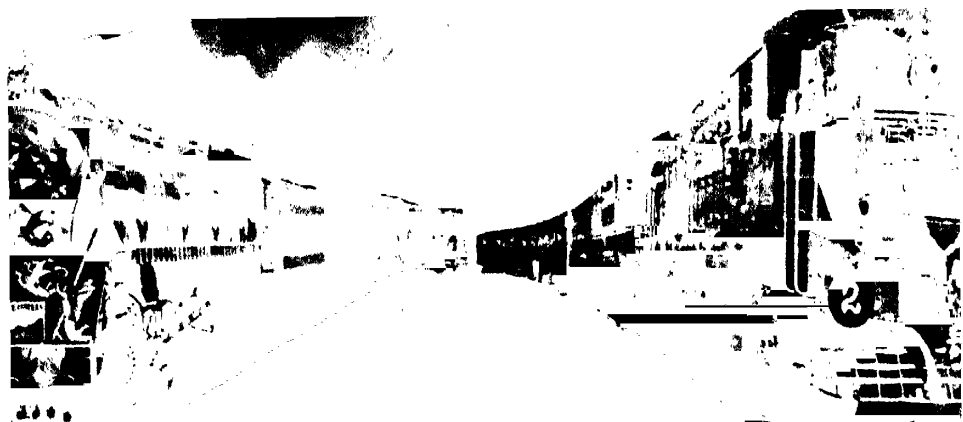
یوسف ندیم

میں تم سے جب بھی ملتا ہوں
تھکن کو زندگی کی رنجشوں کو اُلجھنوں کو
بھول جاتا ہوں
قلم کی ہر صعوبت فکر کی ہر تشنگی کا تم مداوا ہو
مری ترسیل کی سرحد تمنّا کا اُجالا ہو
نئی رُت بن کے آتی ہو نیا جادو جگاتی ہو
بہار آنے سے پہلے نغمگی کی طرح دل کو گدگداتی ہو
تمہاری خامشی فکر و نظر کے واسطے ۔ لفظِ وفا بن کر
دبستانِ معانی کے دریچے کھول دیتی ہے

میں تم سے جب بھی ملتا ہوں
یہ کہنے کی تمنّائیں اُبھرتی ہیں
قلم کی آبرو مندی کو اظہارِ تمنّا کی کرن دے دو
مرے کلکِ اَلم کو حُسن کی تابندگی بخشو
میں تم سے صرف اتنا مانگتا ہوں
مقدس جذبۂ اُلفت کا تم کو واسطہ
کشکول کو خالی نہ لوٹاؤ

▼

غلام ربانی

اُردو لُغات

اُردو ہندوستان میں پیدا ہوئی مگر اس کی لغات ابتدا میں پرتگیزوں، ولندیزوں اور انگریزوں نے لکھیں۔ اہلِ زبان نے اس طرف بہت بعد میں توجہ کی اور حیرت کی بات یہ ہے کہ اہلِ زبان کی کتابیں اکثر ناقص ہیں۔ اس سلسلے میں انگریزوں نے جو لغات لکھی ہیں، وہ بہت کارآمد ہیں۔ بے شمار الفاظ ایسے ہیں جو ہماری اردو لغات میں نہیں ملتے۔ ان کے لیے اردو لغات کو کھنگالنا پڑتا ہے۔ انھوں نے لفظ کی اصل سے بھی بحث کی ہے جس سے ہماری اُردو لغات معرّا ہیں۔

انگریزوں کو اردو سے کوئی نفرت یا دلچسپی نہیں تھی۔ انھوں نے ملک کی تقریباً تمام علاقائی زبانوں کی لغات اور صرف و نحو کی کتابیں لکھیں مگر اردو پر ان کی عنایت کچھ زیادہ تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ انگریز یہاں تجارت کرنے آئے تھے۔ جب تجارت کے ساتھ حکومت بھی ان کو ملنے لگی تو ایسٹ انڈیا کمپنی کو ایک ایسی زبان کی ضرورت ہوئی۔ جو ان کے تجارتی کاروبار اور ملکی معاملات میں زیادہ کام دے سکے۔ اردو اس وقت ملک کے بہت بڑے علاقے میں بولی اور سمجھی جاتی تھی۔ چنانچہ انھوں نے اس زبان کو خاص طور پر فروغ دیا۔

اُردو کی پہلی لغت کا ذکر مسٹر گوریچ (Guarnich) نے اپنے اوری انٹل کیٹلاگ میں کیا ہے، ان کے پاس اس لغت کا ایک قلمی مسوّدہ تھا۔ ان کے خیال میں یہ لغت سورت میں ۱۶۳۰ء میں لکھی گئی یہ فارسی، ہندوستانی، انگریزی، پرتگالی الفاظ کی لغت ہے جو سورت کے انگریزی کارخانے کے لیے مرتب کی گئی تھی۔

گریرسن نے اسی طرح کی ایک اور لغت کا پتہ لگایا ہے جو کیپوچن (capuchin) کی تالیف ہے، یہ بھی سورت میں لکھی گئی۔ اس کی دو جلدیں تھیں جو تقریباً ایک ہزار صفحات پر مشتمل تھیں۔

کچھ دنوں بعد جان جیشوا کٹلر (John Jashwa ketler) نے ایک کتاب ہندوستانی لغت پر لکھی۔ کٹلر پروشیا کا باشندہ تھا۔ یہ شخص شاہ عالم اور جہاں دار شاہ کے دربار میں ڈچ سفیر کی حیثیت سے حاضر ہوا۔ اس کی کتاب کو ڈیوڈ مل نے شائع کیا۔ یہ لاطینی زبان میں ہے۔ لیکن ہندوستانی الفاظ اور محاورات رومن حروف میں ہیں۔ اور املا ڈچ طریقے پر ہے۔

ہنری ہیرلیس (Henry Hyarris) انگریزی۔ہندوستانی ڈکشنری ۱۷۹۰ء میں مدراس سے شائع ہوئی۔ اس میں دکنی الفاظ خاص طور پر شامل کیے گئے ہیں۔

اس زمانے میں بہت سی لغات لکھی گئیں۔ ان میں سے چند ایسی کتابوں کا ذکر کیا جاتا ہے جو انگریز لغت نویسوں کی تالیف ہیں۔ ان میں سب سے پہلا نام ڈاکٹر جان گلکرسٹ کا ہے۔ یہ فورٹ ولیم کالج میں اردو کے استاد تھے۔ انھوں نے اردو صرف و نحو، لغات، لسانیات اور بول چال پر متعدد کتابیں لکھیں۔ اور دوسروں سے لکھوائیں۔ اس طرح جدید اردو کا ڈول ڈالا۔

گلکرسٹ کی انگریزی ہندوستانی ڈکشنری جو دو جلدوں میں ہے، ۱۹۰۰ء میں کلکتہ سے شائع ہوئی، اس میں انگریزی لفظوں کے معنے رومن حروف اور اردو خوشخط نستعلیق ٹائپ میں ہیں۔ ہر لفظ کی اصل بھی بیان کی ہے کہ وہ کس زبان کا ہے۔

جان شیکسپیر کی لغت ۱۸۱۷ء میں لندن سے شائع ہوئی یہ کتاب اتنی مقبول ہوئی کہ تھوڑے ہی دنوں میں اس کے کئی اڈیشن چھپے۔ یہ لغت ضخیم ہے اور اپنے وقت کی سب سے بہتر لغت ہے۔

ڈنکن فوربس کی ہندوستانی انگریزی ڈکشنری لندن میں پہلی بار ۱۸۴۸ء میں شائع ہوئی۔ اس کے دو حصے ہیں۔ پہلے حصے میں اصل لفظ اردو رسم خط (نسخ ٹائپ) میں ہے۔ اس کا مترادف انگریزی لفظ دیا ہے۔ دوسرا حصہ پہلے کا جواب ہے۔ اس میں انگریزی لفظ کے اردو معنے رومن حروف میں ہیں — فوربس نے اپنے پہلے لغت نویسوں کے مقابلے میں الفاظ کا بہت اضافہ کیا ہے۔

ڈاکٹر فیلن کی مشہور ڈکشنری ۱۸۷۹ء میں شائع ہوئی۔ اس کی تیاری کے اخراجات حکومت ہند نے برداشت کیے۔ یہ ڈکشنری بہت کارآمد تھی۔ ابتدا میں انگریزی سے اردو میں جو ترجمے ہوتے تھے وہ اسی کی مدد سے ہوتے تھے۔

پلیٹس (platts) کی اُردو۔ ہندی انگریزی لغت ۱۸۸۴ء میں آکسفورڈ یونیورسٹی پریس سے شائع ہوئی۔ یہ کتاب کئی بار چھپ چکی ہے اور حال میں ماسکو سے بھی اس کا اڈیشن طبع ہوا ہے۔

ان دونوں اور بہت سی چھوٹی موٹی لغات شائع ہوئیں جو زیادہ تر شیکسپیر، فوربس، فیلن اور پلیٹس کی لغات پر مبنی تھیں۔ ان تمام ڈکشنریوں میں فیلن اور پلیٹس کی لغات سب سے بڑھی ہوئی ہیں فیلن نے الفاظ اور محاورات کی سند کے لیے اساتذہ کے اشعار بھی دیئے ہیں، پلیٹس کی کتاب اس سے زیادہ ضخیم ہے۔ اس نے اردو کے ساتھ ٹھیٹ ہندی کے لفظ بھی دیئے ہیں اور ان کے معنی بیان کرنے میں زیادہ تفصیل سے کام لیا ہے۔

انیسویں صدی کے شروع میں اردو زبان اتنی ترقی کر چکی تھی کہ انگریزوں نے مختلف علوم وفنون کی اصطلاحوں کی فرہنگیں مرتب کیں۔ ایس زولو نے شرع اسلام (محمڈن لا) اور مالگزاری کی اصطلاحات کی لغت تیار کی۔ مشہور مورخ مرہنری ایسٹ نے اصطلاحات کی ایک مبسوط کتاب لکھی۔ اس میں شمال مغربی اضلاع کی ہندو ذاتوں، رسم و رواج، مالگزاری، دفتری اصطلاحات اور دیہاتی زندگی کے مختلف الفاظ کی تشریح کی ہے۔

پیٹرک کارنے ایک لغت مرتب کی۔ جس میں دفاتر، عدالت، مالگزاری، صنعت، حرفت وغیرہ کے الفاظ جمع کیے ہیں، غرض اور بھی فرہنگیں تیار ہوئیں۔

اہل ملک کی لغات میں جسے اُردو کی پہلی لغت کہا جا سکتا ہے عبدالواسع ہانسوی کی کتاب "غرایب اللغات" ہے، اس کے بعد اردو کی دوسری لغت سراج الدین علی خاں آرزو کی "نوادر الالفاظ" ہے۔

یہ کتاب دراصل "غرایب اللغات" کی تصحیح ہے۔ عبدالواسع چونکہ ہریانہ کے رہنے والے تھے ان کی کتاب میں بہت سے بانگڑو لفظ آگئے ہیں، ان کو آرزو نے ٹکسال باہر کیا۔ بہت سے الفاظ کا اضافہ بھی کیا ہے۔

یہ کتاب نایاب تھی، چند سال ہوئے انجمن ترقی اردو پاکستان نے کراچی سے شائع کی ہے۔ ڈاکٹر سید حمید اللہ نے اس کو بڑی محنت اور کاوش سے مرتب کیا ہے۔ اور ایک فاضلانہ مقدمہ بھی لکھا ہے۔

پچھلی صدی کے وسط میں اردو خاصی ترقی کر چکی تھی۔ اس زمانے میں اہل ملک نے کئی لغات لکھیں جو زیادہ اہم نہیں۔ اس وقت تک اردو کی جتنی لغات لکھی گئی تھیں، ان سب میں جامع اور کارآمد لغت مولوی سید احمد کی فرہنگ آصفیہ ہے۔ یہ کتاب چار جلدوں میں ہے۔ موصوف نے ڈاکٹر فیلن کے ساتھ کام کیا تھا۔ لیکن ان کی لغت فیلن کی ڈکشنری سے الگ چیز ہے۔ ایک تنہا آدمی جتنی محنت اور کاوش کر سکتا ہے، انھوں نے اس کا حق ادا کر دیا ہے۔

اُردو زبان ہمیشہ ان کی احسان مند رہے گی۔ اس فرہنگ سے بعد کے اردو لغت نویسوں نے فائدہ اٹھایا ہے، یہی نہیں بلکہ ہندی لغت نویسوں

نے بھی اس فرہنگ سے بہت کچھ حاصل کیا ہے۔

اس فرہنگ میں ایک بدنما بات یہ ہے کہ فحش الفاظ اور محاورے ڈھونڈ ڈھونڈ کر جمع کیے ہیں۔ یہ ان کے استاد ڈاکٹر فیلن کی صحبت کا نتیجہ ہے۔ ڈاکٹر فیلن نے بھی اپنی ڈکشنری میں فحش الفاظ چن چن کر لکھے ہیں۔ اسی طرح منشی چرنجی لال کی "مخزن المحاورات" بھی جو بہت بلند پایہ کتاب ہے، فحش محاوروں سے بھری پڑی ہے، یہ بھی ڈاکٹر فیلن کا فیض ہے۔ کیوں کہ منشی صاحب نے بھی فیلن کے ساتھ اُن کی ڈکشنری میں کام کیا ہے۔

فرہنگِ آصفیہ میں بعض الفاظ کے ضمن میں ایسی بے تکی باتیں لکھی گئی ہیں جن کو پڑھ کر ہنسی آتی ہے۔ ان نقائص کے باوجود فرہنگِ آصفیہ اردو کی بے مثل لغت ہے اور اُردو الفاظ کی سند کے لیے حرفِ آخر کا حکم رکھتی ہے، حال میں اُردو بورڈ کی طرف سے اس کا دوسرا اڈیشن شایع ہوا ہے۔

فرہنگِ آصفیہ کی پہلی جلد شایع ہوی تھی کہ منشی امیر احمد مینائی نے "امیراللغات" لکھی اس کا صرف پہلا حرف "ا" ہی شایع ہو سکا اس کی تیاری میں بڑی محنت سے کام لیا گیا ہے۔ کہیں کہیں الفاظ کی اصل بھی بتائی گئی ہے۔ لیکن ایک ایک لفظ یا محاورے کے لیے کئی کئی شعر نقل کر دیے گئے ہیں۔ افسوس کہ منشی صاحب کی عمر نے وفا نہیں کی اور یہ لغت نا تمام رہ گئی۔

اس کمی کو مولوی نورالحسن نیّر کی "نوراللغات" نے پورا کر دیا۔ یہ چار جلدوں میں ہے۔ مؤلف نے اس کی ترتیب میں بڑی کوشش کی ہے۔ تقریباً ہر لفظ کی سند کے لیے اساتذہ کے شعر نقل کیے ہیں محاوروں کے جمع کرنے اور ان کو سلجھانے کی پوری کوشش کی ہے۔ لیکن بعض عربی الفاظ ایسے بھی درج ہیں جن کو شاعر یا انشا پرداز ہاتھ نہیں لگاتے۔

پہلی جلد کے دیباچے میں متروکات کی ایک لمبی چوڑی فہرست ہے۔ اس میں ایسے لفظ بھی ہیں جو متروک نہیں۔ ہر ایک مستند لغت میں متروک لفظوں کو شامل کرنا ضروری ہے۔ اس سے قدیم نظم و نثر کے سمجھنے مدد ملتی ہے۔ "باغ و بہار" یا مثنوی میر حسن کچھ زیادہ پرانی کتابیں نہیں مگر ان میں ایسے الفاظ موجود ہیں جو ہماری آج کل کی لغات میں نہیں ملتے۔ ان کے لیے انگریز لغت نویسوں کی ڈکشنریوں کو تلاش کرنا پڑتی ہے۔

نوراللغات کے بعد اور کئی لغات شایع ہوئیں۔ ان میں ایک "فرہنگ شفق" ہے جو منشی لالتا پرشاد لکھنوی کی تالیف ہے۔ اس میں صرف وہی محاورے لکھے گئے ہیں جو ناسخ، آتش، غالب اور ذوق کے کلام میں پائے جاتے ہیں۔

اُردو کی آخری بڑی لغت خواجہ عبدالمجید کی "جامع اللغات" ہے، یہ چار ضخیم جلدوں میں ہے۔ اس میں سنسکرت اور عربی کے ایسے الفاظ بھی بہت ہیں جو اُردو میں رائج نہیں۔ دنیا بھر کے مشہور لوگوں، دریاؤں اور پہاڑوں کے نام بھی درج کر دیے ہیں۔ لغت کی کتاب کو انسائیکلو پیڈیا کی شکل دینا ٹھیک نہیں۔ لفظوں اور محاوروں کے استعمال کے لیے کوئی سند نہیں دی گئی۔ اور ان کی اصل کی تحقیق بھی نہیں کی گئی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ مرتب نے اس کی تیاری میں بے حد محنت کی ہے مگر افسوس کہ یہ لغت مستند نہیں۔

۱۹۲۵ء میں انجمن ترقی اردو نے فرہنگِ اصطلاحاتِ علمیہ شایع کی یہ کام کی چیز ہے جو حکومت حیدرآباد کی امداد سے طبع ہوی ہے۔

اسی زمانے میں انجمن ترقی اردو کی طرف سے فرہنگِ اصطلاحاتِ پیشہ وران کا کام جاری تھا، ایک ایک کرکے دس جلدوں میں اس کی تکمیل ہوگئی۔ یہ اصطلاحات مولوی ظفرالرحمٰن عباسی کی جمع کردہ ہیں۔ مرحوم نے اس سلسلے میں مختلف مقامات کا سفر کیا اور ماہرینِ فن سے اصطلاحوں کی تحقیق کی۔

صنّاع اور کاریگر تمدن کی جان ہوتے ہیں۔ ان کی صنعتی زبان میں بڑی گھلاوٹ اور مزاج میں ملنساری ہوتی ہے۔ ہر زبان کے لفظ کی اس میں کھپت ہے۔ صنّاع بڑی آسانی سے لفظ گھڑ لیتے ہیں۔ جو چپکے چپکے زبان میں داخل ہو جاتا ہے۔

انجمن ترقیٔ اردو کی مطبوعات میں سب سے اہم اور ضخیم کتاب انگریزی اُردو لغت ہے جو آکسفورڈ اکسائیز ڈکشنری کا ترجمہ ہے۔ مولوی عبدالحق (بابائے اردو) نے دس بارہ سال کی کوششوں کے بعد اس کو ایڈٹ کیا ہے۔ یہ لغت اس قدر کارآمد ہے کہ کوئی اسکول، کالج، دفتر، ادارہ اس سے خالی نہیں۔ یہ لغت انجمن کا یادگاری کام ہے۔

چند سال ہوا انجمن نے English Students Urdu Dictionary کے نام سے اس کا اختصار شائع کیا جو بابائے اردو کی مختصر مگر مکمل اور جامع ہے۔ بڑی ڈکشنری میں سے صرف وہ الفاظ جو قدیم اور متروک ہیں یا ایسی اصطلاحات جو کسی خاص فن کے لیے مخصوص ہیں خارج کردی گئی ہیں۔ اس سے لغت کی خوبی پر کوئی فرق نہیں آیا۔ ایک کوافسوس ہے یہ لغت زیادہ صحیح اور مکمل ہے گو کہ بڑی کتاب کے بعد شائع ہوئی ہے۔ یہ لغت نایاب ہے۔

کچھ عرصہ ہوا جعفر علی خاں اثر نے "فرہنگ اثر" کے نام سے ایک لغت شائع کی ہے جو دراصل اردو کی مشہور لغت "سرمایۂ زبانِ اردو" (از جلال لکھنوی) کی شرح ہے۔ زبان اور محاورے کے بارے میں اثر مرحوم بے حد راسخ العقیدہ واقع ہوئے تھے۔ ہر چند اردو کے انشا پرداز ملک کے بہت سے شہروں میں موجود ہیں لیکن اثر ہمیشہ اردو کے لکھنوی محاوروں پر ہی نظر رکھتے تھے۔

لکھنؤ اسکول کے ایک دوسرے اسکالر مہذب لکھنوی نے "مہذب اللغات" چار جلدوں میں شائع کی ہے۔ یہ انفرادی کوشش کا نتیجہ ہے۔ اگرچہ اس لغت کی تدوین وسیع پیمانے پر کی گئی ہے۔ لیکن لغت نویسی کے بارے میں مصنف کے نظریات محدود ہیں۔ انھوں نے کسی معیار یا روزمرّہ کے لیے خود اپنی زبان کو مستند مانا ہے۔

ترقی اردو بورڈ پاکستان ایک عظیم لغت کی تدوین میں لگا ہوا ہے۔ یہ لغت آکسفورڈ ڈکشنری کے نہج پر تیار کی جا رہی ہے۔ چنانچہ اردو نثر و نظم کی تمام مستند کتابیں پڑھوا کر الفاظ فراہم کیے جا رہے ہیں۔ بورڈ کا سہ ماہی رسالہ "اردو نامہ" اس لغت کے نمونے پابندی سے شائع کر رہا ہے — اس میں اردو الفاظ کے مسائل پر بھی دلچسپ مضمون شامل ہوتے ہیں۔

●●

"آر۔ ایس۔ ایس ایک متعصب تنظیم ہے جس کی بنیاد ہندوؤں کی افضلیت کے اصول پر قایم ہے یہ ہندوؤں اور عیسائیوں کے خلاف نفرت پھیلا رہی تھی۔ یہ عقلی اور سائنسی اندازِ فکر کی مخالف ہے اور ہمارے اقتصادی اور خارجی پالیسیوں کی بھی مخالف ہے۔ یہ ہزاروں نوجوانوں کو نیم فوجی تربیت دے رہی تھی اور بہت سی سرکاری ملازمتوں میں بھی گھُسی جا رہی تھی۔ آنند مارگ لوگوں کا صفایا کرنے میں یقین رکھتی ہے اور متعدد قتل ہو چکے ہیں نکسل وادی بائیں بازو کے انتہاپسندوں کا ایک گروپ ہے جو تشدّد میں یقین رکھتے ہیں اور انتخابات نیز جمہوریت کی کسی بھی شکل کو ناپسند کرتے ہیں ملک کے تمام ذمہ دار اور سیکولر عناصر عرصہ سے ان پر پابندی لگانے کا مطالبہ کر رہے تھے۔"

———— "اندرا گاندھی"

"ہمیں اخبارات پر سنسر شپ اس لیے عاید کرنا پڑی کہ کچھ اخبارات حزب مخالف محاذ کے مکمّل ساجھے دار بن گئے تھے اور عوام کے حوصلے کو پست کر رہے تھے، نیز تشدّد یہاں تک کہ قتل و خوں ریزی کی بھی حمایت کر رہے تھے۔ جب حزب مخالف کے لیڈروں کو اُن کے توڑ پھوڑ کے پروگرام کو عمل میں لانے سے روک دیا گیا تو پھر اُن کا پروپیگنڈا کرنے والے اہم ترجمانوں کو کیسے مستثنیٰ کیا جا سکتا ہے؟"

✦

غزل

حسنیٰ سرور

جلتی ہوئی راہوں پہ چلے یوں بھی جیالے
ہر گام پہ رستے ہی رہے پاؤں کے چھالے

روشن جو نہیں شمعِ سرِ راہ تو کیا غم
زخموں کے اُجالے ہیں بہر حال اُجالے

آئی جو تری یاد تو محسوس ہوا یوں
جیسے کوئی طوفان میں کشتی کو سنبھالے

اُمید کے ساحل پہ نہ تھا کوئی بھی لیکن
مُڑ مُڑ کے یہ کیوں دیکھتے تھے ڈوبنے والے

ہونٹوں کا تبسّم تو دِکھاوے کے لیے ہے
ڈرتے ہیں چھلک جائیں نہ اشکوں کے پیالے

اک دُھند کے پیچھے ہے کوئی شمع سی جھلمل
اُمید کے زینوں پہ اندھیرے نہ اُجالے

ہر آنکھ ہے سہمی ہوئی ہر لب پہ خموشی
پتھر میں بھلا کس نے یہ اجسام ہیں ڈھالے

یادوں کے طرب زار میں اب غم کا گزر کیا
بیٹھے ہیں سبھی درد کئے دِل کے حوالے

مانوس رہے لوگ اندھیروں سے بھی حسنیٰ
چبھتے ہیں نئی صُبح کی آنکھوں میں اُجالے

کسی کی زلفوں کا یہ سودائی ہے کیا کرتا ہے
ہاتھ اٹھا کر جو سرِ شام دعا کرتا ہے

جس پہ آ آ کے ٹھہر جاتے ہیں آرام پسند
نذرِ طوفاں وہی ساحل تو ہوا کرتا ہے

پرورش جس کی ہوا کرتی ہے طوفانوں میں
وہی آنسو دُرِ شہوار ہوا کرتا ہے

برق صیاد کو کرتی ہے اشارے پیہم
جب کوئی پھول گلستاں میں کھلا کرتا ہے

میں نے دل دوز سی اک چیخ سنی آج ضیا
یوں تو گلشن سے دھواں روز اٹھا کرتا ہے

چشمِ ساقی کا بھرم بھی نہیں پیمانوں میں
تشنگی عام ہوی جاتی ہے میخانوں میں

لب تک آتے نہیں آنکھوں سے چھلک جاتے ہیں
کس کے ارمان ہیں شامل مرے ارمانوں میں

رندِ محروم تو بھیگی ہوی آنکھوں سے نہ دیکھ
زہر ہوتا ہے چھلکتے ہوئے پیمانوں میں

پھر بہار آئے تو تجدیدِ ندامت ہو گی
ابھی کچھ تار تو باقی ہیں گریبانوں میں

موسمِ گل میں یہ رودادِ گلستاں ہے ضیا
اختلافات ہیں گلشن کے نگہبانوں میں

سیّد ہمایون الدین جلالی

بھارتی نقاشی کے مختلف نظریاتی اسکول

سنگ تراشی مصوری کی ایک اعلیٰ اور مہذب قسم ہے اور فن کاری کے لحاظ سے مشکل ترین بھی۔ کاغذی مصوری میں مختلف رنگوں کی متناسب آمیزش سے نظر نوازی اور دلکشی کے سامان مہیا کیے جاتے ہیں۔ اور موئے قلم کی مختلف گردشوں سے خدوخال کی نوک پلک درست کی جاتی ہے۔ لیکن سنگی تصویر کشی کا ماہر موئے قلم کے بجائے چھینیوں اور باریک ترین اوزاروں سے مدد لیتا ہے۔ اس میں چابک دستی اور ہاتھوں کی جنبش پر زیادہ کنٹرول کی ضرورت ہوتی ہے، محاکاتی تخیل کی ضرورت جس طرح کاغذی تصاویر میں ہوتی ہے اسی طرح سنگی تصاویر میں بھی، یعنی تخیل کے بموجب اچھا شاعر ہی اچھا مصور ہو سکتا ہے۔ اس لیے ایک باکمال مصور کو شاعرانہ تخیل کے اظہار کی ضرورت موئے قلم کی ہر جنبش پر لاحق ہوتی ہے۔

سنگی تصاویر کی ابتدا مذہبی جذبات کے زیر اثر ہوئی ہے اور اسی بنا پر مصر و یونان اور بابل و روما سے لے کر ہند کی قدیم نقاشی تک ایک ہی تخیل اور ایک ہی جذبے کی کارفرمائی نظر آتی ہے۔ ہاں مذہبی تخیلات کا اختلاف اور ماحول کا تضاد اس میں ضرور نمایاں رہا۔ مصر کی قدیم نقاشی میں اقتدار اعلیٰ کے جلال و جبروت کا مظاہرہ نظر آتا ہے۔ یونان کی سنگ تراشی نے مختلف مذہبی اثرات اور ماحول کے تحت فروغ پایا۔ دراوڑوں کے زمانے کی مصوری کے جو نمونے دستیاب ہوئے ہیں ان کا بھدا پن فن کی ابتدائیت کا مظہر ہے اور مصور کے گوشۂ دماغ میں مذہب کے انسانی تخیل کے علاوہ فن کاری کا بہت کم حصہ معلوم ہوتا ہے۔ آریائی دور کی نقاشی میں مذہبی تصورات کی نمائش کے ساتھ فنی صلاحیت بھی اجاگر نظر آتی ہے۔ اس دور کا مصورانہ تخیل روزمرہ کی زندگی سے ہم آہنگ دکھائی دیتا ہے اور اس سے اجتماعی زندگی کا اندازہ بھی کیا جا سکتا ہے۔

وسطِ ہند کے کوہستانی علاقے میں دیواروں پر شکار کی حالتوں کی کھینچی ہوئی جو تصویریں پائی گئی ہیں وہ اس دور کے مصورانہ کمالات کا مظہر ہیں۔ ان گپھاؤں میں انسان و حیوان کی نقاشی کچھ ایسے نظر نواز انداز میں کی گئی ہے کہ اس سے زندگی کی جھلکیاں صاف نظر آتی ہیں۔ موہنجوداڑو اور ہڑپا وغیرہ مقامات سے جو تصویری نمونے دستیاب ہوئے ہیں ان میں سے بعض دلکش بھی ہیں۔ ظروف کی نقاشی دیکھ کر پتہ چلتا ہے کہ ڈیزائن سازی کی دنیا میں سیدھے خطوط، زاویوں، دائروں اور نصف دائروں وغیرہ جیسی اقلیدسی شکلوں سے بہت کچھ کام لیا جاتا تھا۔ ان میں سے بعض ڈیزائن کا انداز آج کی ہندی مصوری میں بھی نظر آتا ہے۔

ابتدائی مصوری سے متعلق کتابی نظریات: چونکہ ابھی تک ذہن انسانی فنون لطیفہ کے حسن و قبح سے فنی طور پر واقف نہیں ہوا تھا صرف ذوقِ آرائش کا فطری تقاضہ خطوط، زاویوں اور دائروں کی صورت میں ظاہر ہو رہا تھا اس لیے اس دور کی نقاشی مجموعی طور پر فنی مہارت سے عاری ہے لیکن یہ عجیب اتفاق ہے کہ ادبی مطالعہ فنی مہارت کا مؤید نظر آتا ہے اور اسی کے ساتھ فن کاری کے حسن و قبح پر تنقیدی جائزے بھی نظروں کے سامنے آتے ہیں۔ رگ وید میں جو آریائی

دور کی سب سے پہلی تصنیف ہے۔ پدمے کی بنی ہوئی اگنی دیو کی تصویر کا ذکر موجود ہے۔ مہابھارت میں اوشا اور اس کی ایک سہیلی چترلیکھا کا ذکر پایا جاتا ہے۔ جس میں اوشا ایک مست شباب راج کمار کو خواب میں دیکھ کر اس کے دامِ محبت میں اسیر ہو جاتی ہے۔ اوشا کے دل کی دھڑکن سے اس کی سہیلی چترلیکھا بات کی تہہ تک پہنچ جاتی ہے اور بیسیوں راج کماروں کی تصاویر کھینچ کر اوشا کو دکھلاتی ہے اوشا کی نظر جونہی کرشن کے پوتے نرودھ کی تصویر پر پڑتی ہے، وہ اپنے محبوب کو پہچان لیتی ہے۔ اس طرح کی ذہنی تصویر کشی کی بہت سی مثالیں پرانوں میں موجود ہیں، پانینی نے بھی اس دور کی مصوری کی بہت کچھ تعریف لکھی ہے۔ رامائن میں بھی پہاڑی دیواروں کی نقاشی کو خراجِ تحسین پیش کیا گیا ہے اور دوسری کتابوں میں اس سے ملتے جلتے تعریفی کلمات ملتے ہیں۔ لیکن دستیاب شدہ تصاویر مذکورہ محاسن کی تصدیق نہیں کرتیں۔ ممکن ہے کہ دستبردِ زمانہ سے ان کے عمدہ نمونے برباد ہو گئے ہوں۔ آریائی تہذیب کے وسطی دور میں فنی مہارت میں کافی پیش رفت معلوم ہوتی ہے۔ چنانچہ اس دور سے متعلق دو قدیم کتابوں چترکشی اور شلپ شاستر میں اس پر سیر حاصل بحثیں ملتی ہیں۔ بعض فنی کتابوں میں تصویر کشی کے اصول و مبادیات بھی تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں۔ واتسائن کے کام سوتر میں کامیاب مصوری کے اجزا کا تفصیلی ذکر موجود ہے اور حقیقت میں یہ وہ اجزا ہیں جو فنِ مصوری کے ساتھ ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ ان کی باہمی تقسیم و تناسب پر اس میں جو کچھ سپردِ قلم کیا گیا ہے آج کی مصوری دنیا اس کو راہ نما بنائے ہوئے ہے۔ شعر کی اثر انگیزی بڑی حد تک حسن و ادا میں مضمر سمجھی جاتی ہے اور تصویر کے جسم میں بھی حسن ادا ہی سے جان پڑ جاتی ہے۔ تصویری خطوط میں تاثر کے بغیر اندازِ نطق پیدا ہونا ممکن نہیں ہے یہی وجہ ایک باکمال مصور کے لیے ضروری ہے کہ وہ قلم کی ہر جنبش میں خارجی حسن کے اثرات نمایاں کرتا جائے۔ اور یہ اثرات بغیر حسن ادا کی جلوہ گری کے پیدا نہیں ہو سکتے اور حسن ادا کے اظہار کے لیے تصویر کشی کے اجزائے ترکیبی پر مکمل قدرت کی ضرورت ہے۔ تصویر میں تاثری حسن پیدا کرنے کے واتسائن نے دو مزید اصول بتلائے ہیں، ایک شباہت، دوسرے رنگ آمیزی، اچھے شعر کی تعریف بھی کی گئی ہے کہ "قائل کے منہ سے نکلتے ہی سامع کے دل و دماغ میں اتر جائے" یہی بات تصویری شباہت میں ہونی چاہیئے۔ یعنی تصویری خاکے پر نظر پڑتے ہی صاحبِ تصویر کو پہچان لیا جائے۔ اگر اس سلسلے میں ذہنِ رسا کو ہفت خواں طے کرنا پڑے تو تصویر میں خامی سمجھی جائے گی۔ رنگ آمیزی سے لطیف رنگوں کی باہمی متناسب آمیزش ہے۔ اگر اس تناسب میں فرق رونما ہو تو تصویر کے تاثر میں بھی کمی پیدا ہو جائے گی۔

بودھ مصوری اور اس کے اثرات: اس عہد کے اختتام پر ہندی نقاشی کے ایک ایسے دور کی ابتدا ہوتی ہے جس کو ہندی مصوری کا سنگِ میل کہا جاتا ہے۔ اگرچہ مہاتما بُدھ کے عقیدے میں مناظر کی تصویر کشی کے سوا ذی روح کی نقاشی کی اجازت نہ تھی لیکن عجیب اتفاق ہے کہ بودھ کے دورِ حیات ہی میں اس فن نے گراں مایگی حاصل کر لی بلکہ دنیا کی تاریخ میں سوائے بودھ مت کے ایسی کوئی مثال نہیں ملتی کہ مذہب نے تمدن کا عروج انسان کے فنی جذبات کے ذریعے ہوا ہو۔ بودھ مت کی تبلیغ و اشاعت کے لیے جب بودھ بھکشو ایشیائی علاقوں میں پھیلے تو ان کے پاس بودھ مت کے پرچار کا ثقافتی ذریعے کے علاوہ کوئی خاص ذریعہ نہ تھا۔ وہ بودھ کے پہلے جنم کے قصے تصویری شکل میں لے کر جہاں بھی پہنچے وہاں اپنے مصورانہ اثرات پھیلاتے گئے اسی بنا پر ان علاقوں کی مصوری پر ہندی نقاشی کی روشن چھاپ موجود ہے۔ سترھویں صدی کے مشہور مورخ تارا ناتھ کا قول ہے کہ "صحیح مصوری بودھ ازم میں موجود رہے اور جن مقامات پر بودھ ازم کی اشاعت ہوئی وہاں ہند کے دانشمند نقاشوں اور ماہر مصوروں کی موجودگی لازم سمجھنی چاہیئے"۔ چنانچہ ایشیا کے مختلف مقامات پر مصوری کے جو نمونے دستیاب ہوئے ہیں ان سے طرز و ترتیب، یکسانیت و شباہت میں بودھ دور کے مصورانہ انداز کی مکمل نشان دہی ہوتی ہے۔ جاپان کے "ہوریوجی" مندر کی دیواری تصاویر اجنتا کی تصاویر کا عکس نظر آتی ہیں۔ چینی مصوروں کے بارے میں محققین کی متفقہ رائے ہے کہ اس میں بودھ مصوری کی روح اپنا کام کر رہی ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ فنونِ لطیفہ میں چینی مصوری کو بڑی اہمیت حاصل رہی ہے اور صدہا انقلابات کے باوجود آج تک زندہ ہے لیکن اسی کے

ساتھ یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ چینی مصوری کا ارتقا بودھ کے تہذیبی اثرات کے نفوذ کے بعد ہوا۔ چینی نقاش مصوری کو خطاطی اور خوش نویسی کی ایک شاخ سمجھتے تھے۔ جس برش سے وہ لکھتے تھے اسی کو تصویر کشی میں بھی استعمال کرتے تھے۔ لیکن بودھ مت کے پہنچنے کے بعد یہ طریقہ چین میں نظر نہیں آتا۔ چین کے مشہور مصور زیادہ تر بودھ مت کے دور کی پیداوار ہیں۔ چینی بودھ مصوری کے مشترک اسکول کا سب سے عظیم مصور کو کاجی" سمجھا جاتا ہے اس نقاش کے مصورانہ کمالات کے بارے میں عجیب و غریب قصے مشہور ہیں۔

ہانگ کنگ کے بودھ اسٹوپ کی تعمیر کے لیے دس لاکھ روپے کی ضرورت تھی۔ اس کثیر رقم کا جمع کرنا بودھ بھکشوؤں کی قدرت سے باہر تھا۔ اس لیے انھوں نے کو کاجی سے معاونت کی درخواست کی۔ اس نے بودھ مت کے ایام طفلی کی ایک معجز نما تصویر دیوار پر بنا دی جس کی تین دن کی نمائش سے مطلوبہ رقم جمع ہوگئی۔ اس مصور نے بودھ مصوری کے محاسن پر تین رسالے بھی تحریر کیے تھے اگرچہ تانگ خاندان کے بعد چینی بودھ مصوری میں آثارِ زوال پیدا ہوگئے اور دو نظریاتی اسکول شمالی اور جنوبی اسکول کے نام سے عالمِ وجود میں آئے۔ لیکن غائر نظر سے دیکھنے پر ان دونوں اسکولوں کے اندازِ نقاشی میں بھی بودھ مصوری کے انداز نظر آتے ہیں۔ خطوط کی درستی، رنگ آمیزی، اعضائی اور نظری تناسب وغیرہ خود ان اثرات کی غمازی کر رہے ہیں۔

قدیم دور کی مصوری اور موسیقی صرف دیوی دیوتاؤں سے خوش اعتقادی پر مبنی تھی۔ دنیاوی تخیل سے اس کا کوئی واسطہ اور تعلق نہ تھا۔ ہاں ایشور کی ذہنی اور تخیلی تمثیل کشی کے ساتھ فطرت کی منظر کشی کے کچھ نمونے بھی ملتے ہیں۔ مہاتمائی دور کی ابتدائی نقاشی میں بھی ان اثرات کا رنگ غالب اور نمایاں ہے بودھ کے سوانح حیات کو نقوش اور تحریر کے بجائے مجسمہ تراشیوں کے ذریعے لوگوں تک پہنچایا گیا۔ چنانچہ برما کے مختلف اضلاع خصوصاً دارالسلطنت رنگون کے بودھ اسٹوپوں میں مہاتما بودھ کے ایسے قدِ آدم مجسمے پائے جاتے ہیں جن سے بودھ کی کتابِ حیات کے مختلف ابواب نظروں کے سامنے آجاتے ہیں۔

اجنتا کی بودھ مصوری: اجنتا کے مشہور غاروں میں ہندی نقاشی کے جو نادر الفن اور کامل المعیار نمونے موجود ہیں ان کو دیکھ کر خود فلاطونِ عقل ورطۂ حیرت و استعجاب میں پڑ جاتا ہے۔ حقیقت میں ان تصاویر سے بودھ دور کی تاریخی اور تہذیبی عظمت کے ساتھ مصوری کی تہذیبی ارتقائی صورت بھی نظروں کے سامنے آجاتی ہے اور اس تحیّر خیز نقاشی سے چشم نظارہ بیں کے سامنے ذہنی گل کاریوں کے اعلیٰ نمونے ہی نہیں آتے بلکہ زمانۂ قدیم کی روشن کتاب اس کے سامنے کھلی سی معلوم ہوتی ہے۔ نقاشی کے ان شاہکاروں میں آرٹ کی بہترین نمائش ہی نہیں بلکہ کالی داس کی نیچرل شاعری کی جذباتی عکاسی بھی پائی جاتی ہے۔ ان نقاشیوں کا طرزِ ساخت، چہروں سے خود اعتمادی کا اظہار اور نقل و حرکت کے ہوش ربا انداز ایک ایسا منظر پیش کرتے ہیں جن کا تصور برسوں تک ناظرِ تماشہ کے دماغی گوشوں سے نکل نہیں سکتا۔

نقش ہائے کہ در و غیرہ بماند ابصار

ان سنگ تراشیوں میں انسان کے ہمہ گیر جذبات کی ترجمانی اس حد تک کی گئی ہے کہ شہوانی جذبات کی جوانی بدوش مستیاں اور عریاں احساسات کی رنگین اضطرابیاں صاف طور سے نظر آتی ہیں۔ اجنتا کے آرٹ کی ہمہ گیر دل کشی موقلم کے خطوط و زاویوں میں مضمر ہے۔ علاوہ ازیں ان تصاویر سے مذہبی اور سیاسی جنگ کے زمانوں کی تاریخی اہمیت، تہذیبی اور تمدنی خاکے اور ملک کے قدرتی مناظر کی دل کش جھلکیاں بھی برافگندہ نقاب نظر آتی ہیں۔ طیوری تصاویر سے بھی غاروں کی دیواروں کو مزین کیا گیا ہے۔ یہ خوش رنگ و خوش ادا پرندے تصویری درختوں کی ہلکی پھلکی شاخوں پر کچھ ایسے فطری انداز سے بیٹھے ہیں گویا نغمہ سرائی کے لیے بے چین اور غزل خوانی کے لیے مضطرب ہیں۔ گلہائے رنگا رنگ کی بھی بہت سی تصاویر یہاں موجود ہیں جن کی رنگین کہربائیت دیدۂ نظارہ بیں کو مستقل دعوتِ نظارہ دے رہی ہے۔ ان سب تصاویر کا حسین مرقع ایک ایسا ڈرامائی منظر چشمِ شوق کے سامنے پیش کرتا ہے جس میں ہر چیز اپنا اپنا پارٹ بڑی خوش اسلوبی سے ادا کرتی معلوم ہوتی ہے۔ تاریخی

واقعات کی منظرکشی خود تاریخی دور کو نظروں کے سامنے پیش کردیتی ہے چنانچہ راجہ پلکیشی دوم کا شاہ خسرو پرویز کے قاصد کا استقبال کرنے اور خطوط و تحائف کے تبادلے کی نقاشی سے پورے منظر کی کیفیت نظروں کے سامنے آ جاتی ہے۔ اجنتا کے یہ کامل العیار نمونے بودھ مصوروں کی تخلیقی قوتوں کا زبانِ حال سے اعلان کر رہے ہیں۔ باکمال اور ماہرِ فن مصور مختلف رنگوں کی آمیزش سے ایسی دل کش و نظر فریب گلکاریاں کرتا ہے کہ ناظرِ تماشہ کی نظریں موئے قلم کے خطوط اور دائروں پر جم کر رہ جاتی ہیں۔ تصاویر کا اعضائی تناسب خد و خال کی موزونیت، اندازِ خوش ادائی زلف و کاکل کی درازی، رنگ روپ کا نکھار، چہروں سے غم و مسرت رنج و راحت سکون و اضطراب اور نفرت و محبت کے مختلف جذبات کی نمائش دیکھنے والے کی نگاہوں کو اپنی طرف سے ہٹنے نہیں دیتی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان ہنرمندوں نے چٹانوں پر اپنے دلوں کی بے قراری کا نقش کندہ کر کے اس میں جان سی ڈال دی ہے۔ یا یوں سمجھئے کہ انھوں نے کہساروں میں اپنی داستانوں کو ہمیشہ کے لیے محفوظ بنا دیا ہے۔ ان نقوشِ لاثانی میں جذبات کے اظہار کی معراج نظر آتی ہے۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ

یہ تصویریں بظاہر ساکت و خاموش رہتی ہیں
مگر اہلِ نظر بوجھیں تو دل کی بات کہتی ہیں

نقاش و مصور فطرت کا رازدار اور ذوقِ سلیم کا جس قدر مالک ہوگا اسی قدر اس کی موکشی میں کہ رعایت اور فنی ذوق کا حسن بھی نمایاں ہوگا ان پہاڑوں، دیواروں کی سنگی نقاشی میں یہ مصورانہ صفات بہ تمام و کمال موجود ہیں۔ انھیں صفاتِ عالیہ کا یہ نتیجہ ہے کہ مشاہدہ و متبصر کا دل ان کے حسن و جمال کا شیدائی نظر آتا ہے۔ اس سلسلۂ تصاویر میں ایسے دل نواز منظر کی تصویر بھی ملتی ہے جس میں ایک رانی موت کے بے رحم ہاتھوں میں جانے والی ہے۔ تیماردار نبض پر ہاتھ رکھے دم نزع کا ہوش ربا منظر دیکھ رہے ہیں۔ کنیزیں، سہیلیاں، عزیز بیگانے سب طائرِ روح کے قفسِ عنصری سے پرواز کا عالم دیکھ کر صورتِ غم بنائے بسترِ مرگ کے قریب بیٹھے ہیں۔ کسی عزیز و بیگانہ کا دامنِ صبر آخری دیدارِ زندگی سے متاثر ہو کر ہاتھ سے ایسا چھوٹا ہے کہ قلب و جگر کا خون آنکھوں کی راہ بہا جا رہا ہے اور کوئی اپنے دلِ صد پارہ کو ہاتھوں سے دبائے عالمِ یاس کا منظر پیش کر رہا ہے اور کوئی بایں یاس و ناامیدی خدا کے حضور میں خشوعِ قلب اور خضوعِ دل سے ہاتھ پھیلائے دل کی تمنا کا اظہار کر رہا ہے۔ مریضہ کے چہرے پر آثارِ مرگ جس تیزی سے ظاہر ہوتے جاتے ہیں تیمارداروں کا اضطراب اسی نسبت سے بڑھتا جاتا ہے اور مریضہ کے نبض کی رفتار جس قدر سست پڑتی جاتی ہے۔ بسترِ مرگ کے قریب بیٹھنے والوں کا قلبی اضطراب اسی قدر بڑھتا جاتا ہے اور آخر میں جب مریضہ اپنی روح موت کے بے رحم ہاتھوں کے سپرد کر دیتی ہے تو عزیز و بیگانوں کے قلب و جگر پر جو بیتتی ہے اس کی ایسی مصوری کی ہے کہ چیخ و پکار آوازِ نالہ و فریاد کانوں میں آتی معلوم ہوتی ہے۔ مسٹر گرفتھ جیسا ناقدِ فن اور مبصرِ جذبات اس سلسلے کی تصاویر کو دیکھ کر ورطۂ حیرت میں پڑ جاتا ہے اور اپنی مشہور کتاب "دی پینٹنگ آف اجنتا" میں اس منظرکشی کی تعریف کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ "کیفیتِ باطنیہ اور اضطرابِ دل کی حالت نمایاں کرنے میں اس سے بہتر تصاویر کا سلسلہ میری نظروں سے آج تک نہیں گزرا۔" آگے چل کر یہ قدردانِ فن لکھتا ہے کہ "ممکن ہے کہ فلورنس کے ماہر نقاش اس سے بہتر نقوش تیار کر سکتے ہوں اور یہ بھی بہت ممکن ہے کہ وینس کے منتخبِ روزگار مصور تصویری خاکوں میں گوناگوں رنگوں کے امتزاج سے صد ہزار اندازِ دل ربائی پیدا کر دیتے ہوں، لیکن رنج و غم کی ذہنی کیفیات اور جذباتِ عمومی کے اظہار کی جو قدرت اس سلسلۂ تصاویر میں موجود ہے اس میں ہندوستانی مصوروں کا ہمسر و مثیل نہیں۔" دوسرے بہت سے نقادانِ فن نے بھی ہندی نقاشی پر کامیاب تنقیدی مضامین لکھے ہیں۔ لندن کے مشہور اخبار بھی اپنے کالموں میں تعریفی سطور کو اس سلسلے میں جگہ دے چکے ہیں چنانچہ لندن ٹائمز اور ڈیلی ٹیلی گراف کے فنی تنقید کے کالم نویسوں کی رائے میں "یورپ کا فنِ نقاشی بھی اس اوجِ کمال پر نہ پہنچ سکا اور ان کی رائے میں زبانِ قلم میں وہ یارا نہیں کہ ان کی فنی حیثیت کی تعریف و توصیف کی جا سکے اور حقیقت میں ان تصاویر کا رنگ روپ اتنا دل کش اور نظر نواز ہے کہ نظریں ان کے نظارے سے سیراب نہیں ہوتیں، زندگی کے حسین اور نظر نواز مناظر کی عکاسی اور کیفیاتِ باطنیہ کے اظہار میں یہ تصاویر اپنا جواب نہیں

رکھتیں اور محاسن فن کی تابندگی کے ساتھ عالمگیر صداقت اور مجموعی تاثر کی گہری جھلکیوں کی بھی حامل ہیں" آگے چل کر یہ تنقید نگار لکھتے ہیں کہ بعض تصاویر کا اعضائی تناسب ان کا رنگ روپ اور ان کا جمالیاتی انداز دیکھ کر زبان بیان گنگ ہو جاتی ہے، بعض دیوی دیوتاؤں کے چہروں کی تقدیس دور سے اس طرح ظاہر ہوتی ہے کہ حسن فطرت کی معصوم ادائیں ان میں رقصاں نظر آتی ہیں اور ان کی صداقت پناہ نگاہوں سے حسن تقدس کی ایسی نورانی شعاعیں نکلتی دکھائی دیتی ہیں جیسے کہ ہر طرف بارش تابش و نور ہو رہی ہے۔"

حقیقت میں ہندی اور مغربی فن نقاشی کے حدود ایک دوسرے سے قطعی مختلف ہیں۔ مغربی فن کاروں کے نزدیک تصویری خطوط کا اصلی معیار حسن صورت میں مضمر ہے جب کہ ہند کے فن کار حسن صورت کے ساتھ محسوسات باطنی کی جلوہ گری کے بھی شیدائی ہیں۔ فن کاروں سے ہٹ کر ہندی عوام بھی حسن صورت میں محسوسات باطنی کی روشنی دیکھنے کے خوگر رہے ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ تصویری خطوط میں ظاہری حسن آرائیوں کے ساتھ محسوسات باطنیہ کی نمود، فن کاری کا ایک شاہکار ہے۔ اگر نقد و بصر کے ذوق میں پختہ کامی نہیں تو حسیات باطنیہ کی نمائش میں کامیابی یقیناً مشتبہ ہوگی اور ہندی فن کاروں نے حسن ظاہر کے ساتھ کیفیات باطنیہ کی جلوہ گری کو نقاشی کی اصل معراج تصور کیا ہے۔ زیادہ شاعرانہ انداز میں یوں سمجھئے کہ وہ لفظی محاسن میں حسن معنی کی جلوہ گری کے زیادہ قائل تھے اور بات بھی یہی ہے کہ حقائق متصورہ کو عریاں کرنا مصور کے حیطۂ کمال میں داخل ہے۔

"ہیوی اسکلپچر اینڈ پینٹنگ" میں ہندی اور مغربی مصوری کا جو فرق تحریر کیا گیا ہے وہ قول فیصل کی حیثیت رکھتا ہے کہ " مغربی فن تصویر ہندی نقاشی کے سامنے پر بریدہ سا معلوم ہوتا ہے۔ مغرب کے طبائع اس فن لطیف میں ظاہری خوبی اور حسن مادی کے قدر داں ہیں جبکہ ہند کا فن تصویر و نقاشی کیفیات باطنیہ اور جذبات فکوتی کا ترجمان ہے۔ چونکہ ہندی نقاشی کی بنیاد خالص مذہبی ماحول میں پڑی تھی اس لیے اس نے ساری ارتقائی منازل اسی تخیل کے تحت طے کیں اور یہی وجہ ہے کہ اس کے چاروں حصے یعنی غار، مندر، ستون اور مورتی، تخیل واحد کی مختلف شکلیں اور ایک ہی طرز فکر کے مختلف نمونے ہیں۔ شروع سے آخر تک مذہبی جذبات کی نمائش اس کے ہر تیور سے عیاں ہے۔ کہیں اس کے ذریعے بودھ تخیلات کو اجاگر کیا گیا ہے اور کہیں جینی معتقدات کو منظر عام پر لانے کی کوشش کی گئی ہے اور کہیں شری کرشن مہاراج کی بانسری کے دل گداز نغموں کو حیات جاوید بخشی گئی ہے۔ ذرا زیادہ عارفانہ انداز میں یوں سمجھئے کہ کہیں کنھیا جی کی بنسی کے نغمات سرمدی کی سرمستیوں میں گوپیوں کا اپنی انفرادیت کو کھو دینا ظاہر کیا گیا ہے اور کہیں مظہر کمالات ربانی مہاراج کرشن کے اعلیٰ صفات روحانی سے متصف ہو کر گوپیوں کا عین ذات مطلوب بن جانا دکھایا گیا ہے۔

بودھ مت کے نزدیک انسان کی تناسخی زندگی کا سلسلہ جب ختم ہوتا ہے تو اس کو نروان کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ نروان انسان کی کسی خاص زندگی کا نام نہیں بلکہ سلسلۂ حیات کی دوامی علاحدگی نروان کہلاتی ہے، اسی اصول کے مطابق بودھ نے اپنی زندگی کے دور ختم کیے تھے۔ اور مشہور ہے کہ روحانی طاقت کی وجہ سے ان کو اپنی پچھلی زندگیوں کے حالات اچھی طرح یاد تھے جن کو انھوں نے اپنے چیلوں سے بھی بیان کیا تھا۔ ان تمام مدونہ روایات کی تعداد پانچ تک پہنچتی ہے جس کا مجموعہ "جاتک" کہلاتا ہے۔ ہند کے تخلیقی فن کاروں نے جن کے اذہان و افکار کی پرورش مذہبی تخیلات کے تحت ہوئی تھی، بودھ کی پچھلی زندگیوں کی مختلف روایات کو بھی اس خوبی سے منقش کیا ہے کہ ان کے مشاہدے سے تناسخی زندگی کے مختلف ادوار نظروں کے سامنے آجاتے ہیں۔ اور خاص کر پہلے جنم کی نقاشیاں منہ بولتی تصویریں ہیں جس طرح زمین کا پیٹ پانی سے نہیں بھرتا اور کان سننے سے نہیں تھکتے اسی طرح چشم تماشہ بیں ان کے دیکھنے سے بیزار نہیں ہوتی " لا تشبع العین من نظر ولا السمع من خبر والارض من مطر"

ان جاتکوں کے علاوہ کئی تصویریں ایسی بھی نظر آتی ہیں جن کا موضوع مذہب کے بجائے خاص دنیاوی ہے اور ان میں ذہلی

زندگی کو ایسی جامعیت اور خوبصورتی سے مصور کیا گیا ہے کہ جنت کا تصور پارۂ سنگ پر منتقل نظر آتا ہے، ان تصاویر کے مصور صرف بودھ بھکشو نہیں معلوم ہوتے بلکہ ان میں زندگی اور سماج کے خوشنما پہلوؤں کا کامیاب اجتماع بھی دکھائی دیتا ہے اور زندگی حرکت کرتی نظر آتی ہے۔ ایلورا اور دوسری مختلف گپھاؤں کی مصوری کے مقابلے میں اجنتا کی مصوری کی خوبی کا سب سے بڑا راز ان کی خطوط کشی ہے، خطوط کا جتنا دلفریب اور نظر نواز استعمال اجنتا کی تصویروں میں پایا جاتا ہے اس کی مثال کسی دوسری جگہ نہیں ملتی۔ انسان کی مجموعی صورت کی تشریح بھی آسان خطوط کے ذریعے نہایت کامیابی سے کی گئی ہے۔ حتیٰ کہ انگلیوں کے خطوطی اشارے بھی بولتے نظر آتے ہیں۔ تصاویر کی گولائی، موٹائی، ابھار، گہرائی، روشنی و تاریکی اور نظری تناسب کو خطوط ہی کے ذریعے نمایاں کیا گیا ہے۔ اعضاء کی لچک، چشم و ابرو کے اشارے اور ہاتھوں کی ادائیں خطوط کی صورت میں کچھ اس طرح دکھائی گئی ہیں کہ جذباتِ انسانی کا مکمل خاکہ نظروں کے سامنے آجاتا ہے۔ خود مصوروں کے جذباتی نقطۂ نگاہ کی عکاسی یہاں کچھ اس انداز سے نظر آتی ہے کہ نظریں اس کے نظارے میں کھو سی جاتی ہیں۔ لیکن اظہارِ جذبات میں گم ہو کر حسنِ صورت کو نظر انداز نہیں کیا گیا ہے۔ رانیوں کے ساتھ کنیزوں اور خواصوں کی تصاویر میں بھی حسنِ صورت کی نمائش بدرجۂ اتم موجود ہے۔

کنول کے پھول کو اجنتا کی نقاشی میں ہر موقع پر کام میں لایا گیا ہے بلکہ اس کو وہ اعزاز بخشا گیا کہ مہاتما بودھ کے تصویری ہاتھ کی زینت بنا۔ اجنتا کے علاوہ کنول کے پھول سے اتنی شانِ امتیازی کہیں اور جگہ پیدا نہیں کی گئی۔ اس کی نرم و نازک پنکھڑیوں سے لے کر ڈنٹھل تک کی نقاشی میں وہ حسن ہے کہ اصلی پھول کا دھوکا ہونے لگتا ہے۔ ہاتھی کی تصویر کشی اس دور کی نقاشی کا ایک محبوب موضوع رہا ہے۔ بھکشو مصوروں کو تو یہ اس لیے عزیز تھا کہ چھدنت اور دیگر جاتک کے مطابق بھگوان بودھ ایک جنم میں ہاتھی رہ چکے تھے اور سدھارتھ کی ماں نے ہاتھی کو اپنی گود میں آتے دیکھا تھا۔ اجنتا کے غاروں میں چھدنت جاتک کی حسین تصاویر کا ایک سلسلہ موجود ہے اور اسی کے ساتھ ہاتھیوں کی تصاویر کا ایک سلسلہ بھی پایا جاتا ہے جس میں گج جاتک کی افسانوی نقاشی نہایت تزک و احتشام کے ساتھ کی گئی ہے۔ اس گج جاتک کے سلسلے میں گج راج کی ملاقات کا نظارہ انتہائی موثر اور دلکش ہے اس تمام منظر کشی سے درد، محبت اور مامتا کا مکمل اظہار ہوتا ہے۔

دلکشی کے اعتبار سے اجنتا کی نقاشی میں جو چیز سب سے اہم ہے، وہ آرٹ کی نمائش ہے۔ تخیل کی گراں مائگی اور حسنِ فکر کی عظمت نے غاروں کی نقاشی کو انتہائی گراں قدر بنا دیا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ عورت کی عظمت کو اس سلسلۂ تصاویر میں ہر جگہ نمایاں کیا گیا ہے۔ جس سے اس دور میں عورت کے بلند مرتبے کی مکمل نشاندہی ہوتی ہے۔

اعضائے نسوانی کی مصوری میں نسوانی نزاکت کے اظہار نے تصویری حسن میں چار چاند لگا دیئے ہیں۔ اظہارِ نزاکت کے ساتھ نسوانی شرم و حیا کی ترجمانی بھی پورے طور پر موجود ہے۔ زانوؤں کی نقاشی میں مشرقی شاعری کا مکمل تخیل اثر انداز معلوم ہوتا ہے۔

اجنتا کی مصوری کے انداز خالص ہندوستانی تخیل کے سرمایہ دار اور ملکی تہذیب کے آئینہ دار ہیں۔ ہاتھوں کی اداکاری جس نیچرل انداز میں کی گئی ہے وہ حقیقت میں انہی مصوروں کا حصہ ہے چمپا کی نرم کلیوں کی طرح ہاتھوں کی انگلیاں سب کچھ اشارے کرتی معلوم ہوتی ہیں۔ انگلیوں کے حرکاتی انداز ستار پر چلتی انگلیوں کی طرح نظر آتے ہیں۔ جاتکوں کی مصور کتھاؤں کے بیان میں ہاتھوں کی انگلیوں کا زبردست حصہ ہے۔ مختلف کیفیات و جذبات کی ترجمانی میں انگلیوں کے حرکاتی اشاروں سے بہت کچھ کام لیا گیا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ نطق و گویائی پیدا کرنے کی طاقت اگر مصوروں اور نقاشوں کے قبضۂ قدرت میں ہوتی تو وہ اس سے زائد اپنی اشاری صناعی میں کامیاب نہیں ہو سکتے تھے۔ پنکھا جھلتی، باجہ بجاتی اور گل بدست انگلیوں کی حرکات سے جن جذبات کی نقاشی کی گئی ہے اس سے سارا منظر نطق نما نظر آتا ہے۔ بعض ناقدین نے اجنتا کی مصوری کو یونان اور بعض ایشیائی ممالک کے ثقافتی امتزاج کا

عکس بتایا ہے اور دلیل یہ دی ہے کہ آرٹ کی تخلیق مختلف مذہب ہائے فکر اور مختلف ثقافتوں کے باہمی امتزاج سے ہوتی ہے اور چونکہ آرٹ ذات، نسل، مذہب اور رنگ کی مصنوعی حد بندیوں سے ماورٰی ہوتا ہے اس لیے کوئی تعجب کی بات نہیں کہ ہندی مصوری کے یہ نادر نمونے مختلف ثقافتوں کے باہمی امتزاج کے مرہون منت ہوں۔ لیکن ہندی نقاشی کی بنیاد جن تخیلات و تصورات پر قائم ہے، ان سے اس کی انفرادیت صاف ظاہر ہوتی ہے اور کسی نے اجنتہ کی ساری نقاشی کو ایران اور سعودی عرب کی سرحد پر واقع قدیم ترین تاریخی شہر پترا کی قدیم نقاشی کا عکس ظاہر کیا ہے[1] لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں کی نقاشی میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ اجنتا کی نقاشی مذہبی تخیلات کی ترجمانی اور مذہبی تصورات کی آئینہ دار ہے جبکہ نبطیوں نے پترا کے محلات کو پہاڑوں کے اندر تراش خراش کر کے بنایا تھا۔ ہاں ایلورا کے فن سنگ تراشی سے اس کو یک گونہ مناسبت ہے۔ اس اعتبار سے نبطیوں کی فن کاری کو اجنتا کی مصورانہ مہارت سے دور کی نسبت بھی نہیں۔

ڈزائن سازی میں اجنتا کے باکمال مصور و نقاش روئے زمین پر اپنا جواب نہیں رکھتے۔ ڈزائن سازوں نے دیوتاؤں اور انسانوں سے لے کر چرند، پرند اور پھولوں تک کو اقلیدسی خطوط سے کچھ اس طرح منقش کیا ہے کہ

کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا ایں جاست

اسی دور کے لگ بھگ گوالیار، کاٹھیاواڑ، جوناگڈھ، راجپوتانہ، جھالاوار، باگھ اور مالک متوسط کی گپھاؤں میں ہندی ڈزائن سازی کے کچھ اعلیٰ نمونے ملتے ہیں۔ لیکن ان سب میں اجنتائی انداز صاف نظر آتا ہے۔ خصوصاً باگھ کی نقاشی کا طرز ساخت تمام و کمال اجنتا کا چربہ معلوم ہوتا ہے۔

طرز جدید: بدھ مت کے اختتام پر ہند میں اتحادِ خیال کا فقدان ہو گیا تھا۔ سیاسی رقابتوں نے ابھر کر ملک میں نراجی حالات پیدا کر دیے تھے۔ اس دور میں ترقی کی مشین میں بریک ہی نہیں لگا بلکہ ہمہ گیر پیش رفت پستی میں چلی گئی لیکن کچھ ہی عرصہ بعد ہی تخیلات کی نشاۃ ثانیہ شروع ہو گئی یعنی ہندو دھرم کے مذہبی تخیلات مندروں اور مورتیوں کے روپ میں عوام کے سامنے آنے لگے۔

اور ہندی نقاشی بھی نئے انداز فکر سے ابھرنے لگی۔ ساتویں صدی عیسوی کی ابتدا سے دسویں صدی کے آخر تک فن نقاشی نے اپنی کھوئی ہوئی شہرت مورتی سازی کی صورت میں پھر سے حاصل کر لی۔ اسی دور میں فن تصویر سے متعلق لٹریچر کی بھی کافی اشاعت ہوئی جس میں فن نقاشی پر سیر حاصل بحثیں کی گئیں۔ چتر سوتر اور رام چرت جیسی فنی کتابیں تصنیف ہوئیں۔ چتر سوتر میں تصویر کشی کی رنگ آمیزی، اور اعضائی تشریحات کا مفصل بیان موجود ہے۔ چونکہ ہندی مصوری کا رقص اور اداکاری کے اظہار سے گہرا تعلق رہا ہے اس لیے اس تصنیف میں مصور کے لیے رقص و اداکاری سے فنی واقفیت کو لازمی قرار دیا گیا ہے اور تصویری تشریحات کے علاوہ خود رام چندر جی کے ایام طفلی سے لے کر سیتا جی کی آزمائش تک کی مفصل داستان خطوطی اشاروں میں پیش کی گئی ہے۔ دسویں صدی عیسوی کے بعد کی جو تصویریں مختلف مقامات پر دستیاب ہوتی ہیں ان کو کتابی تصویر کشی کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ اس کتابی تصویر کشی کا سلسلہ زیادہ تر تاڑ کے صاف ستھرے اور مضبوط قسم کے پتوں پر قائم رہا۔ لیکن غاروں کی تصاویر کے مقابلے میں صفائی کم اور بھدا پن زیادہ ہے اور فن کاری کی نمائش میں پھیکا پن پایا جاتا ہے۔ قدرتی مناظر کی مصوری میں سجاوٹ کا اہتمام اور رنگوں میں لال پیلے رنگوں کا استعمال زیادہ ہے۔

موضوع اور تکنیک کے لحاظ سے تخیل کی جدت طرازیوں کا بھی فقدان ہے۔ کاغذی تصاویر میں جونپوری کلپ سوتر کی تصویریں اپنا مخصوص رنگ رکھتی ہیں۔ اور ان میں فکری گہرائی کا بھی خاص خیال رکھا گیا ہے۔ اس طرز خاص کی ترقی چودھویں صدی عیسوی کے اختتام سے شروع ہوتی ہے اور سچ تو یہ ہے کہ کاغذی مصوری کے ارتقا کا یہی اصل دور ہے۔ اس سلسلے میں ہندی اور

[1] پترا کا مقام حضرت عیسیٰ سے تقریباً ڈھائی سو سال قبل نبطیوں کا دارالحکومت تھا۔

ایرانی تہذیب کے امتزاج سے ایک نئے طرز کی بنیاد پڑی لیکن مذہبی تعاون اس کو بھی حاصل رہا۔ قدیم دور کی نقاشی کا بڑا مقصد بانیانِ مذہب کی زندگیوں کے مختلف حالات پیش کرنا تھا لیکن اس دور میں مذہبی خیالات کی فلسفیانہ تشریحات کے سلسلے میں بھگتی کی تحریک کا احیا ہوا، اور دوسری طرف اسلامی تصوّف کے بڑھتے ہوئے اثرات نے عوام و خواص دونوں کو ایک نئی طرزِ فکر سے ہم آہنگ کر دیا۔ اس تحریک سے جہاں ویدانتی فلسفے کو ترقی ہوئی، وہاں مصوری کا فنِ لطیف بھی نئے فکری ماحول کو اپنی آغوش میں لیتا ہوا آگے بڑھا۔ کرشن جی اور دوسرے مذہبی رہنماؤں کی تصاویر کی مانگ اور طلب بڑھ گئی۔ بھگتی یا متصوفانہ طرزِ زندگی کو مصور کرنے کا ایک عام جذبہ پیدا ہوگیا۔ حتیٰ کہ خواص کے لیے بھی متصوفانہ تصورات کو مصور کرنے کی ضرورت محسوس کی جانے لگی۔ اس سے پہلے کے شوخ رنگی تصاویری سلسلے کو مرصع نقاشی کا سلسلہ بھی کہا جاتا ہے۔ لیکن جدید طرزِ فکر راجستھانی مصوری کے نام سے موسوم و مشہور ہوا۔ مرصع نقاشی اور بھگتی دور کے تصویری خاکوں میں زمین آسمان کا فرق پایا جاتا ہے۔ بھگتی دور کی نقاشی میں شوخ و شنگ رنگوں کے بجائے ہلکے رنگوں کا استعمال زیادہ نظر آتا ہے اور گہرے فلسفیانہ تخیل کی ترجمانی بھی موجود ہے۔

راجستھانی مصوّری : راجستھانی اسکول کے زمانہ کا تعین ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے۔ بعض کے نزدیک یہ مغل طرز سے قدیم ہے اور بعض کی رائے میں یہ مغل طرز کے شانہ بہ شانہ چلتا رہا لیکن تفصیل طلب حقیقت یہ ہے کہ مغل طرز ایک عرصے تک ایرانی طرزِ نقاشی کے زیرِ اثر رہا اور اکبر کے گنگا جمنی دور میں ہندی روح ایرانی مصوری کے قلب میں داخل ہونے لگی۔ سرو اور چنار کے درختوں کے ساتھ برگد اور پیپل وغیرہ کے خالص ہندی درختوں کی منظر کشی بھی آگے بڑھی لیکن ابھی تک یہاں کی عوامی زندگی کی تصویریں اس میں پورے طور پر اجاگر نہ ہو سکی تھیں۔ اس کمی کو جس طرزِ خاص نے مکمل کیا اس کا نام راجستھانی مصوری نے ہندو دھرم کی نشاۃ ثانیہ میں انجام دیا۔ راجستھانی مصوّری کا حلقۂ اثر چونکہ بہت وسیع ہے، اس لیے اس کو راجپوتی اور سے پوری نقاشی بھی کہتے ہیں۔ نام خواہ کچھ ہو راجستھانی طرزِ نقاشی کی تاریخ چودھویں صدی سے اٹھارویں صدی تک پھیلی ہوئی ہے۔ اگر ڈاکٹر کمار سوامی کی رائے کو صحیح تسلیم کر کے پہاڑی طرز کو بھی اس میں شامل کر لیا جائے تو انیسویں صدی کے وسط تک اس کا سلسلہ پہنچتا ہے۔

راجستھانی مصوّری کا موضوع : راجستھانی مصوّری چونکہ ایرانی اور ہندوستانی تہذیبوں کا سنگم ہے اس لیے اس طرز نقاشی میں ایک خاص اندازِ دل کشی پایا جاتا ہے۔ مغل طرز میں درباری ٹھاٹ باٹ کی کثرت ہے اور خانگی زندگی کی عکاسی کم ہے لیکن راجستھانی طرز نقاشی میں خاص ہندی تہذیب کے نمونے اجاگر ہیں، بات یہ تھی کہ خود مصور عوامی سوسائٹی کا ایک فرد اور ایک ہی سماج اور معاشرے کا پروردہ تھا۔ عوام کی خوبو، اور عادات و خصائل سے اپنے مزاج کی طرح واقف تھا۔ ہر چیز اس کی نگاہوں کے سامنے تھی، شاداب اور لہلہاتے کھیت اپنی آنکھوں سے دیکھتا تھا۔ پیشہ وروں کے روز و شب کے مشاغل اس کی نظروں کے سامنے تھے۔ حتیٰ کہ عوام کے دل کی دھڑکنوں سے بھی وہ اپنے دل کی دھڑکن کی طرح واقف تھا۔ عوامی زندگی کے مسائل خود اس کی زندگی کے مسائل تھے اور اسی کے ساتھ قدرت نے وسیع قوتِ مشاہدہ بھی اس کو بخشی تھی۔ وہ صبح سے شام تک جو کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھتا تھا، اس کو تصویری خاکوں میں بھر دیتا تھا۔ دیہاتی اور شہری پیشہ وروں کے مشاغل زندگی کی تصویر کشی، راجستھانی مصوّر کا خاص موضوع ہے وہ ایک ایک بات کا نقشہ اس خوب صورتی سے کھینچتا ہے کہ پوری تفصیل نظروں کے سامنے اس طرح آ جاتی ہے کہ گویا ناظر نقارہ خود عوامی زندگی کے بیچ میں کھڑا ہے۔ سفر و حضر کی تصویر کشی بھی راجستھانی اسکول کا ایک خاص موضوع ہے، راستے کی قیام گاہیں، برگد اور پیپل کے سائے میں مسافروں کا پڑاؤ اور کنوؤں سے پانی بھرنے کا منظر گھوڑوں اور بیلوں وغیرہ پر سامان لادنے اور اتارنے کا نقشہ، زمینوں پر بستر لگانے کا انداز، چلم بھرنے اور پینے کی کیفیت غرض سفر کے تمام مراحل کی عکاسی اس طرز میں پائی

پائی جاتی ہے۔

جانوروں کی تصویر کشی : ہندی مصوری کا ابتدا سے ایک خاص موضوع رہا ہے۔ مغل دور میں بھی اس قسم کی نقاشی کو بہت ترقی ہوئی، جنگلی جانوروں کا شکار، ہاتھیوں، بھینسوں، مرغ، تیتر، بٹیر وغیرہ کی لڑائیوں کے مناظر بڑی خوبی سے مصور کیے گئے ہیں۔ لیکن راجستھانی مصوری میں متعدد جانوروں اور خصوصاً گائے اور بندر وغیرہ کو دیوتاؤں کے روپ میں پیش کیا گیا ہے گائے کو رنج وغم کا ساتھی اور انسانی خصائل حسنہ کا نمونہ بنا کر دکھلایا گیا ہے۔ اس میں رحم وکرم اور ایثار ووفا کے جوہر کو اس طرح نمایاں کیا گیا ہے کہ جانور ہوتے ہوئے بھی اس میں دیوتائی خصوصیات کی مقدس جھلکیاں صاف طور سے نظر آتی ہیں۔ مذہبی تصورات کے تحت جہاں بھی گائے کی تصویر نظر آتی ہے، اس میں انسانی اوصاف حمیدہ کو اس طرح سمویا گیا ہے کہ وہ اوصاف مجسم ومتشکل ہو کر نظاروں کے سامنے بکھر جاتے ہیں۔ اجنتا میں ہاتھیوں اور ان کی سونڈوں کی کامیاب مصوری کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے راجستھانی مصوری میں موقلم کی ہر جنبش سے گائے کی تمام نفسیات کو اجاگر کیا گیا ہے۔

مغل فن مصوری کی خصوصیت : شخصی تصویر کشی حقیقت میں مغل طرز کے ساتھ مخصوص ہے۔ مغل طرز میں شخصیت کا مظاہرہ تصویری پردے پر بڑی خوبی سے کیا گیا ہے اور تصویری ٹکنیک کے لحاظ سے بھی شخصیت کا اظہار اس سے بہتر کسی دور میں نہ ہو سکا۔ شبیہ کے ساتھ اس کا نفسیاتی کردار اجاگر کرنا بھی حقیقت میں انہی ماہر نفسیات مصوروں کا کام تھا سلاطین وقت کی سیرت نگاری مورخین کا کام ہے جس میں شاہی اثرات کی بنا پر بہت کچھ ردوبدل کا امکان ہو سکتا ہے اور صورت کشی میں اس قسم کے اثرات کا کوئی امکان نہیں لیکن تصویر کشی کی حقیقی ٹکنیک سے واقف مصوروں نے سلاطین اور امراء وقت کی صورت کشی کچھ اس انداز سے کی ہے کہ سیرت وکردار نگاروں کا فرض بھی اپنے کمال فن سے ادا کر دیا۔ راجستھانی مصوری بھی چونکہ مغل نقاشی کے ساتھ پھل پھول رہی تھی اس لیے اس نے بھی اس میدان کو خالی نہیں چھوڑا۔ لیکن اس کو مغل طرز جیسی کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔ بلکہ پہاڑی طرز نقاشی بھی مغل طرز کا مقابلہ نہ کر سکی، مغل طرز کی شخصی تصویر کشی میں جان ہے اور یہ دونوں طرز بے جان ہونے کے علاوہ بھدے بھی ہیں اور تصویر میں ٹکنیک سے قطع نظر مذہبی تصورات کا اثر ان میں زیادہ نمایاں ہے۔

راجستھانی اور اجنتا کی مصوری کا فرق :

راجستھانی طرز بظاہر اجنتا کی نقاشی سے مختلف نظر آتا ہے لیکن حقیقت میں دونوں کے انداز فکر میں یکسانیت موجود ہے، دونوں کا مرکزی تصور مذہبی تخیلات اور قومی تصورات کو اجاگر کرنا ہے اگرچہ جسم نیا ہے لیکن روح پرانی ہے۔ نئے شیشوں میں شراب کہنہ کو بھرا گیا ہے۔ دونوں کی نقاشی میں خطوط اور دائروں سے کام لیا گیا ہے۔ یہ ضرور ہے کہ مذہبی معتقدات اور قومی تصورات نے صورت بدل لی ہے۔ بودھ مت کی جگہ وشنو اوتار رام اور کرشن مذہبی تصورات کا مرکز بنے ہیں۔ وشنو کے اوتاروں کے علاوہ شیو دھرم کے معتقدات کا پرچار بھی اس دور میں خوب ہوا، اور اسی لیے شیو اور پاربتی سے متعلق راجستھانی اسکول میں بہت کچھ ملتا ہے۔ بودھ جاتکوں کے بجائے ہندو مذہب اور تہذیب کے بنیادی ستون رامائن اور مہابھارت کی مقدس حکایتوں کو اس میں مصور کیا گیا ہے بلکہ صحیح لفظوں میں راجستھانی مصوری کا خاص موضوع یہی قدیم تصانیف ہیں اور ان ہی کے بیان کردہ دیوی دیوتاؤں اور راجاؤں اور مہاراجوں کے حالات زندگی کو تصویروں میں ظاہر کیا گیا ہے۔ اجنتائی نقاشی میں بودھ کی حیات وممات کے واقعات کو منظر عام پر لایا گیا ہے لیکن راجستھانی طرز میں کرشن جی مہاراج کی زندگی کے ہر واقعے کو مختلف انداز سے مصور کیا گیا ہے۔ اجنتائی مصوری میں جو درجہ ہاتھی کو حاصل ہے، راجستھانی نقاشی میں وہی مرتبہ اور تقدس گائے کو حاصل ہے۔

پہاڑی طرز : ڈاکٹر کمارسوامی نے راجستھانی اور پہاڑی نقاشی کو ایک ہی طرز فکر اور ایک ہی انداز تخیل میں شمار کیا ہے۔ لیکن حقیقت میں پہاڑی اسکول ایک جداگانہ طرز فکر

کا حامل ہے۔ راجستھانی طرزِ فکر کے زوال کے بعد غالباً سترہویں صدی کے شروع میں پہاڑی طرز عالمِ وجود میں آیا اور انیسویں صدی کے آخر تک یہ طرز شمالی ہند کے پہاڑی علاقوں میں پھلتا پھولتا رہا۔ مغل مصوروں کے طرزِ فکر سے پہاڑی اسکول بہت متاثر ہوا۔ مغلوں میں آثارِ زوال ظاہر ہونے پر فن کاروں کی قدر و قیمت میں بھی فرق آگیا۔ ہنر کے قدردانوں کو جب سیاسی گتھیاں سلجھانے سے فرصت نہ ملی تو فن کاروں نے شمال کی پہاڑی ریاستوں کے قدردانوں کے پاس جاکر پناہ لی۔ یہاں کے ریاستی ماحول نے ایک نئے طرزِ فکر کی بنیاد ڈالی لیکن رنگ آمیزی میں مغل طرز کی جھلکیاں صاف طور پر موجود ہیں اور غالباً اسی بنیاد پر یہ پہاڑی اسکول بھی بعض حلقوں میں مغل طرز کہلایا۔ لیکن اس اثر پذیری کے باوجود پہاڑی طرز نے اپنی انفرادی حیثیت بھی برقرار رکھی۔ مغل طرز درباری لوازم سے تمام و کمال آراستہ ہے۔ جب کہ پہاڑی طرز راجستھانی اسکول کی طرح عوامی زندگی کا ترجمان ہے۔ زیادہ حقیقت پسندانہ الفاظ میں یوں کہئے کہ سابق الذکر کا سارا انداز شاہی کروفر کا اظہار ہے اور ثانی الذکر کا طرزِ تخیل روحانیت کا علم بردار ہے۔ پہلے میں اگر امیرانہ خوبو کی نمایش ہے تو دوسرے میں دل کی دھڑکن سنائی دیتی ہے۔ شخصیت کے اظہار سے قطع نظر پہاڑی اسکول کا موضوعِ فکر ہندوستانی معاشرت کو اجاگر کرنا ہے۔

راجستھانی اور پہاڑی اسکول کا فرق: پہاڑی اسکول کی بنا چونکہ راجستھانی اسکول کے زوال کے ساتھ ہی پڑی تھی اس لیے اس کے اثرات سے پہاڑی اسکول محفوظ نہیں رہ سکتا تھا لیکن پھر بھی دونوں میں نمایاں فرق ہے۔ جذبات اور طرزِ نمایش کے لحاظ سے راجستھانی اسکول وقت کی موسیقی کے ساتھ رہا ہے اور اس کا موضوع عام طور سے رسم و رواج کی آہنی پابندیوں سے قطعی آزاد تھا۔ اسی بنا پر اس طرز میں زندگی کا عنصر غالب ہے۔ اس کے برعکس پہاڑی نقاشی میں فطری رخ جلوہ نما ہے۔ اس نقاشی کے مشاہدے سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ کوئی مخصوص عنصر محض تصویر کشی کے لیے اختیار کیا گیا ہے۔ راجستھانی اسکول مرصع نقاشی کی طرف مائل نظر آتا ہے جب کہ پہاڑی طرزِ فکر میں جذبات کی گہرائیاں ہر رنگ میں نظر آتی ہیں۔ اس طرز میں گوپی اسی انداز سے نظر آتی ہے جیسے وہ کرشن مہاراج کی مورتی کے تصور میں کھوئی ہوئی ہی ہے اور دنیا اور اس کے تمام علائق سے قطعی بے نیاز ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ پہاڑی طرز نقاشی میں جذبات کی عکاسی جس بے مثل انداز میں پائی جاتی ہے وہ صرف اسی کا حصہ ہے۔ ان کے جذبات نما خطوط میں زندگی کے آثار بھی جلوہ فگن ہیں۔ پہاڑی مصوری کا موضوع بھی راجستھانی نقاشی کی طرح وسیع ہے اس میں بھی رامائن، مہابھارت اور پرانوں کے قدیم واقعات کی تصویر کشی کے علاوہ تاریخی اور سماجی افسانوں کی مصوری بھی موجود ہے سماج کی مصوری میں کسان کی روزمرہ کی زندگی کو کچھ اس موثر انداز سے پیش کیا گیا ہے کہ اس کے مشاہدے سے ہمدردی کے جذبات مشاہد کے دل میں پیدا ہو جاتے ہیں۔

بقیہ: زمین کس طرح فنا ہوگی صفحہ ۱۶ سے آگے ...

... ثابت قدمی کا مظاہرہ کرتا رہا تو ایک دن آئے گا جب وہ اس قابل نہیں رہ جائے گا کہ زمین کو اتنی گرمی دے سکے کہ یہاں پر حیات کا وجود قائم رہ سکے۔ یہ بھی فنا ہونے کی ایک صورت ہوگی۔

ان تمام طبعی امکانات سے ہٹ کر اس کا بھی قوی امکان ہے کہ انسان خود ہی آپس میں لڑ مرے اور کرۂ زمین کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے سنسان چھوڑ جائے اگر ایسا ہو تو اسے آپ زمین کا فنا ہونا نہیں کہیں گے۔ ••

مرزا جعفر حسین

بیدل دہلوی

پنڈت کیلاس ناتھ کول بیدل مرحوم سے ملاقات کی عزت مجھے کبھی نصیب نہیں ہوی۔ لیکن پھر بھی میرے اور ان کے درمیان کئی خصوصیات مشترک تھیں۔ اول تو وہ ہم پیشہ تھے۔ وہ مظفر نگر میں وکیل تھے اور میں لکھنؤ میں وکالت کرتا تھا۔ دوسرے یہ کہ میرے بعض مخلص ترین دوست جانسٹھ ضلع مظفر نگر کے رہنے والے تھے۔ اس طرح مجھے بھی مظفر نگر سے قلبی لگاؤ تھا۔ لیکن جو تیسری نسبت مجھے ان سے حاصل ہوی وہ ان کے کلام کے ساتھ میری گرویدگی ہے۔ حقیقت امر تو یہ ہے کہ میں نے ان کو انھیں کے کلام میں دیکھا اور اسی وسیلے سے جانا اور پہچانا۔ ان کے کلام کا مطالعہ ان کی شخصیت کے تمام جوہر ہماری بصیرت کے آگے روشن کر دیتا ہے۔ "تصوراتِ بیدل" کے نام سے ان کے کلام کا انتخاب ہمارے پاس ہے اور یہی انتخاب ان کی شاعری کی چالیس سالہ زندگی کا مرقع ہمارے سامنے پیش کر دیتا ہے۔ رنگِ قدیم میں جدیدیت کی جھلک اور جدیدیت میں قدیم کا حسن ان کی شاعری کا طرۂ امتیاز ہے۔ ان دونوں کا حسین امتزاج ان کے اشعار میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ ان کو خود بھی اس کا احساس تھا فرماتے ہیں ؎

ہو رنگِ قدیم میں بھی جدّت کی جھلک
یعنی پیری میں بھی جوانی دیکھیں

یہ شعر ایک رباعی کے تیسرے اور چوتھے مصرعے پر مشتمل ہے۔ یہ رباعی غالباً آخر عمر میں کہی تھی جب رنگِ سخن پوری طرح مستحکم ہو چکا تھا لیکن اس کے باوجود ان کے دل میں جدیدیت کی طرف اور زیادہ راغب ہونے کی تمنّا تھی۔ یعنی یہ کہ ان کے ذہن و فکر میں لکیر کا فقیر بنے رہنے کا کوئی جذبہ نہیں تھا۔ وہ قدیم سے ہمہ گیری، بلندیٔ تخئیل، حسنِ ادا اور جدیدیت سے رعنائیٔ فکر اور برنائیٔ بیان اخذ کرنے کے قائل تھے۔ اس مقام پر صرف ایک قطعہ مثالاً پیش کر دینا کافی ہوگا۔

اہلِ گوکل کا کبھی نغموں سے دل شاد کیا
اور کبھی طور پہ موسیٰ سے کچھ ارشاد کیا
تم اسی رنگ میں پھر اس کو نظر آتے ہو
جس نے جس رنگِ عقیدت سے تمہیں یاد کیا

انھیں قوافی اور ردیف میں ان کی ایک غزل بھی "تصوراتِ بیدل" میں موجود ہے۔ یادش بخیر اسی زمانے میں اور اسی طرح میں ہمارے شہر لکھنؤ میں بھی جب ایک گراں قدر مشاعرہ پنڈت برج نرائن چکبست نے پنڈت جگت نرائن ملاّ کے دولتکدے واقع محلہ گولہ گنج میں منعقد کیا تھا جس میں تمام مشاہیر فن نے شرکت کی تھی اور پوری طاقت کے ساتھ ہر ایک نے طبع آزمائی کرکے اپنی اپنی غزلیں پڑھی تھیں۔ راقم الحروف کو بھی اس مشاعرے میں شرکت کرنے اور اپنی غزل پڑھنے کا شرف حاصل ہوا تھا۔ اس میں جوش ملیح آبادی کی غزل نے مشاعرہ لوٹ لیا تھا جس کا مطلع یہ تھا ؎

سوزِ غم دے کے مجھے اس نے یہ ارشاد کیا
جا تجھے کشمکشِ زیست سے آزاد کیا

بیدلؔ دہلوی کی غزل دیکھ کر وہ مشاعرہ بے ساختہ یاد آگیا اور دل تڑپ اٹھا کہ کاش وہ بھی اس مشاعرے میں موجود ہوتے اور ہم ان کی غزل خود انھیں کی زبانی سنتے۔ بہرحال اس مقام پر ان کا مطلع اور دو اشعار درج ہیں۔

محوِ حیرت کدۂ عالم ایجاد کیا
مجھ کو بے پردگیٔ حسن نے برباد کیا

میرا ممنون ہو اے خانۂ زنجیرِ جنوں
خود کو برباد کیا اور تجھے آباد کیا

بن گئے دشتِ دجیل باغِ وطن کی تصویر
جب مسافر نے کبھی راہ میں گھر یاد کیا

"بے پردگیٔ حسن" اور "خانۂ زنجیرِ جنوں" کی ترکیبیں ہی لطف آفریں نہیں ہیں، ان کی معنویت اور گہرائی بھی اپنا جواب نہیں رکھتیں۔ تیسرے شعر میں دشتِ دجیل کی بادیہ پیمائی کے دوران گھر کا یاد آجانا فطری جذبات کا حامل ہے لیکن طرزِ ادا اور اندازِ بیان ایک دُکھی مسافر کی داستانِ غربت کا ایک درد انگیز مرثیہ ہے جو دلوں کو متاثر کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ دشتِ دجیل میں صحرا نوردی کے وقت وطن کی یاد گھر کی تباہی کو بھی باغ و بہار بنا کر پیش کرتی ہے۔ اس منظر کا تصور ہی کتنا دردناک ہے۔

یہ سچ ہے کہ دورِ حاضر کے تقاضے اُن قدروں سے بہت مختلف ہیں جو نصف صدی قبل رائج تھیں تاہم انسان اپنے خیالات و رجحانات میں اب بھی وہی ہے جو پہلے تھا۔ زمانہ جتنی کروٹیں چاہے بدل ڈالے لیکن انسانیت، شرافت، نیکی اور تقدس اب بھی پوری طرح عظمت و احترام کے مستحق ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان جوہروں کی جہاں بھی جھلک دکھائی دیتی ہے، ہم متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے اور اگر خیالات میں بلندی، گہرائی اور ہمہ گیری ہو اور ساتھ ہی ساتھ طرزِ ادا میں توانائی بھی ہو تو ایسے شاعر کو ہم فنی حیثیت سے صفِ اول میں جگہ دینے کے لیے مجبور ہیں۔ بیدلؔ کا کلام ان تمام خوبیوں سے بھرا پڑا ہے۔ اس کا مطالعہ ہر سنجیدہ قاری کی روح کو تڑپائے بغیر نہیں رہ سکتا بالخصوص ان مقامات پر جہاں انھوں نے زندگی اور زندگی کی قدروں کا جائزہ لیا ہے، یا جہاں انھوں نے انسان کی بلند خصلتوں کو اپنی چشمِ بصیرت سے پرکھ کر پیش کیا ہے۔ ایک مختصر مضمون میں اشعار کی بہتات کے ساتھ مثالیں پیش کرنا کچھ اچھا نہیں معلوم ہوتا اس لیے صرف چند اشعار درج ذیل ہیں:

شکستہ بادباں، طوفاں بپا، گرداب میں کشتی
نہ دھوکے دے مجھے تو اے تمنا قربِ ساحل کے

عشق کیا ہے، وہ بادۂ صافی
حسن جس کا سرور ہوتا ہے

برقِ یقیں جو چمکی تو اے ذوقِ بے خودی
ہم نے قبائے ہوش و خرد تار تار کی

حسن پروانے میں ہے شمع شبستاں میں نہیں
عشق کی آنکھ میں ہے جلوۂ عریاں میں نہیں

مجھ کو سکوں نہ مل سکا غم کدۂ حیات میں
اور یہ جانتے ہوئے اس کی کوئی کمی نہیں

گلشنِ دہر میں وہ طائرِ پر بستہ ہوں
قید خانے میں نہیں، قید سے آزاد نہیں

فنا آمادہ ہر نقش و نگارِ بزمِ امکاں تھا
تعجب ہے رہا دنیا پہ ہستی کا گماں پھر بھی

ان اشعار میں فکر و خیال کی بہترین مثالیں ہیں۔ کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ چشمِ حقیقت بیں نے جو کچھ دیکھا اس کو بہترین اسلوبِ سخن کے ساتھ پیش کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی حساس قاری ان اشعار سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ حسن و عشق کی وارداتیں سادہ سادہ بیان کر دینا یا زندگی کی تلخیوں کو صاف صاف پیش کر دینا سہل ہے لیکن حسن و عشق کو ان کے اصل رنگ روپ میں مناسب اور موثر الفاظ کا جامہ پہنانا یا حیاتِ ناپائیدار کی تلخیوں میں لذت کی چاشنی پیدا کرنا دشوار کام ہے۔ انھیں وادیوں سے جو فنکار کامیابی کے ساتھ گزر جائے اسی کو ہم حقیقی اور دقیقہ سنج شاعر کہیں گے۔ بیدلؔ کے یہاں

قنوطیت کے مواقع پر بھی زندہ رہنے اور زندگی کو خوشگوار بنانے کی خواہش ہے۔ وہ قید سے آزاد نہ ہونے کو بھی یہی سمجھتے ہیں کہ "قید خانے میں نہیں" ہیں اور یہ جانتے ہیں کہ "بادبانِ شکستہ" "طوفاں بپا" اور "گرداب میں کشتی" ہونے کے بعد بھی "تمنا" ان کو قربِ ساحل کے دھوکے نہیں دے سکتی۔ وہ جذبات کا احترام کرتے ہوئے بھی تفکر و تعقل کی منزل میں سکون حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

بیدل کی غزلیات کا سرسری مطالعہ بھی واضح کر دیتا ہے کہ ان کے کلام میں بے ثباتی دنیا کے پُر کیف تذکرے، حسن و عشق کی بلند پایہ داستانیں، زندگی اور ماجرائے زندگی کی حلاوتیں اور تلخیاں، غم کے نوحے، اور شادی کے نغمے ہیں — لیکن یہ سب کچھ اتنے حسن اعتدال کے ساتھ پیش کیے گئے ہیں کہ ہمارے خوابیدہ احساسات متحرک ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود ایک ٹھہری ہوئی طبیعت کے حامل اور فطرتاً اعتدال پسند تھے اور یہ خصوصیت ان کے کردار سے کبھی جدا نہیں ہو سکی۔ انگریزی تعلیم سے پوری طرح اثر قبول کیا لیکن اس طرح نہیں کہ اسلاف سے گنجینۂ معنی کا جو طلسم ان کو ورثے میں ملا تھا، اسے کم حقیقت سمجھ کر خیرباد کہہ دیتے۔ جدیدیت سے بھی بہ قدر ذوق لطف اندوز ہوئے اور مذاقِ سلیم کا دامن بھی ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ خیالات و مطالب کی فراوانی میں بھی الفاظ کے انتخاب اور اضافتوں کے استعمال پر کڑی نظر رکھتے تھے خرد کی رہنمونی ہو یا جنوں کی کارفرمائی، ہر مقام پر تناسب اور متوازن اندازِ بیان ملحوظ رہتا تھا اور یہی شاعری کا طرۂ امتیاز ہے۔ یہ مقصد پیش نظر نہ ہو تو ایک ادیب نظم گو ہو سکتا ہے لیکن اچھا شاعر کہلانے کا حق دار نہ ہوگا۔ بیدل کو اس فن میں اتنا کمال حاصل تھا کہ کبھی کبھی وہ حقیقت منتظر اور صداقت جمال کے پروانہ وار متعرب نظر آتے ہیں۔ اور جو کچھ ان کے دل پر گزرتی ہے اسی کیفیت کو اس صفائی اور بے ساختگی اور برجستگی سے کہہ جاتے ہیں کہ سننے والا مسحور ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اس قبیل کے اشعار ان کے کلام میں فراوانی کے ساتھ ملتے ہیں۔ مثالاً چند درج ذیل ہیں جو فنِ شعر کے ہر جوہری کو مالا مال کر دیں گے۔

ارمان اور حسرت دل میں کہاں ٹھہرتے
ویرانیوں سے ایسا برباد ہو گیا تھا

تیری غفلت شعاریوں کی قسم
بھولتا ہی نہیں عتاب ترا

عشق کی ابتدا دل بیدل
حسن کی ابتدا شباب ترا

محبت کے سمندر کو بنا دے بے کنارے دل
نہ ہو ساحل تو پھر طوفان بھی طوفاں نہیں ہوتا

چلتے رہے ہیں اپنے مقدر کے ساتھ ساتھ
بیگانہ ہو چکے ہیں سزا و جزا سے ہم

دل میں آتا ہے جب ان مست نگاہوں کا خیال
محو ہو جاتا ہے عالم مرے پیمانے میں

دیوانگی کا قصہ دیوانے کی زبانی
کچھ کہہ گیا یہاں سے کچھ کہہ گیا وہاں سے

کہاں سجدے کی ہمت ہر کسی کے آستانے پر
گنہ جب یاد آتے ہیں جھکا لیتا ہوں گردن کو

خبر کچھ قافلے کی ہے نہ کچھ پروا ہے منزل کی
خدا جانے کہاں لے جائیں گی بیتابیاں دل کی

اُردو شاعری نے اپنا رنگ روپ، ناک نقشہ اور سارا نکھار فارسی شاعری سے حاصل کیا ہے۔ بہ کثرت موضوعات، تشبیہیں، استعارے، اضافتیں یہاں تک کہ سلوبِ سخن بھی اردو والوں نے فارسی سے لیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رنگِ تصوف بھی اُردو شاعری میں بہتات کے ساتھ موجود ہے۔ خواجہ میر دردؔ اور میر تقی میرؔ صوفیائے کرام میں سے تھے اس لیے انھوں نے اپنے طرزِ فکر و بیان نے اس رنگ کو اور چوکھا کر دیا۔ دوسرے شعرا کے یہاں بھی تصوف کے شاہکار موجود ہیں لیکن کہنا پڑتا ہے کہ ان میں روایت زیادہ ہے اور انفرادیت کم ہے۔ یہ انفرادیت آخری دور کے شعرا میں بیدل کے یہاں ملتی ہے جس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ وہ ذاتی

فلسفے سے بھی بخوبی آگاہ تھے اور اس سے متاثر بھی تھے۔ ایرانی رنگ تصوف کے ساتھ ویدانتی طرزِ فکر کی آمیزش بیدلؔ کی شاعری میں سونے پر سہاگے کا کام کرتی ہے۔ ان کے یہاں تخلیق عالم، تخلیق آدم، غایت خلقت انسان، دنیا میں آدمی کی حیثیت، حسن حقیقی کی جلوہ فروزی، بصیرت کی کارفرمائی، عبد و معبود میں واسطہ، ان تمام حالات و معاملات کی وضاحت اور ترجمانی اسی انداز میں ہے جو حقیقی صوفی شعرا کا طرۂ امتیاز رہا ہے۔ انھوں نے بھی قید تعینات کے طلسم کدے میں حسن حقیقی کا مشاہدہ کرنے کی تلاش کی ہے، اس ناپائیدار ہستی کو کیمیائے ایزدی قرار دیتے ہوئے اپنے قطرۂ وجود کو بحر ناپیدا کنار سے ہم کنار ہونے کی تمنا کی ہے۔ اپنی اس تلاش، تجسس اور تمنا میں انھوں نے تصوف کے مدارج طے کیے ہیں، دیدۂ بصیرت سے مشاہدہ کی کوشش کی ہے اور اپنے دل کی اس تڑپ کو جو صوفیائے کرام کی شان ہے بڑی حد تک آسودگی فراہم کرنے کی کوشش کی ہے۔ کہنا پڑتا ہے کہ بیدلؔ نے تصوف کے مدارج کامیابی کے ساتھ طے کیے تھے ورنہ ان کے دل میں وہ گداز اور زبان میں وہ بے ساختگی نہ ہوتی جو ان کے اشعار میں نمایاں ہے۔ ان کا یہ طرز بیان رسمی ہوتا تو ان کے الفاظ میں وہ چبھن نہ ہوتی جس کو قاری اچھی طرح محسوس کر سکتا ہے۔ چند اشعار مثالاً درج ذیل ہیں:

نغمہ سنج کن نے چھیڑا راگ خلق دہر کا
اُنس آیا وجد میں اور شکل انساں ہو گیا

پہلے سب بے کیف تھا گو تھی فضا معمورِ حسن
عشق جب پیدا ہوا تزئینِ محفل ہو گئی

تنگ تھی وحشی کو تیرے وسعت وہم و خیال
گو ابھی وہ معرفت کی اولیں منزل میں تھا

حسنِ شیریں تو ہر اک سنگ میں ہے جلوہ فروز
چاہ سے دیکھنے والا کوئی فرہاد نہیں

موت سمجھے اُسے افسوس یہ دنیا والے
روح کو قید علائق سے جو آزاد کیا

زندگی کو قید سمجھا، موت کو سمجھا حیات

تیرے دیوانے کو اب مرنا بھی مشکل ہو گیا

مجھ سے چھپنا چھپنے والے کا خیال خام تھا
میری بینائی کی وسعت کا تصور نام تھا

ہوتا جاتا ہے اور دل سے قریب
جتنا آنکھوں سے دور ہوتا ہے

یہ اشعار صرف مشتے نمونہ از خروارے ہیں۔ بیدل کے مطبوعہ انتخاب میں بہ کثرت ایسے اشعار موجود ہیں جن میں وحدت واجب الوجود الوہیت، عبدیت اور تصوف سے متعلق مراحل کے انتہائی لطیف مضامین نظم کیے گئے ہیں جو ان کو عرفان کے اعلا مدارج تک پہنچا دیتے ہیں۔

بیدلؔ اس دارِ فانی میں زندگی بسر کرنے کے لیے محبت کا پیغام لے کر آئے تھے۔ یہ پیغام ان کے روحانی مشن اور مادی طرز زندگی دونوں کے لیے افضلیت کا درجہ رکھتا ہے۔ تصوف کے منازل میں یہی محبت عبد اور معبود کے مابین رابطہ ہے اور اس مادی دنیا میں بنی نوع انسان کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنے کا وسیلہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر رفارمر، ہر ہادی، ہر رہنما اور ہر مفکر رشی نے محبت کا درس دیا ہے۔ انسان پھر بھی اتنا گمراہ ہے کہ وہ "محبت" کو اب تک اپنا نہیں سکا۔ اگر ہم ایک دوسرے سے بلا تفریق مذہب و ملت اور بلا امتیاز رنگ و نسل محبت کرنے لگیں تو دنیا سے ہر قسم کے گناہ کا بڑی حد تک خاتمہ ہو سکتا ہے اور ہماری زندگی امن و آسودگی سے ہم کنار ہو سکتی ہے۔ اسی لیے ضرورت ہے کہ ہر دور اور ہر زمانے میں کچھ ایسے مصلح پیدا ہوتے رہیں جو خدا کے بندوں کو شد و مد کے ساتھ محبت کا درس دیتے رہیں۔ چنانچہ ایسا برابر ہوتا رہا ہے۔ بظاہر یہ پیش پا افتادہ سبق ہر ادیب اور ہر شاعر دہراتا رہا ہے البتہ طرز بیان میں فرق ہوتا رہا ہے اور یہ فرق اب بھی پایا جاتا ہے۔ کہنا پڑتا ہے کہ جو بات دل سے نکلتی ہے اور خلوص سے کہی جاتی ہے وہ دل میں اتر جاتی ہے۔ بیدلؔ کے ہم عصر دوسرے

ادیبوں اور شاعروں کی منقصت کسی طرح بھی نہیں ہوگی

اگر یہ کہا جائے کہ بیدلؔ کے کلام میں بہت اثر ہے۔ اس اثر کو ہر قاری محسوس کر سکتا ہے بشرطیکہ پہلو میں ایک گداز دل ہو۔ انھوں نے تڑپ کر

مذہب کی ظاہری تصدیق کو مٹانے کی کوشش کی ہے اور وحدت کا سبق دیا ہے۔ وحدت کے تخیل میں الوہیت کے ساتھ ہی نوع انسان کی واحد برادری کا تصور بھی شامل رکھا ہے۔ ملاحظہ ہو:

تھا وہیں کعبہ، وہیں مسجد، وہیں بت خانہ تھا
بندگی کے جوش میں، میں نے جہاں سجدہ کیا

حدوں سے دین کے باہر محبت کا شوالہ ہے
پرستارِ محبت تابعِ زنداں نہیں رہتا

رام اور رحیم کو تو ہم مانتے ہیں واحد
جھگڑا ہے خوب لیکن ناقوس کا اذاں سے

اندھیرے کو چھپا لیتا ہے جیسے نور کا دامن
محبت میں چھپا لیتا ہوں میں تحقیر دشمن کو

دیر ہندو کے لیے کعبہ مسلماں کے لیے
آؤ رندو! ہم چلیں جس جا صلائے عام ہے

انھیں اشعار میں درسِ عرفاں بھی ہے اور درسِ حیات و آدمیت بھی، مشیت کے آگے سربسجود بھی ہیں اور انسان کا بول بالا کر رہے ہیں۔

صوفیائے متقدمین کی مقدس شاہراہوں پر متوازن قدم بڑھاتے ہوئے اگر انھوں نے ناقوس و اذان کے جھگڑوں کو کم حقیقت قرار دیا ہے تو دوسری طرف آبائی ہندو دھرم کا پابند ہوتے ہوئے دوسرے مذاہب کی برگزیدہ شخصیتوں کا احترام بھی کیا ہے۔ انھوں نے کعبہ و بت خانہ میں امتیاز نہیں کیا۔ ناقوس و اذان میں ایک ہی آواز سنی اور وجودِ حقیقی کا جلوہ ہر جگہ یکساں طور پر دیکھا۔ ان کے کلام میں بھجن بھی ہیں، سری کرشن بھگوان کی شان میں ترانہ بھی ہے اور اسی کے ساتھ ساتھ انھوں نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو بھی خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ کربلا میں ایک عظیم قربانی پیش کرنے والے ہیرو سے نہ صرف متاثر تھے بلکہ اس کا بہت احترام کرتے تھے۔ "تصوراتِ بیدل" میں ایک ترجیع بند "یادگارِ حسینؑ" کے عنوان سے موجود ہے۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ واقعۂ کربلا کی جس زمانے میں سیزدہ صد سالہ یادگار منائی گئی تھی، اسی موقع پر یہ نظم بھی کہی گئی تھی۔ کیونکہ پہلا ہی شعر یہ ہے ؎

آج گلشن کی خوشی میں رنج کا عالم بھی ہے
چشمِ نرگس وا تو ہے لیکن ذرا پُر نم بھی ہے

یہ ترجیع بند پانچ بندوں پر مشتمل ہے جو انھوں نے مخمس کرکے لکھے تھے۔ مثالاً دو بند پیش کیے جاتے ہیں۔

آج ہم افسانۂ مہر و وفا کہنے کو ہیں
ایک خونیں واقعے کا ماجرا کہنے کو ہیں
حالِ مسکینی و تسلیم و رضا کہنے کو ہیں
ضبط اور پھر ضبط کی بھی انتہا کہنے کو ہیں
جہدِ آزادی کا اک قصہ نیا کہنے کو ہیں
خود کو کھو کر بے خودی کا مدعا کہنے کو ہیں
پیاس سے مرجاتے ہیں قومی حمیت کے لیے
سر کٹا دیتے ہیں عزت اور عظمت کے لیے

•

آدمیت بھولنا کیا مذہبی فرمان ہے
جسم مذہب ہے تو حُبِّ قوم اسکی جان ہے
دین کی رسمی ہدایت تو بہت آسان ہے
کبر و نخوت کو مٹانا آدمی کی شان ہے
ہند والے ایک ہو جائیں یہی ارمان ہے
حریت بیدل ہمارا دین ہے ایمان ہے
دیکھیے تو غیر کو اپنا بناتے ہیں حسینؑ
کربلا میں پیاس دشمن کی بجھاتے ہیں حسینؑ

•

ایک مختصر نظم میں انسانیت، شرافت، صداقت اور حریت کا درس بھی ہے اور ہند والوں کو متحد و متفق ہونے کی تلقین بھی ہے۔ امام حسینؑ کی قربانی کو سراہ کر ایسا سبق دینا یقیناً مناسب اور برمحل تھا۔ بالخصوص جب ہم یہ بھی یاد کرلیں کہ یہ نظم اس وقت کہی گئی تھی جب ہندوستان شدید ترین کرب میں مبتلا تھا، ہماری جنگِ آزادی اپنے شباب پر تھی اور انگریز انتہائی بے رحمانہ

ظلم و تشدد کے پہاڑ ہم پر توڑ رہے تھے۔ یورپ میں دوسری جنگ کے شعلے بھڑک رہے تھے۔ انسانوں پر بہیمیت کو شرما دینے والے مظالم ہو رہے تھے، اس وقت ہمارا سب سے بڑا فرض یہی تھا کہ ہم ایک جسم و جان ہو کر انگریزوں کا مقابلہ کریں اور اپنے ملک کو غلامی سے نجات دلائیں۔ بیدل نے اس نظم میں روحانی اور مادی دونوں اقدار محفوظ رکھے ہیں۔

مذکورۂ بالا نظم کے علاوہ "تصوراتِ بیدل" میں اور دوسری نظمیں بھی متعدد عنوانات کے تحت موجود ہیں جن میں بعض سیاسی نوعیت کی ہیں۔ لیکن بیدل کی روح اور ان کے کردار کو پرکھنے اور سمجھنے کے لیے ان کی غزلیات ہی کا مطالعہ، غائر مطالعہ اور بار بار مطالعہ نتیجہ خیز ہو سکتا ہے۔ ان کے پیش نظر جو پیغام تھا وہ انھوں نے غزلوں ہی کے ذریعے ہم تک پہنچایا ہے اور اپنے کردار کو واضح کرنے کے لیے خود انھوں نے بھی اسی صنفِ کلام کو وسیلہ بنایا ہے۔ وہ ایک اچھے اور بلند پایہ شاعر ہی نہیں تھے بلکہ اعلا اخلاقی قدروں کے مالک بھی تھے۔ خوش حال اور مالی اعتبار سے فارغ البال ہوتے ہوئے درویش صفت انسان تھے اور قناعت کوشی ان کے نفس کا بے مثال جوہر تھی۔ بسترِ مرگ پر اپنے ہونہار فرزندوں کو یاد کر کے ایک قطعہ کہا اور وہی لکھ کر بھیج دیا تھا۔ یہی دو اشعار ان کی شرافتِ نفس اور قناعت پرستی کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں۔ فرماتے ہیں ؎

آنا ہے تو آؤ پھر کبھو کے نہ پاؤ گے ہمیں
ہم چلے جائیں گے تب دیکھنے آؤ گے ہمیں
فقر و فاقہ سے ہے پُر بیدلِ درویش کا گھر
لے ہی جاؤ گے کچھ دے کے نہ جاؤ گے ہمیں

لیکن جب ان کے مایۂ ناز فرزند جناب پی۔ این۔ کول (آئی۔ اے۔ ایس) وہاں تک پہنچے تو ان کا طائرِ روح قفسِ عنصری سے پرواز کر چکا تھا۔ بیدل کے اٹھ جانے کے بعد اردو کلاسیکل شاعری کی انجمن سونی ہو گئی۔ آخری چراغ گل ہو گیا۔ ●●

"سیاسی آزادی اور سیاسی حقوق صرف اس وقت تک باقی رہ سکتے ہیں جب تک کہ جمہوری نظام برقرار رہے گا۔ نراج اور طوائف الملوکی کی صورت حاصل فرد کی ہر آزادی اور ہر سیاسی حق کی تیزی سے پامالی کا باعث ہو سکتی ہے ——— "اندرا گاندھی"

●

یہاں بھارت میں جمہوریت عجیب و غریب حالات میں پروان چڑھ رہی، لاکھوں لوگ جو انتہائی غریب ہیں اور ایک بہتر زندگی، مواقع کے وسیع تر مساوات اور سماجی انصاف کے متمنّی ہیں۔ اپنی حکومتیں منتخب کر رہے ہیں اور اپنی آرزوؤں کی تکمیل کے لیے سرکار کے کاموں میں حصہ لے رہے ہیں۔ اس لیے یہ ایک توازن قایم کرنے کا سوال ہے اور یہ توازن فرد کے سیاسی حقوق اور عوام الناس کے سماجی اور اقتصادی حقوں کے درمیان قایم کرنا ہے۔ جمہوریت کی کوئی بھی ایسی تعریف جو تنگ نظری پر مبنی ہو اور جس میں حقایق سے رو گردانی کرنے کی کوشش کی گئی ہو صرف ایسے سیاسی نظریات کے فروغ کا باعث ہوگی جو غیر جمہوری ہیں ——— "اندرا گاندھی"

سوماسیلا پروجکٹ

خوش حالی کا سرچشمہ

مشرق کی مقدس کتابوں میں گوداوری، کرشنا اور پنار ندیوں کی تعریف و توصیف کا بار بار ذکر آیا ہے۔ زمانۂ قدیم سے یہ ندیاں ہماری تاریخ اور ہمارے داستانِ ادب کو زرخیز بناتی آئی ہیں۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی کے ساتھ ساتھ انسان نے پانی کو روک کر بند تعمیر کرنا سیکھ لیا ہے اور آبپاشی اور بجلی کی شکل میں اس سے عام بہبودی کے کام لیتا ہے۔

۳۳ کروڑ روپے کی لاگت سے تیار ہونے والا سوماسیلا پروجکٹ ہمارا ایک پرانا اور سنہرا خواب ہے جس کی تعبیر آج ہماری نظروں کے سامنے ہے اس پروجکٹ کی بدولت ضلع نیلور میں خوش حالی کی لہر دوڑ جائے گی۔

اس پروجکٹ کے لیے نیلور کے مغرب میں ۵۰ میل کے فاصلے پر تعلقہ آتماکور کے موضع سوماسیلا کے قریب پنار ندی پر ۳۴۵ فٹ اونچا میسنری بند تعمیر کیا جائے گا۔ طے پایا ہے کہ اس پروجکٹ کو دو مرحلوں میں مکمل کیا جائے۔ پہلے مرحلے کی تعمیر پر ۱۷ر۲۰ کروڑ روپیہ صرف ہوگا۔

کمیشن منصوبہ بندی نے اس پروجکٹ کو پانچویں پنجسالہ منصوبے میں شامل کرنے کی اجازت دے دی ہے۔

میسنری ڈیم ندی کے دامن پر ۱۲۵ فٹ بلند مٹی کا بند تعمیر کیا جائے گا جس کی لمبائی ۱۰۶۰ فٹ ہوگی۔ مٹی کے بند کے بائیں جانب ۱۴۵۳ فٹ لانبا میسنری ڈیم' اور ۷۳۵ فٹ لانبا پشتہ تعمیر کیا جائے گا، جس کی بلندی پہلے مرحلے میں ۲۱۵ فٹ اور دوسرے مرحلے میں ۳۴۵ فٹ ہوگی۔ پہلے مرحلے میں کریٹ لیول تک پشتہ تعمیر کیا جائے گا۔ اور دوسرے مرحلے میں ۴۵ × ۶۰ فٹ کے دس دروازے نصب کیے جائیں گے۔ پہلے مرحلے میں مجوزہ آاکٹ کی مناسبت سے نہروں کی کھدوائی کی جائے گی۔ ان نہروں کو بعد میں توسیع دی جائے گی بند کے بائیں جانب سے شمالی علاقے کو سیراب کرنے والی ۳۰ میل لمبی نہر اور بند کے دائیں جانب سے جنوبی علاقے کو سیراب کرنے والی ۴۵ میل لمبی نہر نکالی جائے گی۔ بائیں جانب سنگم انی کٹ سے ۴۸ میل لمبی کاولی نہر نکالی جائے گی۔ اس کے علاوہ کانولور نہر بھی جو اس وقت زیرِ تعمیر ہے اسی پروجکٹ کا ایک حصّہ ہے۔

گہرے اثرات اس پروجکٹ کی تکمیل سے ضلع نیلور کی زرعی معیشت پر گہرے اثرات مرتب ہوں گے۔ پہلے مرحلے کی تکمیل کے بعد پنار ڈیلٹا کی تری اراضی پر موجود پہلی اور دوسری فصل اور دو نہروں سے سیراب کی جانے والی ۲ر۸ لاکھ ایکڑ اراضی کو استحکام مل جائے گا۔ شمالی علاقے کو سیراب کرنے والی نہر سے آتماکور تعلقہ اور جنوبی علاقے کو سیراب کرنے والی نہر سے رولپیڈ اور آتماکور دونوں کو زبردست فایدہ پہنچے گا۔ اور کاولی نہر تعلقہ' کاولی کے لیے ایک نعمت ثابت ہوگی۔ پروجکٹ کے دوسرے مرحلے کی تکمیل کے بعد تقریباً ۱ر۱۵ لاکھ ایکڑ مزید اراضی سیراب ہوسکے گی۔

پہلے مرحلے کی تعمیر پر تخمیناً ۱۷ر۲۰ کروڑ روپیہ خرچ ہوگا۔ جس میں سے ۸ر۸۲ کروڑ روپے کی خطیر رقم بند کی تعمیر پر صرف ہوگی۔ زمینات کا معاوضہ اور پروجکٹ کی تعمیر سے متاثر ہونے والوں کی بازآبادکاری پر ۳ر۸۰ کروڑ روپے خرچ ہوں گے جبکہ مشنری پر ۲ر۵۳ کروڑ روپے نہروں کی کھدوائی پر ۲ر۴۰ کروڑ روپے اور عمارتوں' سڑکوں اور پلوں کی تعمیر پر ۶۰ لاکھ روپے خرچ ہوں گے۔

اناج کی پیداوار آیئے اب ہم اپنے بڑے پروجکٹ کی بدولت اناج کی پیداوار میں امکانی اضافہ کا جائزہ لیں۔ اس بات کا قوی امکان ہے کہ اس پروجکٹ کے پہلے مرحلے کی تکمیل کے نتیجے میں ۱،۳۸،۸۴۰ ٹن اناج جس کی مالیت تقریباً ۶،۲۵ کروڑ روپے ہوگی زاید پیدا ہوگا اور اس طرح ۳۵،۱ فی صد مالیہ واپس آئے گا۔ خرچ کردہ رقم پر فایدے کا تناسب ۲۰٫۳ ہے۔ اس موقع پر یہ ذکر کرنا مناسب ہوگا کہ ریاستی خزانے کو سالانہ ۱۳۱،۸۱ لاکھ روپیوں کی زاید آمدنی ہوگی۔ پروجکٹ کے دوسرے مرحلے کی تکمیل پر ۱،۱۵ لاکھ ایکڑ مزید آیاکٹ کو خشکی کی کاشت کے لیے پانی مہیا ہوگا جسکی بدولت ۵۴۲۶۶،۴ ٹن اناج جس کی مالیت ۷۰،۳ کروڑ روپے ہوگی پیدا ہوگا۔ یقیناً اس پروجکٹ کی وجہ سے ضلع نیلور میں اناج کی پیداوار میں زبردست اضافہ کرنے کا راستہ کھل جائے گا۔

آندھرا پردیش میں پنار ندی ایک ایسی بڑی اور اہم ندی ہے جس کے حیات بخش پانی سے متعدد اسکیموں نے جنم لیا ہے۔ اس سلسلہ میں ضلع کڑپہ میں ادی نا یا پلّی نیز ضلع نیلور میں سنگم اور نیلور کے آنی کٹ قابلِ ذکر ہیں۔ اس کے باوجود اس ندی کا پانی بڑی مقدار میں نیلور کے مشرق میں ۱۵ میل کے فاصلے پر خلیج بنگال میں جا گرتا ہے۔ ۳۳ کروڑ روپے کی لاگت سے سوماسیلا پروجکٹ کا مقصد اس طرح ضایع جانے والے پانی کو روک کر ضلع نیلور کو نئی زندگی دینا ہے۔

پروجکٹ بہ یک نظر

جملہ تخمینی لاگت	۵۲ و ۳۳ کروڑ روپے
پروجکٹ کا تاس	۱۸،۷۱۰ مربع میل
میسنری ڈیم کی بلندی	۳۴۵ فٹ
میسنری ڈیم کی لمبائی	۱،۴۵۳ فٹ
ذخیرۂ آب کی گنجایش	۱۶،۳۶۰ ملین کیوبک فٹ
پانی کے پھیلاؤ کا رقبہ	۷۰۰ ملین مربع فٹ

پہلا مرحلہ

شمالی علاقے کو سیراب کرنے والی نہر	۳۰ میل لانبی
آیاکٹ	۱۵،۸۰۰ ایکڑ تری
مستفید ہونے والا علاقہ	آتماکور تعلقہ
جنوبی علاقے کو سیراب کرنے والی نہر	۵۴ میل لانبی
آیاکٹ	۱۶،۰۰۰ ایکڑ تری
مستفید ہونے والا علاقہ	آتماکور اور راپور تعلقہ جات
کاولی نہر	۴۸ میل لانبی
آیاکٹ	۲۲،۰۰۰ ایکڑ تری
مستفید ہونے والا علاقہ	کاوں تعلقہ
کانور پور نہر	۲۳ میل لانبی
آیاکٹ	۱۷،۰۰۰ ایکڑ تری
مستفید ہونے والا علاقہ	نیلور اور راپور کے تعلقہ جات

وقار خلیل

آوارہ سجدے (شعری مجموعہ) کیفی اعظمی

اشاعت : دسمبر ۱۹۷۴ء

صفحات : ۸۸ (مجلد معہ گرد پوش) قیمت : چھ۶ روپے

ناشر : مکتبہ جامعہ لمیٹڈ ۔ جامعہ نگر ۔ نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵

★ ★ ★

کیفی اعظمی ترقی پسند ادبی اور عوامی تحریک کے قد آور دانشور اور شاعر کی حیثیت سے شہرت و مقبولیت کی منزل کمال تک پہنچ چکے ہیں۔ غریب اور محنت کش عوام کی ہر تحریک اور ہر معرکے میں کیفی گزشتہ نصف صدی سے پیش پیش اور سرگرم عمل رہے ہیں۔ مخدوم، جعفری اور کیفی کی حکیمانہ اور دانشورانہ صلاحیتوں اور ان کی مجاہدانہ سرگرمیوں نے اپنے اطراف اپنے چاہنے والوں کا ایک وسیع حلقہ پیدا کر لیا ہے۔

مخدوم اور جعفری کی طرح کیفی نے بھی عوامی رجحانات، زمین اور زندگی کے صحت مند اور ترقی پسند آدرشوں کو حرکت، روشنی اور توانائی بخشی ہے۔ گزشتہ چند سال سے اپنی بیماری کے باعث اگرچہ وہ جسمانی طور پر تھکے تھکے نظر آتے ہیں مگر اُن کی ذہنی توانائی اور فکری صحت میں جیسے کچھ اضافہ ہی ہو گیا ہے۔

بہ حیثیت سخنور کیفی اعظمی آزاد ہندوستان کے نغمہ خواں شعرا کی صف کے جیالے بڑے اور پورے شاعر ہیں، 'جھنکار' اور 'آخر شب' کے تقریباً ۲۵ برس بعد کیفی کا یہ شعری مجموعہ شایع ہوا ہے۔ شعر و ادب کی جدید اور بدلتی ہوئی سمت اور تحریک کی روشنی میں "آوارہ سجدے" کا مطالعہ اس امر کی گواہی دیتا ہے کہ کیفی کا فن بھی نئی اور خوش آئند تبدیلیوں کا آئینہ دار بن گیا ہے، حالات کی نامساعدت عوام کی عظمت اور محبت و محنت کے جذبات و احساسات کی شدت اور اُن کی ترسیل "آوارہ سجدے" میں نقطۂ عروج پر پہنچ گئی ہے۔ کیفی نے زیر تبصرہ مجموعے میں "دو چار باتیں" کے زیر عنوان لکھا ہے کہ "انسان ہمیشہ اپنے ماحول اور ماحول کے ساتھ اپنے آپ کو بدلتے رہنے کی کوشش کرتا رہا ہے میری شاعری کا موضوع یہی عظیم جد و جہد ہے، یہ جد و جہد انفرادی بھی ہوتی ہے، اجتماعی بھی، تکنیکی بھی جمالیاتی بھی، اس کے آثار دل میں بھی ملتے ہیں، بیرونِ دل بھی، جب کسی ملک کے باشعور مزدور سُرخ پرچم کے سائے میں منظم اور متحد ہو کر انقلاب زندہ باد کا نعرہ بُلند کرتے ہیں تو وہ اسی جد و جہد کا ایک رُخ ہوتا ہے اور جب ایک شاعر تنہائی میں بیٹھ کر غور و فکر کے معرکے سر کر کے، ایک نظم مکمل کرتا ہے تو اُس کا یہ تخلیقی عمل بھی اُسی جد و جہد کا ایک غیر محسوس حصّہ ہوتا ہے۔ میں نے اکثر یہ محسوس کیا ہے کہ ایک نظم کی تعمیر و تکمیل کے مرحلوں میں میں کچھ سے کچھ ہو جاتا ہوں، ہلکے ہلکے میری شخصیّت بدل جاتی ہے۔ شاعری کا ایک منصب شخصیت کی تکمیل بھی ہے۔"

کیفی کا یہ مجموعہ منتخب، مختصر، تازہ کار اور بار بار پڑھے جانے کے لائق ہے اس مجموعے کے بارے میں فیض احمد فیض نے اپنے پیش لفظ میں کہا ہے کہ "کیفی کے اس سلور جوبلی ایڈیشن میں اب آرایش خم کاکل کا بیان کم ہے اور اندیشہ ہائے دور و دراز سے رغبت زیادہ، بوسۂ لب کی بات ہو کہ بوسۂ زنجیر کی کیفی بات ہمیشہ کھری کرتے ہیں، نہ تلخیٔ مضمون سے گھبراتے ہیں نہ تلخیٔ کلام سے گُریز کرتے ہیں بلکہ وہ ایک متوازن، ٹھہرے ہوئے درد مند، فکر انگیز اور حسّاس نظریۂ حیات و فن کا بلیغ اظہار ہیں۔"

"آوارہ سجدے" میں کیفی کی ۳۲ نظمیں اور ۵ غزلیں شامل ہیں جن میں 'آوارہ سجدے' 'دایرہ' 'ابن مریم' 'بہروپنی' 'گرہھ دتی' 'پیر تسمہ پا' 'دھماکہ' اور طویل نظم 'زندگی' کامیاب ترین نظمیں ہیں۔ 'لینن' 'نہرو' 'تلنگانہ' 'چراغاں' 'ماسکو' اور 'بنگلہ دیش' ایسی نظمیں ہیں جن میں زمینی رشتوں سے شاعر کے گہرے ربط کا اندازہ ہوتا ہے۔ کیفی کی غزلوں میں بھی ان کی نظموں ہی کی طرح جاذبیت اور شگفتگی ملتی ہے، وہ بالکلیہ غزل کے شاعر نہیں ہیں مگر جی لگا کر غزل کہنے کا سلیقہ اور ملکہ ضرور رکھتے ہیں۔ ملاحظہ کیجئے

بہار آئے تو میرا سلام کہہ دینا ؛ مجھے تو آج طلب کر لیا ہے صحرا نے

★ ★ ★

دیواریں تو ہر طرف کھڑی ہیں ؛ کیا ہو گئے مہربان سائے

آج پھر ٹوٹیں گی تیرے گھر کی نازک کھڑکیاں
آج پھر دیکھا گیا دیوانہ تیرے شہر میں
ننگی سڑکوں پر بھٹک کر دیکھ جب مرتی ہے رات
رینگتا ہے ہر طرف ویرانہ تیرے شہر میں

* * *

وہ تیغ مل گئی جس سے ہُوا ہے قتل مرا — کسی کے ہاتھ کا اس پر نشاں نہیں ملتا
وہ میرا گاؤں ہے وہ میرے گاؤں کے چولھے — کہ جن میں شعلے تو شعلے دھواں نہیں ملتا
وہ اک خدا نہیں ملتا تو اتنا ماتم کیوں — یہاں تو کوئی مرا ہم زباں نہیں ملتا
کھڑا ہوں کب سے میں چہروں کے ایک جنگل میں
تمہارے چہرے کا کچھ بھی یہاں نہیں ملتا

* * *

کیفی کی غزلیں ہوں کہ نظمیں یہ اُن کا لب و لہجہ، یہ گہرائی اور یہ عصری حسیت دونوں جگہ کارفرما ہے اور یہی اُن کے سخن کا وہ جوہر ہے جس کے سبب وہ شعر و ادب کے کلاسیکل شعور کے ساتھ ترقی پسندی اور پھر جدیدیت کے بھی صحت مند شعور کے حامل اور ترجمان بن گئے ہیں۔

'آوارہ سجدے' مکتبہ جامعہ کے حسن طباعت کا مرقع ہے۔ مجموعہ آفسیٹ پر مطبوع ہوا ہے اور صوری و معنوی ہر جہت سے خرید کر پڑھے جانے کا مستحق ہے۔

◉ ◉ ◉

نیلم کے پنکھ (تلگو شاعری) شاعر: شیشندر شرما

ترجمہ: ڈاکٹر غیاث صدیقی

صفحات: ۹۴ سرورق: سعید بن محمد نقش قیمت: سات روپے
کتابت، طباعت، اور پیشکش دیدہ زیب، زیر اہتمام: محمود خاور
ناشر: انڈین لینگویجز فورم ـ گیان باغ ـ گوشہ محل، حیدرآباد

* * *

'نیلم کے پنکھ' تلگو کے صف اوّل کے باشعور شاعر جناب جی' شیشندر شرما کی (۲۰) نظموں کے اُردو ترجمے پر مشتمل ہے۔ یہ مجموعہ بہ یک وقت چار زبانوں تلگو، انگریزی، ہندی اور اُردو میں شایع ہوا ہے۔ انگریزی ترجمہ اُن کی رفیقۂ حیات مادام اندرا دھن راج گیر نے کیا ہے اور اُردو ترجمہ ڈاکٹر غیاث صدیقی کی ذہانت فکر کا مرہونِ منت ہے۔ ہندی میں بھی رسم خط کی تبدیلی کے ساتھ اُردو ترجمہ ہی مطبوع ہوا ہے۔

تلگو کے گیان پیٹھ انعام یافتہ شاعر وشوا ناتھ ستیہ نارائنا نے شرما کی شاعری کے بارے میں لکھا ہے کہ "شرما نے پہاڑیوں، وادیوں، گنگناتی ندیوں اور تلاطم خیز سمندروں سے حیاتِ انسانی کا تقابل کیا ہے ...... اُن کی نظموں میں بچوں کی کراہیں بھی شامل ہیں۔ جو تاریکی سے اُبھر رہی ہیں۔ وہ ہواؤں میں متحرک پتوں میں صبا کے خم گیسو تلاش کرتے ہیں اور سرود کی سرسراہٹ میں ان کے نظریات کی سرگوشی اُبھرتی اور بالآخر نظم بن جاتی ہے..... آج کل بہ مشکل دس ایسے شاعر ہوں گے جو اُن کے مقام تک پہنچ سکے ہیں۔"

اس مجموعے کا پیش لفظ اختر حسن صاحب نے لکھا ہے۔ اُن کے الفاظ میں شرما ایک جمال پرست شاعر ہیں، "نیلم کے پنکھ" کے اوراق میں ان کے کلام کی نغمگی اور شعور کی زیریں اور روشن رو صاف محسوس ہوتی ہے۔ حسّیت کی تُندی اور اظہار کی لطافت سے اُن کی شاعری کا شعلہ شبنم پوش ہو گیا ہے۔ شرما کے شعری محسوسات ہمارے اپنے محسوسات اور اُن کا کرب ہمارا اپنا کرب لگتا ہے۔ شرما، انگریزی شعر و ادب پر گہری اور عالمانہ نظر رکھتے ہیں۔ جدید علوم اور کلاسیکی ادب سے بھی بہرہ ور ہیں۔ ترقی پسند توانا، جدید تحریکات پر بھی اُن کی نظر ہے۔ اُن کی شاعری جہاں تک روایتوں کی پاسدار ہے وہیں نئی قدروں سے ربطِ جلی کی ترجمان بھی ہے۔ ماحول اور معاشرے سے شرما کی یہ یگانگت انھیں اپنے ہم عصروں میں ممتاز بناتی ہے۔

چونکہ نظموں کے اقتباسات اُن کی پوری کیفیت اور تاثیر کا احاطہ نہیں کرتے اس لیے یہاں اختر حسن کے لکھے پیش لفظ سے چند سطریں نقل کی جاتی ہیں۔

"شرما نے اپنی شاعری میں جن آدرشوں، جن خوابوں اور جن تمناؤں کو پرویا ہے اُس کے سرے ازل و ابد سے مل جاتے ہیں اور یہی وہ مقام ہے جہاں پہنچ کر شاعر کا وجودی تجربہ ایک کُلّی تجربے کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور فن میں آفاقیت سانس لینے لگتی ہے۔ شرما کا شاعرانہ وجدان جہاں زندگی اور انسان کے سنہرے مستقبل کی بشارت دیتا ہے ان کے اشعار میں ایک پیمبرانہ قطعیت پیدا ہو جاتی ہے۔"

اے جانِ بہار
ہم نئے آدم کو دھوم دھڑکے سے
لوٹتا دیکھیں گے / سنو
تاریخ کے غاروں میں / اس کی آواز گونجتی ہے

یہ آواز ایک دن
تمام کھوٹے سکوں اور جھوٹے انسانوں کو
صلیب پر چڑھا دے گی (نئے ساحل)

* * *

ان کی نظم "انسان" میں بھی ہم ایسے ہی فیصلہ کن آواز سنتے ہیں ؎

کتنے چنگھتے طوفان
کتنے خاموش ساحلوں / کتنے دہکتے سورجوں کو چھوڑ کر
سحر / انسانیت کے دل سے طلوع ہو رہی ہے۔

* * *

"یہ آنکھیں"، "تم"، "موسم کی آواز"، "گنبد میں"، "سوغات"، "نسلیں" نیند کی وادیوں میں"، "تحفۂ شب" اور "رقصِ بہار" ششیندر شرما کی بے حد تازہ، شگفتہ اور بھرپور عصری حسیت کی حامل نظمیں ہیں۔ زیرِ نظر مجموعہ بلاشبہ ہر باشعور اور صاحبِ ذوق انسان کے لیے قابلِ مطالعہ ہے

◉ ◉ ◉

پتہ پتہ بوٹا بوٹا (ترائیلے) فرحت کیفی

اشاعت: جولائی ۱۹۷۴ء

صفحات (۱۲۸) مجلّد، سہ رنگی گرد پوش قیمت: آٹھ روپے

ناشر: مجلس مصنفینِ اردو۔ تامل ناڈو

ملنے کا پتہ: نذیر بک ڈپو، ٹریلیکن ہائی روڈ۔ مدراس ۱۴

* * *

فرانسیسی شاعری کی ایک صنف "ترائیلے" ہے، جسے اردو کے بعض شاعروں نے بھی اپنایا اور مقبول بنایا ہے۔ ترائیلے آٹھ مصرعوں پر مشتمل نظم ہوتی ہے جو اختصار میں اعجاز رکھتی ہے بشرطیکہ اسے شاعر برتنے کا سلیقہ رکھے ورنہ ہر صنف کی طرح یہ بھی اناڑی کے ہاتھ کی تلوار بن سکتی ہے۔ ترائیلے کی ہیئت یوں ہوتی ہے کہ اس کے آٹھ مصرعے ہوتے ہیں اُن میں ردیفوں کا حسنِ استعمال موضوع کی مناسبت سے پیچیدہ ہوتا ہے۔ ترتیب اس طرح ہوتی ہے۔ "اب، اااب اب" پہلے دونوں مصرعوں کی تکرار آخری دونوں مصرعوں میں ہوتی ہے، پہلا مصرعہ پھر سے چوتھے اور ساتویں مصرعے میں ظاہر ہوتا ہے۔ یعنی پہلے مصرعے کی تکرار تین بار ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے اس صنف کا نام ترائیلے ہے۔ ظاہر ہے یہ صنف رباعی کی طرح نازک اور مشکل صنف ہے اور وحدتِ تاثر کا مطالبہ کرتی ہے۔ اردو شاعری میں سانیٹ، ہائیکو اور ترائیلے لکھے جاتے ہیں، اور یہ اصناف کہیں تجرباتی دور میں ہیں تو کہیں کامیابی کی منزل پر۔ ترائیلے کے رمز شناسوں کی حیثیت سے احمد ندیم قاسمی، قاضی سلیم اور نریش کمار شاد کے ساتھ فرحت کیفی اور رؤف خیر کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

اردو میں ترائیلوں کو مجموعے کی شکل میں سب سے پہلے پیش کرنے والے شاعر فرحت کیفی ہیں جن کے زیرِ نظر مجموعے نے اردو شعر و ادب کے حلقوں میں خاصی مقبولیت حاصل کرلی ہے۔ "پتہ پتہ بوٹا بوٹا" کا تعارف کراتے ہوئے معروف شاعر کاوش بدری نے لکھا ہے کہ "فرحت نے ایک فرانسیسی اسکالر سے باضابطہ فرنچ زبان سیکھی اور انگریزی کے وسیلے سے بھی انھوں نے ترائیلے کے تراجم پڑھے اور مشق و مزاولت سے اسے موضوعِ فکر بنایا۔"

نامور ادیب جناب اختر حسن نے "رنگ و آہنگ" کے زیرِ عنوان لکھا ہے کہ "مدراس کے جوان فکر شاعر فرحت کیفی کے اردو ترائیلوں کا سب سے بڑا وصف یہ ہے کہ اُن کی ہیئت اجنبی ہوتے ہوئے بھی جانی پہچانی لگتی ہے اور ان کا لہجہ نیا اور نا آشنا ہوتے ہوئے بھی دل کو چھوتا اور ذہن کو اپنا ہم نوا بنا لیتا ہے، ان کے ترائیلے ابہام کے گورکھ دھندے اور ترسیل کے المیے سے دور ہیں، وہ اپنے پڑھنے والے کے ذہن کو الجھاتے نہیں بلکہ آہستہ آہستہ فکر کی گرہوں کو کھولتے جاتے ہیں۔" کرامت علی کرامت اور بشیر بدر نے بھی فرحت کے ترائیلوں کو سراہا ہے۔

زیرِ تبصرہ مجموعے میں فرحت کے (۹۶) ترائیلے شامل ہیں جن میں سماجی، تہذیبی، تاریخی ہر جہت کو آئینہ دکھایا گیا ہے۔ اسلوب کی سلاست، بے ساختگی اور روانی کے سبب یہ ترائیلے شروع سے آخر تک پڑھنے والوں کو اپنی طرف متوجہ رکھتے ہیں۔ زندگی کی بے شمار چاہتوں اور سچائیوں کو فرحت نے ایک باشعور فنکار کی طرح اپنے ترائیلوں میں بڑے فنکارانہ سلیقے کے ساتھ برتا ہے۔ یقین ہے کہ یہ روایت ہماری شاعری میں ایک

بیش قیمت روایت کے طور پر آگے بڑھے گی اور اُردو ترائیلے کے ساتھ فرحت کیفی کا نام بھی ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔

دو ترائیلے نمونتاً پیش کئے جاتے ہیں ؎

سماج، رسم، ریت، پیار، جذبۂ منافرت
یہ زندگی بھی کتنی ڈوریوں سے ہے بندھی ہوی
قلی کا بوجھ، کاروبار، نوکری، ملازمت
سماج، رسم، ریت، پیار، جذبۂ منافرت
ہجومِ آرزو میں رینگتی سی انفرادیت
چلی خیالی جنتوں کے خواب دیکھتی ہوی
سماج، رسم، ریت، پیار، جذبۂ منافرت
یہ زندگی بھی کتنی ڈوریوں سے ہے بندھی ہوی

(آڑے ترچھے آیینے)

★ ★ ★

زمین اپنی ہے، کھیت اپنے ہیں، اناج اپنا
نہ دب سکے گی کبھی انقلاب کی آواز!
محل بھی اپنے ہیں، فوج اپنی، تخت و تاج اپنا
زمین اپنی ہے، کھیت اپنے ہیں، اناج اپنا
اگر جنوں ہو سلامت تو ہوگا راج اپنا
حیات جہدِ مسلسل، حیات تیشہ و ساز
زمین اپنی ہے، کھیت اپنے ہیں، اناج اپنا
نہ دب سکے گی کبھی انقلاب کی آواز!

(نغمہ انقلاب)

◉ ◉ ◉

نیا جزیرہ (شعری مجموعہ) اسلم عمادی

اشاعت : مئی ۱۹۷۴ء

صفحات ۱۰۴، مجلد، گردپوش: سرورق: قیصر سرمست قیمت ۷ روپے

ناشر: شالیمار پبلی کیشنز۔ نیا ملک پیٹ، حیدرآباد ۵۰۰۰۳۶

★ ★ ★

اسلم عمادی کا "نیا جزیرہ" اسم بامسمیٰ ہے۔ اسلم عمادی کی ذہنی افتاد و رفتار کو سمجھنے کے لیے خود اُن کے یہ الفاظ کافی معنی خیز ہیں کہ :-

"بہت ساری کتابیں کھا پی لیں، ہر بات کو کریدنے کی عادت رہی، جدید شاعری سینے میں پنپ رہی تھی، ۱۹۶۳ء میں "تذکرۂ جدید شعرائے اُردو" ڈاکٹر عبدالوحید لاہور باصرہ نواز ہوئی۔ ن۔م۔ راشد، تصدق حسین خالد اور ڈاکٹر تاثیر کی نظمیں پڑھیں تو یوں لگا کہ بھائی مومن و غالب و آزاد کے دن لد گئے۔ پہلے تو پڑھتے ہی نہیں تھے، پھر ابہام کافی بھاری پڑا لیکن گرہیں کھلتی گئیں اور غرق ہوتا گیا"۔

"نیا جزیرہ" اسلم کی اشارتی تحریر کا اُن کے نئے شعور کے پس منظر میں ایک خوبصورت شعری دریافت ہے۔ اس مجموعے میں ۴۰ غزلیں، حمد و نعت اور ۲۹ نظمیں شامل ہیں۔

میکانکی اور سائنیسی عمل ان کی شاعری سے عبارت ہے، کہنے کا ڈھنگ خاصا دلآویز، نیا اور متوجہ کرنے والا ہے۔ فنِ شعر پر ویسے اسلم نے بڑی حد تک نظر ضرور رکھی ہے تاہم بہت سی جگہوں پر "معاملاتِ من تو" نکل ہی آتے ہیں۔

اسلم حیدرآباد ہی میں نہیں، پوری اُردو دنیا میں اپنی عمر اور فکر و نظر کی تازگی کے سبب خاصے منفرد اور شگفتہ بیان شاعر ہیں۔ علمی اور ادبی حلقوں میں اسلم اپنی ذہنی اور فکری جسارت و ندرت کے سبب بڑی تیزی سے پسند کیے جانے لگے ہیں۔

اسلم کی نظموں اور غزلوں میں شروع سے آخر تک بالکل نئی علامتیں ملتی ہیں، موضوعات کو سمیٹنے پھر پھیلانے اور پھر سمیٹ کر پیش کرنے میں اسلم کو ملکہ حاصل ہے، زندگی کے صحت مند اور رومانی گوشوں پر ان کی نظر کبھی سیدھی، کبھی ترچھی، جیسی بھی پڑتی ہے وہ اُسے شعر کے پیرہن میں پیش کر دیتے ہیں۔ ایسی تہہ داری اِدھر ۱۹۶۲ء کے بعد کے بیشتر نئے شعرا میں ذرا کم ہی ملتی ہے۔

پہلے اسلم کی غزلوں کے چند شعر پیش کرتا ہوں اور تجزیے اور تبصرے کا حق پڑھنے والوں پر چھوڑتا ہوں۔

میری رگ رگ میں چھپی ہے مری حرفت سازی
نقطہ و دائرہ و خط کو لڑا لیتا ہوں
اب کبھی برق نہ آئے مرے گھر میں اسلم
آج میں دونوں ہی تاروں کو ملا لیتا ہوں

★ ★ ★

کس کے خون کی بو مجھے محسوس ہوتی ہے یہاں
کون تھا، جو یوں مری پرواز سے آگے چلا

* * *

تیز آواز، سکوں، شور، خموشی، نغمہ
ہر نیا چہرہ اسی گرد آہنگ میں ہے

* * *

زنداں کا در کھلا ہے جو خندق ہوئی عبور
چڑیوں کا شور و غل کہ سویرا ہوا یہاں

* * *

تین چہروں میں ہے تنہائی کا تیزاب تر تنگ
ایک انکار کا الزام روانہ کر دے

* * *

میں آتش گیر مٹی کا نمونہ ؛ جسے موسم بمشکل سہہ رہے ہیں

* * *

کچھ تو اصلی جسم کو باہر جھلکنے دیجیے ؛ اندرونی شخص کا کپڑا سرکنے دیجیے

* * *

اس مجموعے کی سب سے مختصر نظم "ٹوٹتی بارش میں" بھی ملاحظہ کیجیے۔

بادلوں میں ہے بہت گہرا دھواں
اور اس گہرے دھویں میں ایک بھی قطرہ نہیں
نیم خوابیدہ سے بچوں کی زبانیں، چیخنے کی آرزو میں
منھ سے باہر آ گئی ہیں !

ایک دن بدھ نے کہا تھا
"ایک پیپل ڈھونڈ لو
اپنے اندر رہو
اور باہر
ہر طرف کرفیو لگا دو"
(کرفیو)

* * *

عبارت مختصر: اسلم عمادی کا نیا مجموعہ "جزیرہ" جدید شعری حسیات کا
ایک ایسا مرقع ہے جس کا مطالعہ، شعری ذوق اور حکیمانہ نظر کے ساتھ ساتھ، غور و خوض کا بھی متقاضی ہے۔

◉ ◉ ◉

پہچان کا درد (شعری مجموعہ) حمید الماس

اشاعت: اکتوبر ۱۹۷۴ء

صفحات: ۱۲۸ مجلّد گرد پوش قیمت: بارہ روپے

ناشر: شالیمار پبلی کیشنز، نیا ملک پیٹ۔ حیدرآباد ۵۰۰۰۳۶

* * *

حمید الماس کا شعری مجموعہ "پہچان کا درد" اُن کی اُنیس سالہ فکر سخن کا انتخاب ہے۔ الماس کرناٹک کے متوطن ہیں۔ حیدرآباد نے اُن کے ذہن و فکر کو شعر و ادب سے آشنا کیا۔ گزشتہ پچیس سال سے ہند و پاک میں اُن کا کلام چھپتا رہا ہے۔ ترقی پسند تحریک کی آغوش میں الماس نے شاعری شروع کی۔ حیدرآباد میں مخدوم، شاہد صدیقی، اریب، جامی اور شاذ تمکنت کے ساتھ حمید الماس کو شعری اور ادبی محفلوں میں دیکھا اور سُنا گیا۔ لسانی تقسیم کے بعد حیدرآباد کا کنڑی علاقہ میسور کا جزو بنا اور الماس بھی ملازمت کے سلسلے میں پہلے گلبرگہ پھر بنگلور چلے گئے۔

"پہچان کا درد" ۱۹۵۲ء سے ۱۹۷۴ء تک کی شاعری کا انتخاب ہے۔ اکسٹھ نظمیں اور اڑتیس غزلیں اس مجموعے میں شامل ہیں۔ فراق گورکھپوری نے "حرفے چند" کے زیرِ عنوان الماس کی شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ 'الماس' کی نظموں کی صوتیات اور اُن کے خیالات نہایت سادہ اور نرم آہنگ ہیں۔ اور یہی گداختگی الماس کو اُن کے معاصرین سے جُدا کرتی ہے۔ اِن کا لہجہ طرح دار اور شبنم آسا ہے۔ لسانیاتی شعور کی خنک رَو الماس کی نظموں میں بیشتر اور غزلوں میں کہیں کہیں ملتی اور قاری کو دیر تک لطف و انبساط کے ساتھ غور و فکر پر مجبور بھی کرتی ہے۔ فنِ عروض اور زبان کے برتنے میں خفی لغزشوں کے باوجود حمید الماس کی نظموں کا سبک اور نرگسی آہنگ انھیں صاحبِ طرز سخنور کا پیکر بنا دیتا ہے۔ مختصر مختصر اور عصری حسیت کی حامل جدید انداز فکر کی متعدد نظمیں اس مجموعے میں شامل ہیں، چند عنوانات یہ ہیں 'مشورہ'، 'خوش فہمی'، 'پہچان کا درد'، 'انتظار'، 'حرفِ اول'،

'ویرانے میں درویش' 'لے روشنی طبع' اور 'آخری نظم' ۔ ان نظموں میں
یمنی رشتوں کی شناخت' دل کی شکستگی کا احوال' روحانی شعور اور
محنت کی توقیر کے ساتھ اَنا کی طرح داری اور تہمتِ نانِ خشک پر طنز
کی پیدائش پیدا پنہاں ملتی ہے ۔ زندگی کی محرومیوں اور مسرتوں سے
عبارت چند نظموں میں 'آفس ٹائم' اور 'مکلکے' بطورِ خاص قابلِ
مطالعہ ہیں۔

الماس آزاد نظموں میں زیادہ کھلتے اور متاثر کرتے نظر آتے ہیں
پابند نظموں اور غزلوں میں وہ زیادہ تر روایتی ہیں' ایک نظم اور غزلوں
کے چند شعر نمونے کے طور پر یہاں پیش کیے جاتے ہیں ۔

رات پھر دیر سے لوٹا تو
یہ محسوس ہوا
گھر کے دروازے پہ لگی ہوئی
چھوٹی سی مری 'نیم پلیٹ'
جیسے رو رو کے ابھی سوئی ہے۔
(انتظار)

طلوعِ صبحِ درخشاں پہ بات ٹھہری ہے
قدم قدم پہ اندھیروں کے حادثات سہی

* * *

وہ بھی میری طرح زرم نکلا ؛ کل لڑائی کا جس پہ گماں تھا

* * *

چاند بن کر تمہیں دیکھوں میں کسی روزن سے ؛ یا کہیں دور نکل جاؤں اندھیرا بن کر

میں دعاؤں کا بچھڑا ہوا لفظ ہوں ؛ ہیں خلا میں مرے حرف بکھرے ہوئے

* * *

صبح ہوتے ہی ہنگامۂ زندگی ؛ شام ہوتے ہی پھر روشنی کے گلے

* * *

ہم ایسے دور میں پیدا ہوئے حمید الماس ؛؛ دماغ چُپ ہیں تمیزِ حواس ختم ہوئی

* * *

قصہ مختصر : حمید الماس نے اس مجموعے کے ذریعے اپنے فکر و فن
کی خوب شناخت کروائی ہے' اب اِسے مستحکم بنانے کا بھی یقین ہے
وہ جتن کریں گے ۔ الماس سے اچھی توقعات وابستہ کی جاسکتی ہیں۔

٥

"میں اظہارِ خیال کی آزادی میں مکمل یقین رکھتی ہوں اور سنسر شپ کو ناپسند کرتی ہوں۔ گزشتہ
تمام برسوں کے دوران ہم یہ اُمید کرتے رہے کہ اخبارات اپنے لئے خود کوئی ضابطۂ اخلاق
وضع کرلیں گے اور اُن اخبارات کو جو اس ضابطۂ اخلاق پر عمل نہیں کریں گے' ایسا کہنے
سے روکیں گے ۔ حال میں بہت سے سرکردہ اخبارات حکومت کے خلاف چلائی گئی مہم کو
پھیلا رہے تھے اور ہمارے عوام کے حوصلے اور خود اعتمادی کو نقصان پہنچا رہے تھے۔
اخبارات کو بامقصد اور متوازن ہونے کی کم ازکم کوشش تو کرنی چاہیئے۔"

اندرا گاندھی

"جمہوریت کمزور کی جارہی تھی' اس کے لیے خطرے پیدا کیئے جارہے تھے اگر حزبِ مخالف
کے محاذ کو اپنی براہِ راست کارروائی شروع کرنے' آر۔ ایس۔ ایس کی رہنمائی میں توڑ پھوڑ
کے اپنے منصوبے کو عمل میں لانے نیز فوج' پولیس اور ہمارے صنعتی کارکنوں کے درمیان
نفرت اور پھوٹ پیدا کرنے کی مہم کو آگے بڑھانے کی اجازت دی گئی ہوتی ہوتو جمہوریت
تباہ ہوچکی ہوتی ۔"

اندرا گاندھی

آئیے
ہم اپنے اپنے کاموں میں جُٹ جائیں
قانون توڑنے، قومی سرگرمیوں کو ٹھپ کرنے اور فوج اور پولیس کو عدول حکمی پر اُکسانے کی کارروائیوں سے مُلک کا اقتصادی نظام منہدم ہو سکتا تھا، ہمارا مُلک انتشار پسندانہ رجحانات کا شکار ہو سکتا تھا اور اس کے لیے بیرونی حملے کا خطرہ بھی پیدا ہو سکتا تھا، اب جبکہ نفرت کے بادل چھٹ گئے ہیں، ہم اپنے اقتصادی نشانوں کو زیادہ واضح طور پر دیکھ سکتے ہیں اور اُن کی اہمیت کو سمجھ سکتے ہیں۔ ایمرجنسی نے ہمیں اقتصادی پروگراموں کو آگے بڑھانے کا ایک نیا موقع دیا ہے۔
آیئے! ہم اپنے اپنے کاموں میں جُٹ جائیں
شریمتی اندرا گاندھی
وزیر اعظم

آندھرا پردیش
اکتوبر ۱۹۷۵ء
۵۰ پیسے

آندھراپردیش

اکتوبر ۱۹۷۵ء

۵۰ پیسے

ترتیب

زر سالانہ
چھ روپیے

ناظم اطلاعات و تعلقات عامہ
حکومت آندھرا پردیش نے شائع کیا۔

★
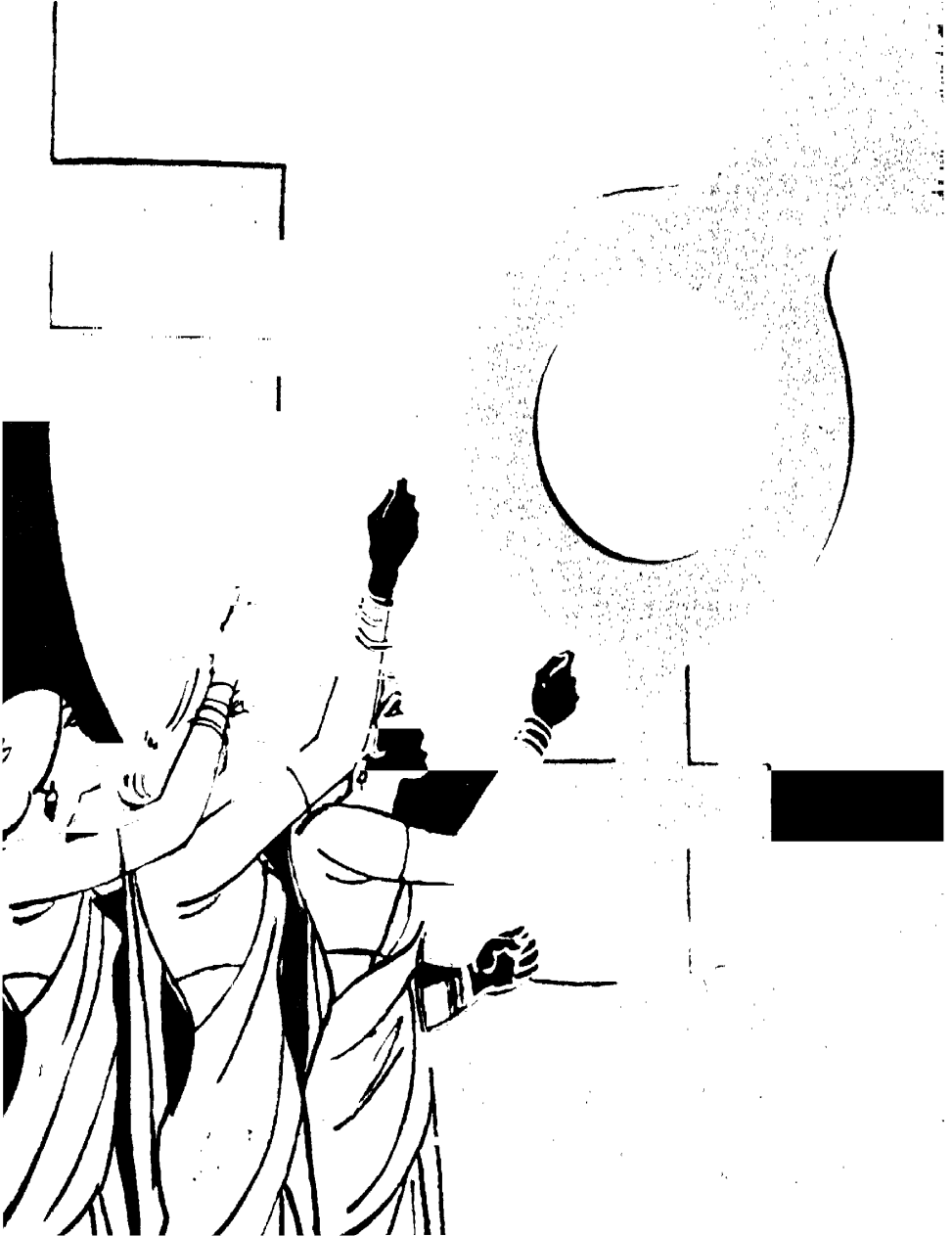
ایڈیٹر انچیف
شریمتی راجیم سنہا

ایڈیٹر
اختر حسن

اکتوبر ۱۹۷۵ء
آسون ۔ کارتک
شاکھا ۱۸۹۷
جلد ۱۸
شمارہ ۱۲

★

سرورق

اقوام متحدہ نے بین الاقوامی سـ
خواتین کے لئے یہ علام
تصویر منظور کی ہے جس کی آرٹـ
ایک خاتون دلیرے پیش ھیں ۔
یہ تصویر پوری دنیا میں امن
فروغ دینے اور مرد اور عورت
مساوی درجہ کو مستحکم بنا
کی ایک علامتی تصویر ہے ۔ ج
میں فاختہ امن کی نشانی ہے اورجنـ
لطیف اور مساوات کے لئے نباتا
اور ریاضیاتی علامات شامل ھیر

تیسرا سرورق

قبائلی عورتیں

صدر جمہوریہ ہند شری فخرالدین علی احمد نے ۶ - اگست ۱۹۷۵ء کو آندھرا پردیش اسٹیٹ اکیڈمی آف فوٹو گرافی کا پہلا فیلو شپ ایوارڈ، حکومت آندھرا پردیش کے چیف سکریٹری شری - این - بھگوان داس کو عطا کیا -

لن سلائیٹ

نے

بین الاقوامی ایوارڈ حاصل کیا

فوٹو گرافک سوسائیٹی آف امریکہ کے زیر اہتمام منعقد ہونے والے فوٹو گرافی کے رسالوں کے سالانہ مقابلے میں آندھرا پردیش اسٹیٹ اکیڈمی آف فوٹو گرافی کے پرچے "لن سلائٹ" کو سب سے بہتر پرچہ قرار دیتے ہوئے پہلا انعام دیا گیا اس مقابلے میں پوری دنیا کے ۱۷۱ فوٹو گرافی کے پرچوں نے حصہ لیا تھا -

"لن سلائیٹ" ایک سہ ماہی رسالہ ہے جس کے ایڈیٹر آندھرا پردیش اسٹیٹ اکیڈمی آف فوٹو گرافی کے صدر شری این - بھگوان داس آنریری ای - ایف - آئی - اے - پی (حکومت آندھرا پردیش کے چیف سکریٹری) ہیں - برتر وسائل اور بہتر سہولتیں رکھنے والے دنیا کے انتہائی ترقی یافتہ ممالک بہ شمول امریکہ کی قدیم فوٹو گرافک تنظیموں کے مقابلے میں درجہ اول کے اس اعزاز کا پانا بلاشبہ "لن سلائیٹ" کے لئے قابل تعریف اور قابل فخر ہے اس سے قبل بھی "لن سلائیٹ" نے شری این - بھگوان داس کی ادارت میں آندھرا پردیش فیڈریشن آف فوٹو گرافرس کے سرکاری ترجمان کی حیثیت سے جس مقابلے میں بھی حصہ لیا، ایوارڈ حاصل کئے - یہ تیسرا موقع ہے کہ اعلی ترین ایوارڈ پانے والوں میں یہ پرچہ سر فہرست ہے

آندھرا پردیش کی ریاست ہندوستان کی پہلی ریاست ہے جہاں سٹیٹ اکیڈمی آف فوٹو گرافی کا قیام عمل میں آیا -

وزیر اعظم کا ۲۰ - نکاتی

معاشی پروگرام

ریاست کی پیش رفت

۱ - اشیائے ضروریہ کی قیمتوں میں کمی کرنے کے لئے اقدامات جاری رکھنا، اشیائے ضروریہ کی پیداوار، حصول یابی اور تقسیم کو باقاعدہ بنانا، سرکاری اخراجات میں کڑی کفایت شعاری برتنا -

ضلع کلکٹروں کو خصوصی ہدایات جاری کی گئی ہیں کہ '' آندھرا پردیش اگزیبیشن آف پرایز لسٹس آف گڈس آرڈرس بابت ۱۹۶۶ ع '' کو موثر طور پر نافذ کیا جائے جس کے تحت ہر دوکاندار پر یہ پابندی عائد ہوتی ہے کہ وہ اشیائے ضروریہ کے نرخ اور اسٹاک کے موقف کی فہرست نمایاں طور پر آویزاں کرے۔ چاول کی حصول یابی کے لئے نو لاکھ ٹن کا جو نشانہ مقرر کیا گیا تھا اس میں سے اب تک ۸،۲ لاکھ ٹن حاصل کیا جاچکا ہے۔ بڑے کاشتکاروں کو اپنے ذخائر روک رکھنے اور نتیجتاً بازار میں دھان کی قلیل رسد کا ازالہ کرنے کے لئے حکومت نے ایک اطلاع نامہ جاری کیا ہے جس کے ذریعہ ایسے کاشتکاروں کو جو دس ایکڑ یا اس سے زاید اراضی پر دھان کی کاشت کرتے ہیں یا جن کے پاس ۱۰۰ کنٹل یا اس سے زاید دھان یا اس کی مساوی مقدار میں چاول جمع ہے ، اس بات کا پابند کیا گیا ہے کہ وہ ہر مہینے اپنے اسٹاک کا ڈکلریشن داخل کریں - اس ضمن میں انہیں پہلا ڈکلریشن ۵ - اگست کے اندر داخل کرنا ہوگا جس میں انہیں اپنے اسٹاک کے مقدار کی اطلاع دینی ہوگی - ارزاں فروشی کی دوکانات کے ذریعہ سپلائی کئے جانے والے چاول کی قیمتوں میں حکومت نے کوئی دو روپے فی کنٹل کی کمی کردی ہے۔ ریاست کی سرحدوں سے باہر چاول کی اسمگلنگ کی روک تھام کے لئے بھی سخت اقدامات کئے گئے ہیں ان مختلف تدابیر کی بدولت اناج ، تیل، دالوں اور شکر کی قیمتوں میں کمی کا رجحان پیدا ہوگیا ہے - موٹے چاول کی قیمتوں میں فی کنٹل تقریباً دس روپیے کی کمی ہوئی ہے۔ بعض اضلاع میں تو دام اور بھی گرے ہیں -

غیرمنصوبہ بند شعبے میں سرکاری اخراجات میں کفایت شعاری کے جو اقدامات کئے گئے تھے ان کی بدولت ایک سال سے زیادہ عرصہ ہوتا ہے کہ ریاست نے کوئی اوور ڈرافٹ حاصل نہیں کیا ہے -

۲ - زرعی اراضی کی حد بندی ، فاضل اراضی کی تیز رفتار تقسیم اور اراضی سے متعلق ریکارڈ کی تیاری

چیف منسٹر

قانون اصلاحات اراضی آندھرا پردیش (زرعی مقبوضوں کی حد بندی بابت ۱۹۷۳ ع) کے تحت جو ریاست میں یکم جنوری ۱۹۷۵ ع سے نافذ کیا گیا ہے ، اب تک تقریباً ۲،۳ لاکھ ڈیکلریشن داخل کئے جاچکے ہیں - پچاس ہزار سے زاید ایسے قابضین اراضی کے نام جنہوں نے ابھی تک ڈیکلریشن داخل نہیں کئے ہیں - نوٹسیں جاری کی گئی ہیں مذکورہ قانون کی عمل آوری کے لئے تین سو سے زاید نائب تحصیلدار اور ساٹھ سے زاید ٹریبیونل مقرر کئے گئے ہیں - قانون کے نفاذ پر تیزی سے عمل ہورہا ہے۔

۳ - بے زمین اور کمزور طبقات کو تعمیر امکنہ کے لئے زمینات فراہم کرنے کے کام میں سرعت -

مکانات کی تعمیر کے لئے ہریجنوں کو زمینات دینے کا ایک قانون اس ریاست میں نافذ العمل ہے۔ جہاں کہیں سرکاری زمینات دستیاب ہیں ، تعمیر امکنہ کی غرض سے کمزور طبقات کے حوالے کردی جاتی ہیں - اور جہاں کافی سرکاری زمینات نہیں ہیں وہاں قانون تحصیل اراضی کے تحت نجی طور پر گفت و شنید کے ذریعہ زمینات حاصل کی جارہی ہیں - اس مقصد کے لئے گزشتہ سال ۱،۵ کروڑ روپیوں کی گنجائش رکھی گئی تھی جسے بڑھا کر اس سال

۲,۵ کروڑ روپیے کردیا گیا ہے۔ حکومت ہند سے بھی مزید ۵,۰ کروڑ روپیہ دینے کی گذارش کی گئی ہے تاکہ سال رواں کے دوران میں مزید ایک لاکھ خاندانوں کو اس پروگرام سے مستفید ہونے کی گنجائش فراہم کی جاسکے اسے مزید وسعت دینے کے لئے چند اور تجاویز بھی زیر غور ہیں۔ کھیت مزدوروں اور صناعوں کو دیہی علاقوں کی ایسی خانگی زمینات پر رہن سہن کے حقوق عطا کرنے کے لئے جہاں مکانات بنوا کر وہ قابض ہیں، مجلس قانون ساز میں ایک مسودۂ قانون، پیش کیا جاچکا ہے۔ جو فی الوقت دونوں ایوانوں کی مشترکہ سلکٹ کمیٹی کے زیر غور ہے۔

۴ ۔ جبری محنت کا جہاں کہیں بھی رواج ہے اسے غیر قانونی قرار دیا جانے کا ۔

عام طور پر ریاست میں جبری محنت کا رواج نہیں ہے۔علاقہ آندھرا کے ایجنسی علاقوں میں جہاں، بعض صورتوں میں جبری محنت کے رواج کی اطلاع ملی تھی، جبری محنت سے متعلق پہلے ہی سے ایک قانون موجود ہے۔ تاہم ریاستی حکومت پھر سے پوری صورت حال کا جائزہ لے رہی ہے۔ اور ریاست میں کہیں بھی اور کسی صورت میں بھی موجود جبری محنت کے خاتمے کے لئے قانون بنانے پر غور کررہی ہے۔

۵ ۔ دیہی قرضوں کے خاتمے کے لئے منصوبہ سازی اور بے زمین مزدوروں، چھوٹے کسانوں اور صناعوں سے قرضوں کی وصولی کے التوا کے لئے قانون کی تدوین ۔

ریاست کے آندھرا اور تلنگانہ دونوں علاقوں میں زرعی قرض داروں کی امداد کے لئے پہلے ہی سے قوانین نافذ العمل ہیں تاہم قرضوں سے نجات دینے کے لئے ۔ اس ضمن میں بعض اور تدابیر پر بھی سرگرمی کے ساتھ غور ہورہا ہے۔ کمزور طبقات کے فائدے کے لئے خانگی قرضوں کے بجائے، ریاستی حکومت ادارہ جاتی قرضوں کو رواج دینے کی تجویز کا خیر مقدم کرتی ہے اس دوران میں حکومت ہند نے چھوٹے اور مارجنل کسانوں کو قرضوں کی فراہمی میں تیزی نیز ان کی معاشی ترقی کے لئے ایک پروگرام مرتب کرنے کی غرض سے دو اسکیمیں شروع کی ہیں۔ ایک اسکیم، چھوٹے کسانوں کی ترقی کے لئے اور دوسری اسکیم مارجنل کسانوں اور کھیت مزدوروں کے فائدے کے لئے ہے۔ چوتھے منصوبے کے دوران میں چھوٹے کسانوں کی بہبود کے لئے ریاست میں تین ایجنسیاں قائم کی گئیں ۔ ایک ضلع سریکاکلم میں ایک ضلع کڑپہ میں اور ایک ضلع نلگنڈہ میں اس کے علاوہ کھیت مزدوروں اور مارجنل کسانوں کی ترقی کے لئے ضلع وشاکھاپٹنم اور ضلع نلگنڈہ میں بھی ایک ایک ایجنسی قائم کی گئی مذکورۂ صدر ایجنسیوں کو حکومت ہند نے ۳۱ ۔ مارچ ۱۹۷۵ء تک جملہ ۲۶۵,۹۶ لاکھ روپیے کی رقمی امداد دی اور ریاستی حکومت کی جانب سے ۵۰ لاکھ روپیے دئے گئے ۔ مئی ۱۹۷۵ء تک اس سلسلے میں خرچ کی جانے والی جملہ رقم ۲۹۴,۳۵ لاکھ روپیے ہے ۔ حکومت ہند نے پانچویں منصوبے کے دوران بارہ نئے پروجکٹ منظور کئے ہیں ۔ ریاستی حکومت حسب ذیل اضلاع میں یہ پروجکٹ شروع کرے گی ۔

۱ ۔ مشرقی گوداوری ۲ ۔ کرشنا ۳ ۔ گنٹور ۔ ۴ ۔ نیلور ۵ ۔ پرکاشم ۶ ۔ حیدرآباد ۷ ۔ کریم نگر ۔ ۸ ۔ میدک ۔ ۹ ۔ ورنگل ۱۰ ۔ نظام آباد ۱۱ ۔ کھمم ۱۲ ۔ عادل آباد ۔

ان میں سے ہر پروجکٹ کے لئے مرکز کی جانب سے پانچ سال کے دوران میں ۱۵۰ لاکھ روپیوں کی امداد دی جائے گی ۔ جن سے ۵۰ ہزار چھوٹے کسانوں مارجنل کسانوں اور کھیت مزدوروں کو فائدہ پہنچے گا۔ ۱۹۷۴-۷۵ء کے دوران میں ریاستی حکومت نے حسب ذیل اضلاع میں چھوٹے کسانوں کی ترقی کے لئے چھ ایجنسیوں کے قیام کے احکام جاری کئے ہیں :-

۱ ۔ عادل آباد ۔۲۔حیدرآباد ۔۳ ۔ نیلور ۔ ۴ مشرقی گوداوری ۵ ۔ کھمم ۶ ۔ میدک سال رواں کے دوران میں حسب ذیل اضلاع میں چار پروجکٹ قائم کرنے کی تجویز ہے۔ کریم نگر (۱) نظام آباد (۱) ورنگل (۱) اور پرکاشم (۱) ریاستی حکومت نے زرعی سرگرمیوں کی مالی اعانت کے لئے قلیل مدتی امداد باہمی قرض کی رقم میں اضافہ کرنے کا بھی تصفیہ کیا ہے اس سال موسم خریف کے لئے ۴۲ کروڑ روپیوں کا نشانہ مقرر کیا گیا ہے۔ جب کہ گزشتہ سال ان قرضوں کی رقم ۳۲ کروڑ روپیے تھی اب تک ۲۵ کروڑ روپیے تقسیم کئے جاچکے ہیں جب کہ پچھلے سال اتنی ہی مدت میں ۱۸ کروڑ روپیے تقسیم کئے گئے تھے۔ اس کے برخلاف قلیل مدتی محکمہ جاتی قرضوں کے طور پر تقسیم کی جانے والی رقم ۵ کروڑ روپیوں تک پہنچ گئی ہے ۔ جب کہ گزشتہ سال اتنی ہی مدت میں اس رقم کی مقدار صرف ۸۰ لاکھ روپیے تھی ۔

۶ ۔ اقل ترین زرعی اجرتوں کے متعلق قوانین پر نظر ثانی ۔

زرعی روزگار کے حالات کی جانچ اور کھیت مزدوروں کی اقل ترین اجرتوں کے تعین کے بارے میں حکومت کو مشورہ دینے کے لئے ۱۹۷۱ء میں ایک کمیٹی مقرر کی گئی تھی ۔ اس کمیٹی نے اقل ترین اجرتوں میں اضافے کے لئے جو تجاویز پیش کی تھیں حکومت نے بڑی حد تک انہیں قبول کرلیا اور اگست ۱۹۷۴ء میں نظر ثانی شدہ اقل ترین اجرتوں کا اعلان کیا گیا ۔ اس پروگرام کی موجودہ اہمیت کے پیش نظر حکومت ہند کے مشورے کی روشنی میں ریاستی حکومت از سرنو پورے موقف کا جائزہ لے رہی ہے۔ اور جلد ہی اپنے فیصلے کا اعلان کرنے والی ہے۔

۷ - مزید ۰ ۵ لاکھ ہیکٹراراضی آب پاشی کے تحت لائی جائے گی اور زیر زمین پانی سےاستفادے کےلئے ایک قومی پروگرام بنایا جائے گا -

وزیراعظم کی تجویز ہے کہ مزید ۰ ۵ لاکھ ہیکٹر اراضی کو آب پاشی کےتحت لایا جائے اور زیر زمین پانی سے استفادے کے لئے ایک قومی پروگرام مرتب کیا جائے - آندھرا پردیش اس پروگرام کی عمل آوری میں نمایاں حصہ لینے کے موقف میں ہے - ناگر جونا ساگر، پوچم پاڈ، تنگبھدرا ہائی لیول کنال اور وسادھر جیسے بڑے پروجکٹوں اور اوسط درجے کے دوسرے پروجکٹوں کےتحت سات لاکھ ہیکٹر اراضی کو سیراب کیاجاسکتا ہے - ریاستی حکومت نے اس سال آب پاشی کے لئے منصوبے میں ۹۴ کروڑ روپیوں کا اضافہ کیا ہے اور ساتھ ہی پروجکٹوں کی بہ عجلت تکمیل نیز پانچویں منصوبے کی مدت میں ذرائع آبپاشی کی توسیع کے لئے زاید مرکزی امداد کا بھی مطالبہ کیا ہے - پس ماندہ علاقوں کے لئے خصوصی امداد کے تحت نو کروڑ روپیوں کے زاید اخراجات کی فراہمی کے نتیجے میں چھوٹی آبپاشی کے پروگرام کو بھی بڑھاوا ملا ہے -

زیر زمین پانی سے استفادے کے لئےبھی اقدامات عمل میں لائے گئے ہیں اس سلسلے میں ریاست کے اندر موجود قابل لحاظ امکانات کوکام میں لانے کی غرض سے ، ان اقدامات کوجاری رکھا جائےگا - زیر زمین پانی سے تجارتی انداز میں استفادے کے لئے آندھراپردیش اسٹیٹ اریگیشن ڈیولپمنٹ کارپوریشن قائم کیا گیا ہے - اسٹیٹ گراؤنڈ واٹر بورڈ کو تسلیم کرلیا گیا ہے - زیر زمین پانی کا پتہ چلانے کے نادر طریقوں کے ذریعہ سروے عمل میں لایا جارہا ہے -

۸ - برقی قوت کی پیداوار کا تیز رفتار پروگرام - سوپرتھرمل اسٹیشنوں پر مرکز کا کنٹرول -

ریاست میں بڑھتی ہوئی مانگ کو پورا کرنے کےلئے حسب ذیل پانچ اہم پروجکٹوں کو پانچویں پنجسالہ منصوبے کےدوران میں روبہ عمل لانے کی تجویز ہے -

۱ - لوور سیلر وھائیڈرو الکٹرک اسکیم ۴۰۰ (میگاواٹ)
۲ - کتہ گوڑم تھرمل پاور اسٹیشن اکسٹنشن اسکیم ۲۰ ۱۱ (میگا واٹ)
۳ - سری سیلم ھائیڈرو الکٹرک اسکیم ۴۰ ۱۱ (میگاواٹ)
۴ - ناگر جونا ساگر ھائیڈرو الکٹرک اسکیم ۱۱۰ (میگاواٹ)
۵ - وجئے واڑہ تھرمل پاور اسکیم ۲۰۰ (میگاواٹ)

۷۶-۱۹۷۵ ع کے دوران میں برقی توت کی پیداوار کے ریاستی اخراجات کو بڑھا کر ۵٫۵۳ کروڑ روپیہ کردیا گیاہے- چونکہ یہ رقم بھی ناکافی ہے اس لئے حکومت ہند سے ۱۲٫۴ کروڑ روپیوں کی امداد کے لئے درخواست کی گئی ہےتاکہ کچے مال کی قیمتوں اور اجرتوں وغیرہ میں اضافے کے باعث ہونے والے زاید اخراجات کی پابجائی ہوسکے -

ریاستی حکومت نے مرکزی شعبے کے تحت راما گنڈم یا کتہ گوڑم میں ایک سوپر تھرمل اسٹیشن کے قیام کی ضرورت پر بھی زور دیا ہے- مرکزی حکومت نے ریاستی حکومت کومطلع کیا ہے کہ سنٹرل الکٹریکل اتھارٹی کو مجوزہ پروجکٹ کا تفصیلی جائزہ لینےکی ھدایت کی گئی ہے-

۹ - دستی پارچے کے شعبے کی ترقی کے لئے جدید ترقیاتی منصوبہ -

۱۰ - کپڑے کےمعیار اور عام لوگوں کے استعمال کے کپڑے کی سربراھی میں بہتری -

جب سےیہ طے پایاہےکہ کنٹرول کےتحت کے کپڑےکی بعض اقسام کو بالکلیہ شعبہ ھنڈلوم کے لئے مختص کردیا جائے جنوبی ہند کی ریاستوں کے ھینڈلوم کےوزراء نے اس سلسلہ میں وزیراعظم اور مرکزی وزیر تجارت سے بات چیت کی ہے- مرکزی امداد سے روبہ عمل لائی جانے والی چند نئی اسکیموں پر بھی حکومت ھند غور کر رھی ہے- اس اثناء میں جمع شدہ کپڑے کی نکاسی کے لئے حکومت نے ''اپیکس ،، اور ابتدائی سوسائیٹیوں کےنام احکام جاری کئے ہیں کہ جمع شدہ کپڑوں کو کم نرخوں پر فروخت کردیا جائے اسکی وجہ سے جو نقصان ہو، دس فیصد کی حدتک اس کی پابجائی میں ریاستی حکومت مدد دےگی - شعبہ امداد باھمی سے باھر کےاداروں میں جمع شدہ کپڑے کی نکاسی کے لئےحال ہی میں قائم شدہ اسٹیٹ ٹکسٹائیل کارپوریشن اقدامات عمل میں لائے گا- اس کارپوریشن کے زیر غور جو اقدامات ہیں ان میں صنعت ریشم سازی کی ترقی، کپڑےکی چھوٹی ملوں اور سرکاری فیکٹریوں وغیرہ کا قیام بھی شامل ہے-

۱۱ - شہری اراضی اور ایسی اراضی کو جو شہری بنائی جاسکے قومی ملکیت میں لینا - افتادہ اراضی کے قبضوں کی ملکیت اور رھائشی یونٹوں کے تعمیری رقبے کی حدبندی -

ریاستی حکومت نے بہت دنوں قبل یعنی ۱۹۷۲ ع میں ایک قانون بنایا تھا جس کی رو سے افتادہ شہری اراضی کی منتقلی ممنوع قرار دی گئی تھی تاکہ بعد میں شہری جائداد کی حد بندی نافذ کی جاسکے - اس موضوع پر ، اب مرکزی قانون کا انتظار ہے-

۱۲ - مشتبہ عمارتوں کی مالیت مشخص کرنے کے لئے خصوصی اسکواڈز کی تشکیل اور محصول کی چوری کی روک تھام معاشی خطا کاروں کےخلاف سرسری عدالتی کارروائیاں اور عبرتناک سزائیں

اسٹامپ ڈیوٹی محصول کا ایک ایسا صیغہ ہے جہاں جائداد

کی مالیت کو کم ظاہر کرکے محصول کی چوری کے کافی احتمالات ہیں - چنانچہ رجسٹری کرنے والے حکام کو جائداد کی اصل مالیت کی اساس پر اسٹامپ ڈیوٹی وصول کرنے کے قابل بنانے کے لئے ریاست کی مجلس قانون ساز نے ہندوستانی اسٹامپ ایکٹ میں ترمیم منظور کرلی ہے جس کو ۱۶ اگست ۱۹۷۵ع سے نافذ کیا گیا ہے -

۱۳ - اسمگلروں کی جائداد کی ضبطی کے لئے خصوصی قوانین کی تدوین -

۱۴ - سرمایہ کاری کے طریقہ کار میں اصلاحات اور درآمدی لائسنسوں کے غلط استعمال کے خلاف کارروائی -

ان امور میں زیادہ تر مرکزی سطح پر کارروائی ہونی چاہئے لیکن ریاستی حکومت بھی مرکزی حکومت کے ساتھ بھرپور تعاون کرے گی اور اس سلسلے میں جو اقدامات عمل میں لائے جائیں گے ان میں، ریاستی حکومت، مرکزی اداروں کی پوری اعانت کرے گی -

۱۵ - صنعتی اداروں میں مزدوروں کی شرکت -

حال ہی میں وزرائے محنت کے ایک اجلاس منعقدہ دہلی میں اس امر پر اتفاق کیا گیا کہ انتظامیہ اور ملازمین کے نمائندوں پر مشتمل پیداوار اور فروخت دونوں سطحوں پر مشاورتی مجالس قائم کی جائیں - آندھرا پردیش غالباً ان چند ریاستوں میں سے ایک ہے جہاں اس بات کو پہلے ہی اصولاً تسلیم کیا جاچکا ہے اور ایک کمپنی کے بورڈ آف ڈائرکٹرز میں ایک ملازم کو بحیثیت ڈائرکٹر مقرر بھی کیا گیا ہے - مشاورتی مجالس کی ہیئت ترکیبی اور ان کے طریقہ کار کے متعلق تفصیلات کی تیاری کا کام جاری ہے -

۱۶ - روڈ ٹرانسپورٹ کے لئے قومی پرمٹ اسکیم مال بردار گاڑیوں کی کل ہند آمد و رفت کے لئے ایک مکمل زون اسکیم -

اس کا رواج بین ریاستی کمیشن برائے حمل و نقل کے زیرغور ہے - ریاستی حکومت نے اس اسکیم کے نفاذ سے اصولی طور پر اتفاق کرلیا ہے اور یہ تجویز پیش کی ہے کہ اس اسکیم کو پرمٹوں کی تعداد پر کسی پابندی کے بغیر رائج کیا جائے البتہ اس محصول میں کمی کی جائے جو ایک آپریٹر کو اپنی ریاست کے باہر ہر اس ریاست میں ادا کرنا پڑے گا جہاں سے اس کی گاڑی گزرے گی - یہ مسئلہ حکومت کے زیر غور ہے - دریں اثناء اس ریاست اور بعض دوسری ریاستوں کے درمیان ایک مشترکہ پرمٹ اسکیم پر عمل آوری پہلے سے ہی جاری ہے -

۱۷ - متوسط طبقے کو انکم ٹیکس میں رعایت -

۱۸ - اقامت خانوں کے طلبہ کے لئے کنٹرول نرخوں پر اشیائے ضروریہ کی فراہمی -

طلبہ کے اقامت خانوں کے لئے امدادی پروگرام کے اعلان سے قبل ہی کلکٹروں کو ان اقامت خانوں کا بطور خاص خیال رکھنے کے احکام دئے گئے تھے - کلکٹروں سے کہہ دیا گیا ہے کہ وہ چاول کے مختص کردہ کوٹے میں سے طلبہ کے اقامت خانوں کے لئے چاول کی ایک معقول مقدار علحدہ محفوظ رکھیں - اور اس امر کی ضمانت کریں کہ اقامت خانوں کے پورے طلبہ کو درکار غلہ اور شکر وغیرہ جیسی ضروری اشیاء کنٹرول نرخوں پر ملتی رہیں -

۱۹ - کنٹرول نرخوں پر کتابیں اور اسٹیشنری -

پچھلے برسوں کے دوران میں چھپنے والی درسی کتابوں کی اوسط تعداد ۶۰ لاکھ تھی - ۱۹۷۵-۷۶ع میں ۱۰۰ لاکھ قومیائی ہوئی کتابوں کے چھپوانے کا پروگرام ہے یعنی پچھلے برسوں کی اوسط تعداد سے ۴۰ فیصد زاید کتابیں چھاپی جائیں گی - طباعت کا پورا کام ٹکسٹ بک پریس کے حوالے کیا گیا ہے - ۸۰ لاکھ کتابیں طباعت کے بعد علاقائی سیلز ڈپوز کو، اب تک سربراہ کی جاچکی ہیں اور توقع ہے کہ اگست ۱۹۷۵ع تک باقی ماندہ تعداد کی طباعت بھی مکمل کرلی جائے گی - کتابوں کی تقسیم کے طریقے کو بھی حکومت بہتر بنارہی ہے - تا کہ طلبہ کو وقت پر کتابیں مل سکیں اور کتابوں کی مصنوعی قلت کو دور کیا جاسکے - درج فہرست اقوام و قبائل سے تعلق رکھنے والے طلبہ کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے خصوصی انتظامات عمل میں لائے گئے ہیں - نوٹ بکس، تیار کرنے والی رجسٹرڈ اسوسی ایشنوں کو کنٹرول نرخ پر کاغذ فراہم کیا جاتا ہے جو محکمہ تعلیمات کی جانب سے مقرر کی ہوئی قیمتوں پر نوٹ بکس سربراہ کرتے ہیں اور محکمہ ان پر نگرانی رکھتا ہے -

۲۰ - روزگار اور تربیت کے مواقع میں اضافے کے لئے جدید تربیتی اسکیم خاص طور پر کمزور طبقات کے واسطے -

حالانکہ اپرنٹیس شپ ایکٹ چند برسوں سے نافذ ہے لیکن مختلف یونٹوں میں اپرنٹسوں کی کھپت کی رفتار تشفی بخش نہیں رہی ہے جس کے مختلف وجوہ ہیں - اب پورے موقف پر نظرثانی کے بعد نقائص کے ازالے کے لئے اقدامات کئے جارہے ہیں تا کہ ۴۰ فی صد کی موجودہ سطح میں آئندہ خاطر خواہ اضافہ کیا جاسکے -

گاندھی جی

عصر حاضر کی ایک عظیم شخصیت

پی۔ رنگا ریڈی

گجرات کے ایک کم معروف قصبے پور بندر میں آج سے ۱۰۷ برس پہلے ایک بچے نے جنم لیا ۔ ایک بچے کی پیدائش کونسی خاص بات ہے اس میں ۔ جبکہ اس دھرتی پر لاکھوں کروڑوں بچے پیدا ہوتے آئے ہیں ـ لیکن اس بچے اور دوسرے بچوں میں زمین و آسمان کا فرق تھا ـ اسکی پیدائش کے واقعے کا شمار دنیا میں ہونے والے ان واقعات میں ہوتا ہے جو عظیم کہلاتے ہیں ۔ اس بچے کی قسمت میں انسانی انداز فکر میں تبدیلی لانا اور ایک نئی تاریخ بنانا لکھا تھا ۔ اس نے جو نقش قدم اپنے پیچھے چھوڑے ہیں ان کو وقت اور زمانے کی رفتار مٹا نہیں سکتی ۔ گاندھی جی کی سوانح عمری ہمارے لئے ایک معجزہ تو ہو سکتی ہے لیکن کوئی قصہ کہانی نہیں ۔ انکی روحانیت کی مشعل قرنوں تک روشن رہے گی ۔

گاندھی جی کا پیام ایک آفاق پیام ہے ۔ وہ ہر قسم کے سماجی امتیازات اور معاشی عدم مساوات کے مخالف تھے ۔ وہ ہمارے زمانے کے عظیم ترین انقلابی اور محکوموں کے نجات دھندہ تھے ۔

مادیت اور روحانیت کا تال میل گاندھی جی کی جانب سے دنیا کے مفکرین کو دیا ہوا ایک بے مثل عطیہ ہے ۔ اگر دنیا ان کے بتائے ہوئے راستے پر چلے تو امن عالم کا حصول جس کے ہم سب خواہاں ہیں کوئی مشکل بات نہ رہے ۔ انہوں نے ہم کو نہ صرف سیاسی آزادی سے ہمکنار کیا بلکہ کچلے ہوئے انسانوں کی فلاح و بہبود کے لئے انکی مسلسل جدو جہد کے ذریعہ ایک سماجی انقلاب کی داغ بیل بھی ڈالی ۔ انہوں نے اقتصادی معاملات اور روزمرہ کے مسائل کے بارے میں ہمارے نقطہ نظر اور انداز فکر میں ایک عظیم تبدیلی پیدا کی۔

عام بیداری

گاندھی جی کی نظروں میں "اھمسا" کے معنی

"سرودیہ" کے نوے ...ی سب کی بھلائی ۔ گاندھی ج...
تصور میں "سرودیہ" سے بڑھکر سوشلزم کی کوئی او...
نہیں ہوسکتی ۔ ان کے پیش نظر ہر ایک کی فلاح و...
تھی ۔ باپو کا مقصد حیات ، عرفان حق تھا ۔ انہوں نے اس...
پر زور دیا کہ اگر ہم واقعی خدا کے عرفان کی تمنا رکھتے...
تو ہم کو چاہئے کہ اس کی مفلس ترین مخلوق "دریدرنارا...
کی خدمت کریں ۔ وہ اتحاد ۔ مساوات اور محنت کی حرمت و...
پر ایمان رکھتے تھے ۔ وہ تمام فرقوں ، جاتیوں اور مختلف...
رکھنے والوں کا اتحاد چاہتے تھے ۔ گاندھی جی نے کہ...
"میں تم کو ایک طلسم بتاتا ہوں ۔ اگر کبھی تمہار...
میں کوئی شبہ پیدا ہو تو یہ نسخہ استعمال کرو کہ ایک
مفلس ترین اور کمزور ترین شخص کا چہرہ اپنے تصو...
لاؤ جسے کبھی تم نے دیکھا ہو پھر اپنے آپ سے سوال کر...
جو قدم تم اٹھانے والے ہو کیا اس کی بدولت اس شخص...
بھلا ہوسکتا ہے ۔ تب ایسا ہوگا کہ تمہارا شبہ اور ت...
ذات دونوں درمیان سے ہٹ جائیں گے "۔

گاندھی جی کا تعمیری لائحہ عمل سہ رخی تھا ۔ ک...
کا پروگرام اس کا اقتصادی پہلو تھا اور چھوت چھ...
خاتمہ اور شراب نوشی کی برائی کا انسداد اس کے سماج...
اخلاقی پہلو تھے ۔ مہاتما جی نے اعلان کیا تھا کہ "میر...
ایسے ہندوستان کے لئے کام کروں گا جس میں غریب سے...
لوگ بھی ایسا محسوس کریں گے کہ یہ دیس ان کا اپنا دیش...
جس کی تعمیر میں ان کی آواز کو ایک موثر حیثیت حاصل...
ایک ایسا ہندوستان جس میں عوام کا نہ کوئی اونچا طبقہ
اور نہ کوئی نچلا طبقہ ۔ ایک موقع پر انہوں نے واضح ک...
کہ "معاشی مساوات کے معنی یہ کبھی نہیں ہوسک...

باقی صفہ

ہمارے سماج میں عورتوں کا مرتبہ و مقام

جی ۔ وینکل راؤ

ادارۂ اقوام متحدہ نے سنہ ۱۹۷۵ ع کو خواتین کا بین الاقوامی سال قرار دیتے ہوئے اقوام عالم سے اپیل کی ہے کہ وہ ہر جگہ کی خواتین کی فلاح و ترقی کے لئے سرگرمی کے ساتھ کام کریں ۔ عورتوں اور مردوں کے درمیان مساوات ایک دوسرے کا بہتر ادراک ، قومی تعمیر کے کاموں میں عورتوں کے اشتراک کی ہمت افزائی اور بین الاقوامی امن کے حصول کیلئے خواتین کی سرگرمیوں کا اعتراف ، یہ ہیں چند اہم مقاصد جو اقوام متحدہ کی اپیل میں شامل ہیں ۔ تمام قوموں اور ملکوں نے اس اپیل کا خیر مقدم کیا ہے اور ان مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے مختلف پروگراموں کو روبہ عمل لانے کا فیصلہ کیا ہے ۔ عورتوں کی فلاح و بہبود کی تحریک جو ایک صدی قبل شروع ہوئی تھی اب زور پکڑ گئی ہے ۔ آج عورت معاشی سائنسی تعلیمی اور سماجی میدانوں میں آگے بڑھ رہی ہے ۔ تحریک بہبودی خواتین کا منشا عورتوں اور مردوں میں مساوات کا قیام ہے ۔ اقوام متحدہ میں سنہ ۱۹۶۷ ع میں ایک قرارداد منظور کی گئی تھی جس میں عورتوں کے خلاف امتیازی سلوک کو ختم کرنے کو کہا گیا تھا اور ان کے ساتھ کی جانے والی نا انصافیوں کی مذمت کی گئی تھی ۔ سماج سدھار کی جانب یہ قرارداد ایک اہم پیش رفت تھی ۔

تاریخ کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ عہد قدیم میں عورتیں خاندان کی سربراہ ہوا کرتی تھیں ۔ "گارگی" اور "میتری" جیسی خواتین نے اس سر زمین کے ثقافتی ورثے میں زبردست اضافہ کیا ہے ۔ اس زمانے میں عورت کا درجہ مرد کے برابر ہوتا تھا ۔ اس کے بعد سے بہت سی تبدیلیاں ہوئی ہیں بتدریج مختلف اقسام کے توہمات نے مذہب پر برتری حاصل کرلی جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ آخر کار مرد کے تکبر نے عورت کو محکوم بنالیا ۔

عورت کا جائز مقام :

راجہ رام موہن رائے ، ایشور چندر ، ودیا ساگر ، کیسب چندر سین ، پنڈتا راما بائی اور دوسروں نے ان برائیوں کو ختم کرنے میں بڑی حد تک کامیابی حاصل کی اور عورتوں کی ترقی کے لئے راستہ ہموار کردیا ۔

تلگو علاقے میں کندو کوری ویر سالنگم نے عورتوں کی بھلائی کے کاموں میں اپنی پوری زندگی لگادی ۔ کم عمری اور زبردستی کی شادیوں کی مخالفت ، تعلیم نسواں کی ہمت افزائی ، بیواؤں کی دوبارہ شادی اور آزادی نسواں ان کے مشن کے مقاصد تھے ۔ حالانکہ ہندوستانی تمدن میں عورت کا درجہ متعین کردیا گیا تھا لیکن پھر بھی اس کی حیثیت اور مرتبے سے ایک نسل کے بعد دوسری نسل کو واقف کرانا چاہتے تھا تاکہ ہمارے سماج میں اس کے جائز مقام کی ضمانت حاصل ہوجاتی ۔ تغیر پذیر سماج میں اقتصادی اور سماجی حالات نے بہت سے مسائل پیدا کردئے ہیں ۔ ان مسائل کو صرف اسی وقت حل کیا جاسکتا ہے جبکہ مختلف قوموں ، معاشروں اور افراد کے درمیان ایک دوسرے کے لئے خیر سگالی اور رواداری کے جذبات موجود ہوں ۔ بہبودی خواتین کا مسئلہ ایک ازلی مسئلہ ہے جو پوری نسل انسانی کی توجہ کا مستحق ہے ۔

بہبودی خواتین کا کام ہمارے سماج میں بدلتے ہوئے اقتدار کا ایک جزو لاینفک ہے ۔ خاندان کے اندر عورت کا اپنا ایک خصوصی مقام ہوتا ہے لیکن اس کے یہ معنے نہیں ہیں کہ وہ گھر کی چار دیواری میں مقید کردی جائے ۔ اس کے اس خصوصی مقام کی جھلک ہر اس کام میں پائی جاتی ہے جو وہ ایک ماں ایک بہن اور سب سے بڑھکر ایک "ہمدم و ہمساز" کی حیثیت سے انجام دیتی ہے اور اس طرح اس کی ہستی اپنے

شریک حیات سے ایک درجہ بلند ہوجاتی ہے ۔

بدلتے ہوئے حالات :

خواتین کی فلاح و بہبود میں بدلتے حالات اور ماحول کے باعث رکاوٹیں پیش آتی ہیں اور ان کو بہت سے صبر آزما مرحلوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے ۔ ابھی ایسے حالات پیدا نہیں کئے جاسکے ہیں جو عورت کے لئے گھر کی چار دیواری سے باہر کام کرنے میں ساز گار ہوں تاکہ وہ اپنے گھر کی اقتصادی ترقی میں ہاتھ بٹاسکے ۔ بچپن کی شادی ، جہیز کی رسم اور جائداد میں حصے سے محرومی وغیرہ چند ایسے مسائل ہیں جو اب بھی اس کے لئے وبال جان بنے ہوئے ہیں ۔ ان سماجی برائیوں کے خاتمے کے لئے حکومت کی جانب سے اقدامات رو بعمل لائے جارہے ہیں ۔ لیکن ان برائیوں کو محض قانون اور قاعدے بناکر ختم نہیں کیا جاسکتا ۔ انفرادی طور پر ہر خاندان کو چاہئے کہ وہ ان مسائل کو سمجھے اور انسانی ہمدردی کے تحت ان کی یکسوئی کرے ۔ حکومت نے سماجی بھلائی کے لئے جو مختلف تدابیر اختیار کی ہیں ان سے کمزور طبقات مستفید ہورہے ہیں ۔ ہریجنوں ، گریجنوں اور سماج کے دوسرے کمزور طبقات کی خواتین کے فائدے کے لئے ان تدابیر کو مختلف رضاکار تنظیمیں متعدد اسکیموں کے ذریعے روبعمل لارہی ہیں۔تعلیمی ادارے ، روزگار فراہم کرنے والے پرو جکٹ مہیلا منڈلیاں ، سروس ہومز ، اپاھج گھر اور فنی تربیت کے مراکز عورتوں کے معیار زندگی کو بلند کرنے میں بڑی حد تک معاونت کر رہے ہیں ۔ ناری سدھار کے رضاکارانہ ادارے ، دیہی مہیلا منڈلیاں ، کمیونٹی ڈیولپمنٹ سنٹر ، اور دیہی صنعتی تربیتی مراکز متوسط طبقے کی دیہاتی عورتوں کے لئے ایک ایسا ماحول پیدا کر رہے ہیں جس میں وہ خود کو محفوظ محسوس کرسکیں ۔ مختلف حرفتوں میں تربیت یافتہ خواتین کی امداد کے لئے حکومتوں اور بینکوں کی جانب سے قرضوں وغیرہ کی صورت میں مالی اعانت فراہم کی جارہی ہے ۔

مرکزی حکومت نے بین الاقوامی سال خواتین کے پیش نظر خواتین کے حالات کا جائزہ لینے کے لئے وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی کی صدارت میں ایک کمیٹی قائم کی ہے ۔ اس کمیٹی کی سفارشات کو رو بعمل لانے کے لئے ایک دوسری کمیٹی ضروری اقدامات کررہی ہے ۔

آندھرا پردیش میں :

حکومت آندھرا پردیش نے بھی ایک کمیٹی قائم کی ہے جس کی صدر نشین شریمتی راجہ لکشما ہیں اور ڈائرکٹر محکمہ بہبودی خواتین و اطفال اس کی معتمد ہیں جو محکمے کی نگرانی میں چلنے والے اداروں ، سروس ہومز ، بال واڑیوں اور بیواؤں نیز بے سہارا عورتوں کے خدمتی اداروں کی کارکردگی کا جائزہ لیگی اور ان کی بہتری کے لئے سفارشات پیش کریگی ۔ خواتین کو مختلف کاموں کی تربیت دی جارہی ہے تاکہ وہ بعد میں آزادانہ زندگی گزار سکیں اور کسی پر بار نہ ہوں ۔

ڈاکٹر ایس ۔ سری دیوی کی صدارت میں ایک کمیٹی قائم کی گئی ہے جو تعلیم نسواں کے پہلوؤں کا جائزہ لیگی اور اپنی رپورٹ تین ماہ کے اندر پیش کرے گی ۔ ریاست میں خواتین کی ترقی اور ان کے مسائل سے نمٹنے کے لئے دس لاکھ روپیوں کے خرچ سے ایک " ادارہ بہبودی خواتین " قائم کرنے کی مساعی جاری ہیں ایسے تمام افراد اور اداروں کی جانب سے جو بہبودی خواتین کی خدمات میں لگے ہوئے ہیں مطلوبہ نتائج کو حاصل کرنے کے لئے بے لوث اور تعمیری خدمت ضروری ہے ۔ یہ سال جس کا انتخاب بین الاقوامی سال خواتین کی حیثیت سے کیا گیا ہے، اس امر کا متقاضی ہے کہ عورتوں کی فلاح و بہبود کی تدابیر اور اقدامات میں ہم استحکام پیدا کریں ۔

* * * * *

سیاست کار عورت کی زندگی

روڑا مستری کے قلم سے

سیاست کاروں ، خصوصاً سیاست کار عورتوں کی زندگی پھولوں کی سیج نہیں ہوتی ۔

دور حاضر میں ، جب کہ اس بات پر زیادہ زور دیا جاتا ہے کہ کسی سیاست کار کا تعلق کس پارٹی سے ہے اور اپنی پالیسیوں اور نظریوں کو منوانے کے لئے اعتسا کے راستے پر چلنا ایک شیوہ بن گیا ہے ، سیاست کاروں کی خیر و عافیت یہاں تک کہ ان کی زندگی بھی ہر وقت خطرے سے دو چار رہتی ہے اور اسی لئے عام لوگوں سے ان کا ربط و تعلق محدود ہو کر رہ جاتا ہے دراں حالیکہ جمہوری نظام میں عوام سے سیاست کاروں کا ربط ضبط از بس نا گزیر ہوتا ہے ۔ کوئی بھی سچا اور دھن کا پکا سیاسی کارکن ، تشدد سے ڈر کر اپنے آپ کو خول میں بند نہیں کرلیتا سیاست کے میدان میں قدم رکھنے والی عورتیں اپنے فرائض اور ذمہ داریوں سے عہدہ برا ہونے کے لئے بے جھجھک آگے بڑھتی ہیں ۔ ان کے سامنے ایک مقصد اور نصب العین ہوتا ہے جسے حاصل کرنے کے لئے جسمانی اور ضعیفی کمزوری بھی ان کے راستے کی رکاوٹ نہیں بنتی ۔ بعض لوگوں کی غلط کاریوں کے باعث سیاست کو خود غرض اور بد طینت اشخاص کی آخری پناہ گاہ سمجھا جانے لگا ہے ۔

سیاست سے وابستہ اس داغ بدنامی کے باوجود عورتوں نے بڑی جرأت و جسارت کے ساتھ اس میدان میں قدم رکھا ہے ، جو کبھی صرف مردوں کے لئے مخصوص گردانا جاتا تھا ۔ عورتوں نے اس غرض و غایت کے ساتھ یہ پیشہ اختیار کیا ہے کہ اسے صاف ستھرا بنایا جائے اور ایمانداری ، سچائی ، حق پسندی ، بے غرضی اور خلوص عمل کے ذریعے اس کے وقار و اعتبار کو بحال کیا جائے ۔ افترا پردازی ، بہتان تراشی ، اور کردار کشی کی مہم نے ہمارے عزائم کو اور زیادہ مضبوط (بہ استثنائے چند) اور ہماری قوت عمل کو اور زیادہ تند و تیز بنا دیا ہے ۔

عملی سیاست :—

حکومت چلانا ، ہم عورتوں کے لئے کوئی نئی چیز نہیں ہے ۔ زمانہ دراز سے ، عورتیں ، براہ راست یا بالواسطہ یہ کام کرتی آئی ہیں ۔ آج صرف اتنا فرق ہوا ہے کہ تعلیم کی ترقی اور سماجی و سیاسی نظام کی تبدیلی کے زیر اثر عورتوں کی سرگرمیوں کا دائرہ ، وسیع تر ہوگیا ہے اور دور سے حکم چلانے کے بجائے اب وہ مردوں کے دوش بدوش برسرکار ہیں اور عملی سیاست کے میدان میں بھی داخل ہوچکی ہیں ۔ عورت چونکہ فطرتاً امن دوست اور عافیت پسند ہوتی ہے اس لئے مرد ، اپنے سارے غرور و تعصب کے باوجود عورتوں کی بات سنتے ہیں اور ہماری موجودگی نہایت معقول اور سنجیدہ اثرات مرتب کرتی ہے ۔ ہمارا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ الگ الگ خیالات و نظریات رکھنے والے لوگ مل جل کر بیٹھیں اور سر پھٹول کے بجائے بات چیت کے ذریعے اپنے اختلافات کو دور کرنے کا راستہ نکالیں ۔ اپنی جانفشانی اور بے لوث خدمات کے ذریعے ہم یہ چاہتی ہیں کہ مرد اپنی توانائیاں تعمیری کاموں میں صرف کریں ۔

فلاحی سرگرمیاں :—

ہر سیاست کار عورت کی زندگی الگ الگ طرح کی ہوتی ہے ۔ اس کا انحصار اس بات پر ہوتا ہے کہ وہ کس قسم کے کام میں اپنے آپ کو مصروف کرتی ہے ۔ عموماً زیادہ تر عورتیں خانگی تعلیمی اور سماجی اداروں سے وابستہ ہوتی ہیں اور ان کے اوقات کا بڑا حصہ ان اداروں کی فلاحی سرگرمیوں کے لئے وقف ہوجاتا ہے ۔ سرکاری خدمات انجام دینے والی عورتوں کو تقریباً دن رات کام کرنا پڑتا ہے ۔ یہی نہیں بلکہ ایسے لوگوں سے ملنے اور ان کی باتیں سننے کے لئے بھی انہیں وقت نکالنا ہوتا ہے جو اپنی اقتصادی پریشانیاں ، طرح طرح کی شکایتیں اور اپنے دکھ درد کی داستانیں سنانے کے لئے ان کے

پاس آتے ھیں ۔ کچھ لوگ ان سے نوکریوں کے لئے سفارشوں کے خواستگار ہوتے ھیں تو کچھ یہ چاھتے ھیں کہ انہیں ایسی صورتیں بتائی جائیں کہ ان کی مالی دشواریاں دور ھوسکیں اور پھر ایسے لوگ بھی ان کے پاس آتے ھیں ، جو ترقی یا تبادلے یا تبادلے کے احکام کی منسوخی کے خواھاں ھوتے ھیں ۔ اس طرح ان کا کام ، ایک ھمہ وقتی کام بن جاتا ھے ۔ اس کے علاوہ انہیں اپنی گھریلو زندگی کے مسائل اور خاندانی ذمہ داریوں سے بھی نمٹنا ھوتا ھے اور اس ضمن میں اکثر ٹکراؤ کی صورت پیدا ھوجاتی ھے اور بہت سی ناخوشگوار باتیں بھی رونما ھوتی ھیں ۔ ایسی صورتوں میں انہیں بہت صبر سے کام لینا ھوتا ھے اور یہ وہ نعمت ھے جو قدرت نے جی کھول کر عورت کو عطا کی ھے ۔ واقعہ یہ ھے کہ ھمارے صبر و تحمل کی کوئی حد نہیں ۔ کتنی فراست اور سلیقہ مندی سے ھمیں کام لینا پڑتا ھے اور کس خوبی اور عمدگی سے عورتیں اپنے گھروں کے پیچیدہ اور مشکل مسائل پر قابو پالیتی ھیں ، وہ صرف کہنے کی بات نہیں اس کا تعلق تجربے اور مشاھدے سے ھے وہ مرد جن کی بیویاں ، سیاست کار ھیں ، اپنے تجربوں کی بنا پر میرے اس ادعا کی توثیق کرسکیں گے ۔

ھم ، کار کشائی کی قائل ھیں ۔ ھمارا مقصد و مدعا چاھے کچھ ھو ، اس کے حصول کے لئے ھم کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھنیں خواہ کتنی ھی دشواریاں ھماری راہ میں حائل ھوں ، ھم بہر حال منزل پر پہنچ کر ھی دم لیتی ھیں ۔ خدا نے ھمیں انہیں تمام خوبیوں اور صلاحیتوں کے پیش نظر یہ انعام عطا کیا ھے کہ ھم بہترین سیاست کار اور مدبر بن سکتی ھیں ۔ جس عمدگی اور خوبی کے ساتھ ھم اپنے مردوں اور اپنے خاندانوں سے نمٹ سکتی ھیں ، اسی کی بدولت نظم و نسق چلانے کے لئے بھی ، ھم ھر لحاظ سے اھل اور موزوں ھیں ۔ ھم سخت بن سکتی ھیں ، نرم بن سکتی ھیں ، جہاں اصولوں کی بات آتی ھے ، ھم اٹل بن سکتی ھیں اور جب حالات متقاضی ھوتے ھیں تو ھم لچکدار بن جاتی ھیں ۔ ھم بے حد پر فن ھوتی ھیں اور انسانی فطرت کا ھمیں پیدایشی علم ھوتا ھے ۔ ھم دوسروں کے جذبات و احساسات کا احترام کرنا جانتی ھیں ، ھم معاف کردیتی ھیں اور بھول جاتی ھیں اور اس طرح ان لوگوں کی مدد کرنے سے بھی ھمیں عار نہیں ھوتا جن سے ھمیں نقصان پہنچ چکا ھو بشرطیکہ ان کی مانگیں اور ان کی خواھشیں، حق بجانب ھوں ۔

بسلسلہ صفحہ نمبر ۷

گاندھی جی

ھر شخص کو دنیوی ساز و سامان مساوی مقدار میں میسر ھو ۔ البتہ اس کے یہ معنی ضرور ھوتے ھیں کہ ھر شخص کو رھنے کے لئے موزوں مکان ملے ۔ کھانے کے لئے متوازن اور کافی مقدار میں غذا ملے اور تن ڈھانکنے کے لئے معقول مقدار میں کھادی ملے ،، ۔ ھم اپنے ملک کو نیا روپ دینے کی کوشش کر رھے ھیں اور یہ بھی ھماری کوشش ھے کہ ھمارا ملک بہ تدریج گاندھی جی کے تصورات سے قریب تر ھوتا جائے ۔

سماج کی فلاح و بہبود ۔

ھمیں یہ یاد رکھنا چاھئے کہ گاندھی جی عمل پر ایقان رکھتے تھے اور ان کے نزدیک زندگی نام تھا ۔ عمل پیہم کا ۔ شاید ھمیشہ سے زیادہ آج ھمیں باپو کے پیام کو سمجھنے کی شدید ضرورت ھے ۔ گاندھی جی نے کہا تھا کہ " اس شخص کو قدرتی طور پر جمہوریت حاصل ھوجاتی ھے جو اپنی مرضی سے اپنے آپ کو تمام انسانی اور خدائی قوانین کی پابندی کرنے کا عادی بنا لیتا ھے ۔ میں انفرادی آزادی کی قدر کرتا ھوں مگر یہ نہ بھولنا چاھئے کہ انسان بہر حال ایک سماجی وجود ھے ۔ اپنی انفرادیت کو سماجی ترقی کے تقاضوں کے مطابق بنانے کا گر سیکھ کر ھی انسان موجودہ موقف تک پہنچا ھے ۔ پورے سماج کی فلاح کے لئے بہ رضاو رغبت سماجی پابندیوں کی اطاعت سے انسان اور سماج دونوں کو فائدہ ھوتا ھے،، ۔ قومی ایمر جنسی کے موجودہ حالات میں گاندھی جی کے یہ الفاظ زبردست اھمیت کے حامل ھیں جبکہ ھم اپنے تمام وسائل کو یکجا کرکے سماجی اور معاشی پیش رفت کی کوشش میں لگے ھوئے ھیں ۔

گاندھی جی آسمان سے نہیں اترے تھے بلکہ وہ ھمارے ملک کے کروڑوں انسانوں میں سے ایک تھے ۔ انہوں نے عوام کی زبان ھی میں اس وقت کے حالات کی جانب عوام کو متوجہ کیا ۔ ان کی سعی و کوشش اور جدو جہد صرف چند دولت‌مند اشخاص کے لئے نہیں تھی ۔ ھمارے سبھی لوگوں کو آزاد ھندوستان میں حاصل ھونے والے تمام موقعوں اور سہولتوں سے استفادے کا مساوی حق ملنا چاھئے ۔ ھماری وزیر اعظم نے جس ۲۰ ۔ نکاتی معاشی پروگرام کا اعلان کیا ھے در اصل اس کا مقصد بھی یہی ھے ۔ ایک گاندھی نے ھم کو سیاسی غلامی سے نکالا ھے ۔ ایک اور گاندھی آج ھماری رھنمائی معاشی منزل کی جانب کررھی ھیں ۔ آئیے کہ ھم اپنے آپ کو اس کا سزاوار ثابت کریں ۔

حمید آرموری

زراف

دنیا کا سب سے اونچا جانور

شاید آپ کو یاد ہوگا کہ مارچ ۱۹۷۴ ع میں نہرو زوالوجیکل پارک ، حیدر آباد میں ایک مادہ زراف منیکا نے ایک بچے کو جنم دیا تھا ۔ انگریزی کے مشہور روزنامے "ہندو" نے تو اس خبر کے ساتھ زراف اور نومولود کی تصویر کو بھی نمایاں جگہ دی تھی اور لکھا تھا کہ اس نومولود کا قد چھ فٹ اور وزن پچاس کیلو ہے ہمارے ملک میں حالت قید میں زراف کے بچے کی ولادت کا یہ دوسرا واقعہ ہے ۔ پورے ملک میں بچوں کو جنم دینے والا یہ واحد جوڑا ہے جس کی میزبانی کا شرف نہرو زوالوجیکل پارک حیدرآباد کو حاصل ہے ۔ یہ جوڑا ، کوئی پانچ سال قبل ممباسہ سے لایا گیا تھا پارک میں زراف کے بچے کی نام رکھائی کی رسم بھی بڑے شاندار پیمانے پر انجام دی گئی ۔ نوسولود کی ولادت کے پندرہ دن بعد یعنی ۱۷ ۔ مارچ کو آندھرا پردیش کے چیف منسٹر جے ۔ وینگل راؤ نے یہ رسم ادا کی اس سلسلہ میں بنگلور ، مدراس اور دوسرے شہروں سے نو مختلف شخصیتوں کے تجویز کردہ ناموں کے منجملہ ، ایک نام " سکنلا " کو چیف منسٹر صاحب نے پسند فرمایا ۔ نہرو زوالوجیکل پارک کے کیوریٹر جناب پشپ کمار نے "لائن سفری پارک" کی افتتاحی تقریب کے بعد چیف منسٹر اور دوسرے معزز مہمانوں کو ۳ ۔ مارچ کو پیدا ہونے والے زراف کے کمسن مادہ بچے کا معائنہ کروایا ۔

آیئے اب ہم اس جانور سے آپ کا تفصیلی تعارف کروائیں جسے دنیا کا سب سے اونچا جانور ہونے کا اعزاز حاصل ہے ۔ یقین ہے کہ آپ کو اس سے مل کر ضرور خوشی ہوگی اور پہلی ہی نظر میں آپ کہہ اٹھیں گے ،

انوکھی وضع ہے ، سارے زمانے سے نرالے ہیں

یہ حضرت نہ صرف صورت شکل میں نرالے ہیں بلکہ ان کی ہر ادا ، ہر عضو اور ہر بات انوکھی ہے ۔ انسانوں کی دنیا میں یہ زراف کے نام سے جانے پہچانے جاتے ہیں ۔ ان کا اصل وطن افریقہ ہے ، مگر انہیں دنیا کے مشہور چڑیا گھروں میں دیکھا جاسکتا ہے ۔ عام طور پر زراف کو ایک رحم دل حیوان سمجھا جاتا ہے ۔ لیکن اصلیت کچھ اور ہی ہے ۔ زراف افریقہ کا ایک بہترین " لڑاکا جانور " ہے ۔ یہ اور بات ہے کہ اس کے لڑنے کا طریقہ دوسرے جانوروں سے ذرا مختلف ہوتا ہے ۔ نہ تو وہ ایک دوسرے کو کاٹ کھاتے ہیں اور نہ دولتی جھاڑتے ہیں ۔ صرف آپس میں اس بری طرح سے دھکم پیل ہوتی ہے کہ گرنے والا زراف کئی منٹ تک بے ہوش رہتا ہے ۔

زراف کے جسم اور گردن پر ایک ایک انچ موٹی کھال ہوتی ہے ۔ سینگ بہت چھوٹے ہوتے ہیں یعنی یہی کوئی چار پانچ انچ لمبے اور ان پر بال دار کھال مڑھی ہوتی ہے ۔ زراف کا قد اس کی گردن سمیت اٹھارہ فیٹ تک پہنچ جاتا ہے ۔ اس میں آدھی لمبائی تو گردن ہی کی ہوتی ہے ۔ زراف کی ٹانگیں پتلی اور اتنی طویل ہوتی ہیں کہ ایک آدمی آسانی سے ان کے درمیان کھڑا رہ سکتا ہے ۔ زراف کا وزن لگ بھگ دوہزار کیلو ہوتا ہے ۔ سفید کھال پر اینٹ کے رنگ کے دھبے بڑے خوب صورت لگتے ہیں ۔ بعض کی کھال پر سفید چوکڑی کے خانے ہوتے ہیں ۔ جو پیدایش سے موت تک نہیں بدلتے ، البتہ عمر بڑھنے کے ساتھ ان کا رنگ ضرور سیاہی مائل ہوتا جاتا ہے ۔

زراف کی آنکھیں بڑی خوبصورت اور سیاہی مائل ہوتی ہیں اس کی پلکیں کافی لمبی ہوتی ہیں ۔ آنکھیں سر کے پہلو میں واقع ہونے کی وجہ سے زراف آس پاس کی چیزوں کو بہتر طور سے دیکھ سکتا ہے ۔

دنیا بھر میں زراف کی دو قسمیں پائی جاتی ہیں ۔ ایک قسم تو وہ ہے جسے ہم چڑیا گھروں میں دیکھتے ہیں ۔ دوسری قسم کانگو کے جنگلات میں پائی جاتی ہے ۔ جس کی اونچائی کندھوں تک پانچ فٹ ہوتی ہے ۔ دونوں قسموں کے زرافوں کی گردن پر گھوڑے کی طرح ایال ہوتے ہیں ۔ اور دونوں قسمیں سبزی خور ہیں ۔ خار دار جھاڑیاں اور ببول ان کی مرغوب غذا ہے ۔ چونکہ زراف کے ہونٹ بڑے ہوتے ہیں اور لمبے لمبے بالوں سے ڈھکے ہوتے ہیں ۔ اس لئے وہ کانٹوں سے محفوظ رہتا ہے ۔

زراف کی زبان بھی عجوبہ ہوتی ہے ۔ اس کا رنگ سرخ و سیاہ ہوتا ہے ۔ اور لمبائی کوئی اٹھارہ انچ ، زراف زبان کو منہ سے ایک فٹ باہر نکال سکتا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ وہ درختوں کی ڈالیوں کے ارد گرد گرہ لگا کر اس کی پتیوں کو کھا جاتا ہے ۔

زراف تنہا نہیں رہتے وہ گروہ کی شکل میں زندگی گزارتے ہیں ۔ ہر گروہ میں تین سے لیکر پندرہ تک زراف ہوتے ہیں ۔ زراف کے افزائش نسل کا کوئی موسم اور وقت مقرر نہیں ہوتا ۔ مادہ حاملہ ہونے کے بعد ایک خوبصورت بچے کو جنم دیتی ہے ۔ وضع حمل کے وقت مادہ کھڑی ہوتی ہے ۔ اس لئے نومولود اونچائی سے بچے زمین پر آتے ہی سیدھا کھڑا ہو جاتا ہے ۔ اور ماں کے تھنوں کو منھ لگا کر دودھ پینا شروع کردیتا ہے ۔ پیدائش کے وقت نوزائدہ زراف کا قد چھ فٹ اونچا ہوتا ہے ۔ یعنی ایک طویل آدمی کے قد کے برابر ۔ یہی نہیں بلکہ نومولود زراف چوبیس گھنٹے پورے ہونے سے پہلے ہی دوڑنے بھاگنے کے قابل بھی ہوجاتا ہے ۔

زراف چھ سات سال کی عمر میں بالغ ہوتا ہے ۔ بالغ زراف کی اوسط رفتار ۲۱ میل سے ۳۲ میل فی گھنٹہ ہوتی ہے ۔ کبھی کبھی وہ ۳۵ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے بھی دوڑ سکتا ہے ۔ مگر اس رفتار کو وہ زیادہ فاصلے تک برقرار نہیں رکھ سکتا ۔ دوڑتے وقت اس کی دم پشت پر کارک کے پیچ کی مانند دکھائی دیتی ہے ۔ اور دم کے آخری سرے پر بالوں کا گچھا ہوا میں لہراتا رہتا ہے ۔ دوڑتے وقت زراف کے چاروں پاؤں بہ یک وقت فضا میں اٹھتے ہیں ۔ اور ہر قدم پر اسکی گردن آگے پیچھے حرکت کرتی رہتی ہے ۔

زراف گھوڑے کی طرح تیز تو دوڑ سکتا ہے ۔ مگر اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا ۔ کیونکہ زراف کے پھیپھڑوں میں ہوا کی گنجائش گھوڑے کے مقابلے میں کم ہوتی ہے ۔ زراف کے پانی پینے کا طریقہ بھی گھوڑے سے مختلف ہوتا ہے ۔ زراف اپنی اگلی دونوں ٹانگوں کو دائیں بائیں کافی فاصلے تک پھیلا کر گردن کو اس قدر جھکاتا ہے کہ اس کا منھ پانی کی سطح تک پہنچ جاتا ہے ۔ اپنے غیر معمولی اونچے قد کی وجہ سے اسے منھ پانی تک لے جانے میں کافی مشکل پیش آتی ہے ۔ اس لئے قدرت نے اس کو اتنی قوت برداشت عطا کی ہے کہ وہ بغیر پانی پئے کئی ہفتے گزار سکتا ہے ۔

زراف کی لات مارنے کی ٹکنیک کا جواب نہیں ۔ جب وہ اپنی پچھلی دونوں ٹانگیں ایک ساتھ اٹھا کر ٹھوکر مارتا ہے تو دشمن کی ہڈی پسلی ایک ہوجاتی ہے ۔ زراف کی اس بے پناہ طاقت سے جنگل کے جانور بہت خوف کھاتے ہیں ۔ اور اس کے قریب پھٹکنے کی جرأت نہیں کرتے ۔ یہی وجہ ہے کہ زراف کے دشمنوں کی فہرست مختصر ہے ۔

زراف کا پہلا اور بڑا دشمن ببر ہے ۔ جو بالغ زراف پر اس وقت حملہ کرتا ہے جب وہ زمین پر لیٹا ہو یا گھاس چر رہا ہو ۔ ببر ہمیشہ جست لگا کر زراف کی گردن دبوچتا ہے ۔ اور اپنے دانتوں اور پنجوں کی گرفت اس وقت تک مضبوط رکھتا ہے جب تک کہ زراف نڈھال اور بے بس ہو کر زمین پر گر نہیں جاتا ۔ مگر ایسی بھی مثالیں موجود ہیں کہ زراف کے زمین پر گرتے وقت ببر سمیت اس کے بوجھ تلے دب کر موت کے گھاٹ اتر جاتا ہے ۔ اس طرح مرتے مرتے بھی زراف اپنے دشمن کو نہیں بخشتا ۔ جیسے کہہ رہا ہو :

ہم تو ڈوبے ہیں صنم تم کو بھی لے ڈوبیں گے ۔

زراف کا دوسرا اہم دشمن تیندوا ہے ۔ تیسرا اور آخری دشمن مگرمچھ ہے ۔ جو بالغ نر زرافوں کو کھینچ کر دریا میں ڈبو دیتا ہے ۔

کہتے ہیں کہ مارنے والے سے بچانے والا بڑا ہوتا ہے ۔ چنانچہ قدرت نے زراف کی حفاظت کے لئے بھی مناسب انتظام کیا ہے اور نہ صرف اسے طاقت اور قد و قامت دیا ہے بلکہ تیز دوڑنے کی صلاحیت بھی عطا کی ہے ۔ اس کے علاوہ اس کی کھال کا رنگ بھی روپوشی میں اس کی مدد کرتا ہے ۔ شاید اسی لئے زراف جھنڈ میں رہتا ہے ۔

انسان سے زراف کی عداوت خاصی پرانی ہے ۔ اس کے ڈانڈے فرعون کے زمانے سے ملتے ہیں جس کا ثبوت اس زمانے کے مقبروں پر بنی ہوئی تصاویر ہیں جن میں غلاموں کو ہاتھوں میں زراف کی دموں کے بنڈل لئے ہوئے دکھایا گیا ہے ۔ اس زمانے میں اہل مصر زراف کی دموں کی تجارت سے کافی نفع کماتے تھے ۔ کیونکہ دم کے سخت بالوں سے سلائی اور جواہرات کو لڑی میں پرونے کا رواج عام تھا ۔ اس کے علاوہ زراف کی کھال سے چمڑے کے ساز اور کوڑے بھی بنائے جاتے تھے ۔ افریقہ کے بعض وحشی قبائل اس کا گوشت بہت مزے لیکر کھاتے تھے ۔ وہ اس کی آنتوں کی مضبوط تانتوں سے آلات موسیقی کے لئے ڈوریوں کا کام بھی لیتے تھے ۔ اس حیوان کی لمبی ہڈیوں کا گودا تو ان کی مرغوب غذا تھی ۔ آج بھی اس کی ہڈیوں سے کھاد کا کام لیا جاتا ہے ۔

آج کل امریکی سائنس داں اس عجیب و غریب جانور میں زیادہ دلچسپی کا اظہار کر رہے ہیں ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس حیوان کا سر اس کے دل سے بارہ فٹ کی بلندی پر ہوتا ہے ۔ دماغ سے دل کا یہ غیر معمولی فاصلہ سائنس دانوں کے لئے تحقیق اور تجسس کا موضوع بنا ہوا ہے ۔ کئی سال پہلے جب تین امریکی سائنس دانوں نے دو جنگلی زرافوں کے بلڈ پریشر کا معائنہ کیا تو انہیں پتہ چلا کہ کھڑے ہونے کی حالت میں تو زراف کا بلڈ پریشر وہی ہوتا ہے جو عام آدمی کا ہوتا ہے

باقی صفحہ ۴۲ پر

24-7

خبریں تصویروں میں

صدر جمہوریہ ہند شری فخرالدین علی احمد، کمرشیل کمپلکس بلڈنگ، کے ماڈل کا معائنہ کررہے ہیں۔ موصوف نے ۲۔ ستمبر ۱۹۷۵ء کو حیدرآباد میں اس عمارت کا سنگ بنیاد رکھا

چیف منسٹر شری جے۔ وینگل راؤ، سکندرآباد میں یوم آزادی کی پریڈ کا معائنہ کررہے ہیں۔

وزیر برقی شری جی۔ راجہ رام نے ۹۔ اگست کو رتن بازار میں ٹریننگ سنٹر فاربالٹرس، کا افتتاح کیا۔

صدر جمہوریہ ہند شری فخرالدین علی احمد نے ۲ ستمبر ۱۹۷۵ء کو حیدرآباد میں اندرا نسمن مارکٹ کا سنگ بنیاد رکھا۔
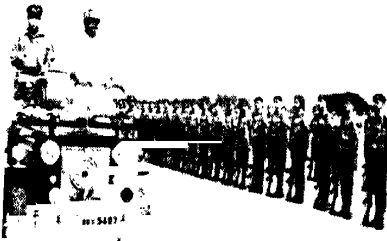
چیف منسٹر شری جے۔ وینگل راؤ نے یوم آزادی کے موقع پر رتن بازار حیدرآباد کے سوپر بازار کا افتتاح کیا۔

نظم و نسق

ریاستی سطح کی کمیٹی ۲۰ - نکاتی معاشی پروگرام کا جائزہ لے گی

چیف منسٹر نے ریاست میں ۲۰ - نکاتی معاشی پروگرام کی عمل آوری کا جائزہ لینے کے لئے ریاستی سطح کی کمیٹی قائم کرنے کا اعلان کیا - یہ کمیٹی چیف منسٹر شری جے - وینگل راؤ کی صدارت میں حسب ذیل ارکان پر مشتمل ہے :-

شری پی - رنگا ریڈی وزیر فینانس ، شری کے - راجملو وزیر صحت و طبابت ڈاکٹر بجواڑہ گوپال ریڈی ، شری وی - وینکٹ نارائن ، ایم ایل سی اور صدر آندھرا پردیش کانگریس کمیٹی - شری وی - بی - راجو ، ایم - پی ، شری بی - وینکٹ سبا ، ایم - پی شری پی - ایس - سورتی ، ایم - پی ، شریمتی رادھا بائی آنند راؤ ، ایم - پی شری تما ریڈی سیکریٹری نارائن سکریٹری کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا ، شاخ آندھرا پردیش ، شری پربھاکر جی سروریہ ، امدر ، ڈاکٹر وحید الدین خان ڈائرکٹر آف اکنامک اسٹڈیز نیشنل انسٹیٹیوٹ آف کمیونٹی ڈیولپمنٹ راجندر نگر اور شری بھگوان داس آئی - اے - ایس چیف سکریٹری حکومت آندھرا پردیش - حکومت آندھرا پردیش کے معتمدین کو جو ۲۰ - نکاتی معاشی پروگرام کی عمل آوری سے تعلق رکھتے ہیں کمیٹی کی میٹنگوں میں مدعو کیا جائیگا - چیف منسٹر کے سکریٹری کمیٹی کے معتمد ہونگے -

۲۰ - نکاتی معاشی پروگرام کی عمل آوری کا جائزہ لینے کے لئے کابینہ کی ذیلی کمیٹیوں کا قیام -

چیف منسٹر نے ۲۰ - نکاتی معاشی پروگرام کی عمل آوری کے تعلق سے کابینہ کی پانچ ذیلی کمیٹیاں قائم کرنے کا اعلان کیا ہے - کابینہ کی ذیلی کمیٹیاں یہ ہیں -

(الف) کمزور طبقات کی بہبودی :-

۱ - شری جے - وینگل راؤ چیف منسٹر -

۲ - شری پی - رنگا ریڈی وزیر فینانس -

۳ - شری جی - راجہ رام وزیر برقی اور پسماندہ طبقات -

۴ - شری بھیم سری رام مورتی وزیر بہبودی قبائل و ہریجن و ٹیکنیکل ایجوکیشن -

۵ - شریمتی ایم - لکشمی دیوی وزیر بہبودی خواتین -

(ب) صنعت اور مزدوروں سے متعلقات :-

۱ - شری پی - باسی ریڈی وزیر صنعت -

۲ - شری ٹی - انجیا وزیر محنت -

۳ - شری جی - راجہ رام وزیر برقی و پسماندہ طبقات -

۴ - شری وی - کرشنا ریڈی وزیر آبکاری -

۵ - شری کے - وی - نرسولو وزیر ٹیکسٹائل و ہینڈلوم -

(ج) زرعی پیداوار :-

۱ - شری جے - چند راؤ وزیر زراعت -

۲ - شری ابراہیم علی انصاری وزیر جنگلات -

۳ - شری کرشنا مورتی نائیڈو وزیر اوسط آبپاشی -

۴ - شری پی - سبا راؤ وزیر امداد باہمی -

۵ - شری این - وینکٹ ریڈی وزیر چھوٹی آبپاشی -

۶ - شری پی - سبھدرا نائیڈو وزیر مارکٹنگ -

۷ - شری ڈی منو سوامی وزیر سمکیات -

۸ - شری ایس - وینکٹ ریڈی وزیر انیمل ہز بینڈری -

(د) اصلاحات اراضی اور تقسیم :-

۱ - شری آر - ایس سوریہ نارائن راجو وزیر اوقاف -

۲ - شری پی - نرسا ریڈی وزیر مال -

۳ - شری جی - راجہ رام وزیر برقی -

۴ - شری جلا سبا رائیڈو وزیر بلدی نظم و نسق -

۵ - شری سی - ایچ وینکٹ راؤ وزیر تعمیرات -

۶ - شری بھیم سری رام مورتی وزیر بہبودی قبائل و ہریجن و ٹکنیکل ایجوکیشن -

(ہ) ایجوکیشن اور اکوٹنس ویلفیر :-

۱ - شری ایل - لکشمن داس وزیر پنچایت راج -

۲ - شری ایم - وی - کرشنا راؤ وزیر تعلیم -

۳ - شری بھیم سری رام مورتی وزیر بہبودی ہریجن وقبائل و ٹکنیکل ایجوکیشن -

۴ - شری (ڈاکٹر) سی - ایچ دیوانند راؤ وزیر سیاحت -

۵ - شری آصف پاشاہ وزیر قانون -

24-8

لیبر ایڈوائیزری بورڈ میں مزدوروں کی نمائندگی :—

حال ہی میں تشکیل شدہ آندھرا پردیش اسٹیٹ لیبر ایڈوائیزری بورڈ میں انڈین نیشنل ٹریڈ یونین کانگریس کے شری پی - یم - نائیڈو اور آندھرا پردیش ٹریڈ یونین کانگریس کے شری پربھاکر چودھری کو حکومت آندھرا پردیش نے ملازمین کے نمائندوں کی حیثیت سے نامزد کیا ہے -

حکومت نے شری زیڈ - یچ انصاری ڈائرکٹر وی - یس - ٹی کمپنی حیدر آباد کو آجرین کے نمائندے کے طور پر نامزد کیا ہے -

سکریٹری ہوم ڈپارٹمنٹ حکومت آندھرا پردیش اور اسپیشل افسر میونسپل کارپوریشن حیدرآباد کو جو سرکاری نمائندوں کی حیثیت سے کام کررہے تھے واپس لے لیا گیا ہے -

حکومت کے احکام - لوکل باڈیز میں تلگو زبان کا استعمال :—

حکومت آندھرا پردیش نے سوائے میونسپل کارپوریشن آف حیدر آباد کے ریاست کی تمام میونسپلٹیوں ، پنچایت سمیتیوں اور گرام پنچایتوں میں فی الفور تلگو زبان استعمال کرنے کے احکام نافذ کئے ہیں -

حکومت نے یہ حکم بھی جاری کیا ہے کہ بلدیات کے دفاتر یا کسی بلدیہ اور پنچایت سمیتی کے دفاتر یا کسی بلدیہ پنچایت سمیتی یا گرام پنچایت کے دفاتر یا پنچایت سمیتیوں کے دفاتر کے درمیان غیر قانونی وغیرہ کی مراسلت صرف تلگو میں کی جائے اور عوام سے بھی تلگو ہی میں مراسلت کی جائے -

۲۰ - نکاتی معاشی پروگرام کی عمل آوری - ضلع کی سطح پر جائزہ لینے کے لئے کمیٹیوں کی تشکیل :—

وزیر اعظم کے ۲۰ نکاتی معاشی پروگرام کی عمل آوری کے سلسلے میں حکومت کی جانب سے ضلع کی سطح پر جائزہ لینے کے لئے ریاست کے (۲۱) اضلاع میں ضلع کمیٹیوں کی حسب ذیل طریقے پر تشکیل عمل میں آئی ہے -

۱ - کلکٹر ضلع چیر مین -

۲ - سپرنٹنڈنٹ پولس ممبر -

۳ - چیر مین ضلع پریشد ممبر -

۴ - چار یم - ایل اے / یم - یل - سی حکومت کے نامزد کردہ -

ضلع کی سطح پر جائزہ لینے کی کمیٹی کے اہم کام یہ ہوں گے -

(۱) ضلع میں ۲۰ - نکاتی معاشی پروگرام کی عمل آوری کا ان امور کی حد تک جائزہ لینا جو ریاستی حکومت کے دائرۂ کار میں آتے ہیں -

(۲) پروگرام کی تیز رفتار اور مناسب عمل آوری کیلئے اقدامات کرنے کے مشورے دینا -

(۳) عوام کی شکایتوں بالخصوص دفتری کارروائی اور اقتدار کا ناجائز فائدہ اٹھانے سے متعلقہ شکایتوں پر نظر رکھنا اور ان کا ازالہ کرنیکے لئے مشورے دینا -

(۴) درخواستوں اور عرضیوں وغیرہ کی یکسوئی میں بے جا تاخیر کی جانچ کرنا - سرکاری دفاتر میں بہتر کارکردگی اور کام کی رفتار تیز کرنے کے تعلق سے مشورے دینا -

قانونی دائرۂ عمل میں آنے والے امور میں بہر حال یہ کمیٹیاں مداخلت نہیں کریں گی - تمام کلکٹروں سے خواہش کی گئی ہے کہ مذکورہ کمیٹیوں کی تشکیل عمل میں لائیں اور کام کا جائزہ لینے کے لئے مہینے میں ایک بار ان کے اجلاس منعقد کریں - جو یم - یل - اے اور یم - یل - سی ان کمیٹیوں کے رکن کی حیثیت سے نامزد کئے گئے ہیں وہ حسب ذیل ہیں -

ضلع سریکاکلم :— شری کوٹ ناگم نائیڈو یم - یل - اے شریمتی کی - سروجنی یم - یل - اے شری وی نرسمہا راؤ یم - یل - اے ، شری سی - وی - کے - کرشنا راؤ یم - یل اے -

ضلع وشاکھاپٹنم :— شری کے - ایا کو دورا یم - یل - اے ، شریمتی (ڈاکٹر) ی - تلاوتی یم - یل - اے ، شری پی سنیاسی راؤ یم - یل - اے ، شری ٹی جی نائیڈو یم - یل - اے -

ضلع مشرقی گوداوری :— شریمتی رتنا بائی یم - یل - اے ، شری آر - پرونی راؤ یم - یل - سی ، شری یم - سری وشنو پرساد راؤ یم - یل - اے ، شری تلا وینکٹ راؤ یم - یل - اے -

ضلع مغربی گوداوری :— شری نیشا دیارم یم - یل - اے ، شری وی - ستیہ نارائن یم - یل - اے ، شری ڈی پیریا یم - یل - اے ، شری سی - وینکٹ راؤ یم - یل - اے -

ضلع کرشنا :— شریمتی راجیہ لکشمی یم - یل - اے ، شری کے - ستیہ نارائن راؤ یم - یل - اے ، شری کے - سوبیشور راؤ یم - یل - اے ، شری وائی - وی - کرشنا راؤ یم - یل - سی -

ضلع گنٹور :— شری وی - وینکٹ راؤ یم - یل - اے ، شری بیزبال یم - یل - اے ، شری یم - ناگی ریڈی یم - یل - اے اور شریمتی فاطمہ النساء بیگم یم - یل - اے -

ضلع پرکاشم :— شری پی - کوٹیا یم - یل - سی ، شری ڈی - پرکاشم یم - یل - اے ، شری دیوی شنکریا یم - یل - اے ، اور شری ناگیشور راؤ یم - یل - سی -

ضلع نیلور :— شری پی - چنچو رامیا یم - یل - اے ، شری جی - رامچندر ا ریڈی یم - یل - سی ، شری ین - سری نیواسلو ریڈی یم - یل - اے ، شری او - وینکٹ سبیا یم - یل - اے ،

ضلع چتور :— شری اے - نرسنگ راؤ یم - یل - اے ،

شری یم - یم - رتنم یم - یل - اے ، شری وی - منی سوامی آپا یم - یل - اے - اور شری کے - گوپال نائیڈو یم- یل - اے -

ضلع کڑپہ :— شری جی شری راملو یم - یل - اے -

شری حبیب اللہ محل یم - یل - اے - شری جی رنگا ریڈی یم - یل - اے ، اور شری بی - وبرا ریڈی یم - یل - اے ،

ضلع اننت پور :— شری پی - وینکٹ نارائن یم - یل - اے ، شری - بی بسیا یم - یل - اے- شری یم - ملیا یم - یل - اے - شری پی وی - چودھری یم - یل - اے -

ضلع کرنول :— شری یچ - سوریہ نارائن یم - یل - اے-

شری اباپو ریڈی یم - یل - اے ، شری بی - راجہ رتنا راؤ یم - یل - اے اور شری وائی - سہانند ریڈی یم - یل - سی -

ضلع محبوب نگر :— شری کے- رنگا داس یم - یل - اے ، شری

سی - نرسی ریڈی یم - یل - اے - شری ین - نرسیا یم - یل -اے- اور شری ین - وی - جگناد ھم یم - یل - اے -

ضلع حیدر آباد :— شری تروملیا یم - یل - اے ، شری

پی - کشن راؤ یم - یل - اے ، شری ین - اننتا ریڈی یم - یل- اے - اور شریمتی سروجنی پلا ریڈی یم - یل - اے -

ضلع میدک :— شری یس - رامچندرا ریڈی یم - یل - اے-

شری کے - رامچندر راؤ یم - یل - اے - شری جی - سبدیا یم - یل - اے اور شری یس لکشما ریڈی یم - یل - سی -

ضلع نظام آباد :— شری یم - سری نواس راؤ یم - یل - اے شری وائی - ستیہ نارائن یم - یل - اے ، شری وی - چکرا دھر راؤ یم - یل - اے اور شریمتی جے - ایشوری بائی یم - یل - اے

ضلع عادل آباد :— شری گدمنا یم - یل - اے ، شری

مسعود احمد یم - یل - اے ، شری یس - اے دیونا یم - یل - اے اور شری کے - وی کشن راؤ یم - یل - اے -

ضلع کریمنگر :— شری وی - راجیشور راؤ یم - یل - اے-

شری سی - یچ - ستیہ نارائن یم - یل - اے ، شری جی - بھوپتی یم - یل - اے - اور شری بی - یلا ریڈی یم - یل - اے -

ضلع ورنگل :— شری کے - نارائن یم - یل - اے -

شری ین - یتی راج راؤ یم - یل - اے ، شری آر - نرسمہا رامیا یم - یل - اے - اور شری وینکٹ ریڈی یم - یل - سی -

ضلع کھمم :— شری کے - وینکٹیشور راؤ یم - یل - سی ،

شری یم - رامچندریا یم - یل - اے ، شری محمد رجب علی یم - یل - اے - اور شریمتی وینکٹ راد ما یم - یل - اے -

ضلع نلگنڈہ :— شری جی - وینکٹ نرسیا یم - یل - اے ،

شری ین - راملو یم - یل - اے - شری بی راجہ رتنم یم - یل - اے - اور شری بی - راما نرسما یم - یل - اے -

یوم ہریجن تقاریب بند کر دی گئی ہیں -

حکومت آندھرا پردیش نے " ہریجن ڈے جوم " تقاریب منانا بند کردیا ہے -

یاد ہوگا کہ حکومت نے ۱۹۶۸ ع میں ہر ماہ کی ۳۰ - تاریخ کو " ہریجن ڈے جوم " منانے کے احکام جاری کئے تھے -

حالات کا جائزہ لینے کے بعد حکومت نے محسوس کیا ہے کہ ' یوم ہریجن ' کی تقاریب عوام میں چھوت چھات کی سماجی برائی کے تعلق سے کسی قسم کی بیداری پیدا کرنے میں معاون نہیں ہوئیں - اور نہ ہی ہریجنوں کی لاچاری دور کرنے میں موثر ثابت ہوئیں - اس لئے حکومت نے ان تقاریب کو ختم کردینے اور اس ضمن میں مہیا کردہ موازنہ ہریجنوں کی بھلائی کے دوسرے کاموں میں صرف کرنے کا فیصلہ کیا ہے -

رخصتوں کے قواعد میں رعایت :— حکومت آندھرا

پردیش نے حال میں مختلف زمروں کے سرکاری ملازمین پر اطلاق ہونے والے رخصت کے قواعد میں رعایت کی ہے ، اب یہ طے کیا گیا ہے کہ رخصت کے قواعد میں مزید رعایتیں دی جائیں ایسے ملازمین جو سروس کے دوران انتقال کر جائیں یا وظیفہ حسن خدمت پر علحدہ کردئے جائیں انکے لئے حسب ذیل رعایتیں دی جائینگی -

(الف) دوران ملازمت فوت ہونیوالے ملازم کے پسماندگان کو غیر استفادہ کردہ رخصت کی مساوی تنخواہ نقد ادا کی جائیگی -

(ب) وظیفہ خدمت پر علحدہ ہونیوالے ملازم کو غیر استفادہ شدہ رخصت کے مساوی تنخواہ نقد ادا کی جائیگی جو زیادہ سے زیادہ ۱۲۰ دن کی رخصت کے برابر ہوگی -

گنٹور میں موٹروں کے ٹائر تیار کرنے کا کارخانہ ۔

حکومت ہند نے میسرز آندھرا پردیش آٹو موبائلس ٹائیرس اینڈ ٹیوبس لمیٹیڈ حیدر آباد کو سالانہ ۴ لاکھ موٹر ٹائر و ٹیوب تیار کرنے کے لئے زیادہ سے زیادہ پلانٹ اور مشینری کے استعمال کی بنیاد پر گنٹور میں ایک نیا کارخانہ قائم کرنیکی اجازت دی ہے ۔ جس میں ایک ہزار افراد کو روزگار ملنے کی توقع ہے ۔

ریوینیو ڈیویژنل افسروں کو سینماؤں کے لائسنسوں کی تجدید کا اختیار ۔

حکومت آندھرا پردیش نے ریوینیو ڈیویژنل افسروں کو ۔ آندھرا پردیش سینما (ریگولیشن) ایکٹ بابت ۱۹۵۵ ع یا ایسے قواعد کے تحت جو سینماؤں کے تعلق سے انکے دائرہ اختیار میں آتے ہوں لائسنسوں کی تجدید کا اختیار سونپا ہے ۔

کلکٹروں کی کانفرنس میں کی گئی سفارش کی بنا پر حکومت نے یہ اختیارات ریوینیو ڈیویژنل افسروں کو دئے ہیں۔

حکومت ہند نے میسرز حیدر آباد آلوین میٹل ورکس لمیٹیڈ صنعت نگر حیدر آباد کو انکے کارخانے موقوعہ حیدر آباد آندھرا پردیش میں خاطر خواہ توسیع کرکے زیادہ سے زیادہ پلانٹ اور مشینری کا استعمال کرتے ہوئے ایک لاکھ گھریلو ریفریجریٹر تیار کرنے کی اجازت دی ہے جبکہ اس کارخانہ کی موجودہ پیداواری صلاحیت ۷۰ ہزار ہے ۔

اس یونٹ میں اب ملازمت کے تمام زمروں میں تقریباً ایک ہزار اشخاص کو روزگار ملیگا ۔

کوآپریٹیو شوگر فیکٹریوں میں مزدور نمائندگی :—

آندھرا پردیش کی ۹ شوگر فیکٹریوں میں سے جو پیداوار دے رہی ہیں ۔ نظام آباد ، بھیادول چوڈا ورم ، چتور اور تہنڈاوا میں واقع ۵ شوگر فیکٹریوں کے بورڈ آف ڈائرکٹرس میں مزدور نمائندگی کے لئے ذیلی قوانین میں ترمیم کی جاچکی ہے ۔

پسماندہ طبقات کے کارپوریشن کی اسکیمیں :—

آندھرا پردیش بیک ورڈ کلاسس کوآپریٹیو فینانس کارپوریشن کے صدر شری یم ۔ اے۔ حلیم معتمد محکمہ روزگار و سماجی بھلائی کی صدارت میں ۱۲ ۔ اگست کو کارپوریشن کے بورڈ آف ڈائرکٹرس کا ایک اجلاس منعقد ہوا جس میں اضلاع کریم نگر ، ورنگل ، اننت پور ، کڑپہ ، نظام آباد ، مشرقی گوداوری ، حیدر آباد اور گنٹور کے کلکٹروں کی جانب سے موصولہ تجاویز پر غور کرنے کے بعد ۲۶,۶۵ لاکھ روپے کی اسکیمیں منظور کی گئیں جس میں سے ۵,۲۳ لاکھ روپے کی اسکیموں کا فائدہ ، پس ماندہ طبقات سے تعلق رکھنے والے ۸۲۲ اشخاص کو پہنچے گا ۔

ان اسکیموں میں دودھ دینے والے مویشیوں ، بیل گاڑیوں ، خیاطی کے کام، اصلاح خانوں ، آھن گروں ، سیکل کی دوکانوں بھیڑوں کی افزائش اور دوسری خود روزگار اسکیمیں شامل ہیں ۔

یہ کارپوریشن اب تک مختلف اضلاع سے متعلقہ جملہ ۸۳,۲ لاکھ روپے کی اسکیمیں منظور کرچکا ہے جن سے ۶,۷۵ لوگوں کو فائدہ پہنچے گا ۔ منظورہ اسکیموں میں سے کارپوریشن نے کلکٹروں کے توسط سے ۱۵,۹۱ لاکھ روپے کی اسکیموں کو روبہ عمل لانے میں مدد دی ہے جن سے ۸۳۵ اشخاص مستفید ہوئے ہیں اور بینکوں سے اس ضمن میں ۳۷ ۱۲ لاکھ کا مالیہ حاصل کیا گیا ہے یاد ہوگا کہ کارپوریشن نے ضلع کی سطح پر کمیٹیاں قایم کی تھیں جن کے صدر کلکٹر اور ضلعوں کے سرکاری عہدہ دار اور غیر سرکاری افراد ان کے رکن ہیں ۔ یہ کمیٹیاں درخواستوں کی جانچ کے بعد ان کی منظوری کے لئے سفارش کرتی ہیں اور اسکیموں کی عمل آوری کے لئے ادارہ جاتی مالیہ حاصل کرتی ہیں۔

معاشی پروگرام کی عمل آوری :—

وزیر فینانس و اطلاعات شری بی ۔رنگا ریڈی نے ۲۴۔ اگست کو ، ایلورو میں ۲۰ نکاتی معاشی پروگرام کی حمایت میں منعقد ہونے والے ایک جلسے کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ ضرورت اس بات کی ہے کہ ایمرجنسی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے پیداوار میں اضافے کے لئے سخت محنت اور ڈسپلن سے کام لیا جائے ۔

ضلع میں معاشی پروگرام کی عمل آوری کا جائزہ لیتے ہوے وزیر موصوف نے سوپر بازار ایلورو کے عہدہ داروں کو تین لاکھ روپے کا منافع کمانے پر نیز ، تاڑے پلی گوڑم ، تنوکو ، نڈا دولو ، بھیما ورم ، نرسا پورم ، پال کول اور ایلورو میں خاص طور پر مل ورکرس کے لئے سوپر بازار کی شاخوں کے قیام پر مبارکباد دی ہے ۔

ضلعوں کے آنچل سے

چیف منسٹر اپنی زمین سے دست بردار :—

یکم اگست کو شری پی - وی - آر - کے پرساد کلکٹر نے اخباری نمائندوں کو بتایا کہ شری جے - وینگل راؤ چیف منسٹر آندھرا پردیش کے پاس ۱۱۵,۰۰ ایکڑ اراضی ہے - یہ اراضی ۳۲,۰۴ ایکڑ تری ، اور ۸۳,۱۰ ایکڑ خشکی پر مشتمل ہے جو موضع بینوبلی اور بیانا کوڈم کونہ کوڈم وساتو پلی تعلقہ ضلع کھمم میں واقع ہے - ٹریبونل اصلاحات اراضی ضلع کھمم نے تحقیقات کر کے قانون تحدید اراضی کے تحت زرعی مقبوضہ کا تصفیہ کیا اور چیف منسٹر کے خاندان انکے بڑے فرزند کو قانون کے تحت ملنے والی اراضی مشخص کرنیکے بعد زاید اراضی یعنی ۴۷,۳۵ ایکڑ اراضی کو انکے بڑے لڑکے جے پرساد راؤ نے بغیر معاوضے کے مال کے عہدہ داروں کے حوالے کردیا :—

خواتین کا معاشی سدھار

شریمتی لکشمی دیوی وزیر بہبودی خواتین و اطفال نے ۴ - اگست کو چتور میں اخباری نمائندوں سے بات چیت کرتے ہوئے بتایا کہ دیہات سے ریاستی سطح تک معاشی سدھار کے مقصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے محکمہ بہبودی خواتین کو منظم کیا جارہا ہے - گرام سیویکائیں جو ، اب تک محکمہ پنچایت راج کے تحت کام کررہی تھیں انکو دیہی سطح پر خواتین کی بھلائی کے پرو گراموں کی موثر نگرانی اور عمل آوری کی غرض سے محکمہ بہبودی خواتین کے تحت لے لیا گیا ہے انہوں نے کہا کہ خواتین کے سدھار کی ایسی اسکیمات کو محکمے کی جانب سے الگ الگ کیا جارہا ہے - جن پر دوسرے محکموں کے توسط سے عمل آوری ہوگی -

کام کرنے والی خواتین کے ہاسٹل :—

ڈائرکٹر بہبودی خواتین و اطفال ڈاکٹر (شریمتی) اے ونا جا کشی نے ۱۵ - اگست کے روز بتایا کہ شہر حیدر آباد وسکندر آباد میں کام کرنیوالی خواتین کے لئے محکمہ بہبودی خواتین و اطفال کی جانب سے پولیس کوارٹرس شانتی نگر حیدر آباد کے قریب ایک بڑی عمارت میں ہاسٹل قائم کیا گیا ہے جس میں تمام سہولتیں موجود ہیں -

ہاسٹل میں رہنے والوں کی ضروریات کی تکمیل کے لئے کافی رہائشی عملہ مامور کیا گیا ہے - اس عمارت کے اطراف ایک وسیع باغ اور کھیل کا میدان بھی موجود ہے -

ہاسٹل میں (۵۰) افراد کے رہنے کی گنجائش ہے جس میں ایک فرد کی رہائش کے کمرے سنگل کمرے اور برآمدے ہیں - ہاسٹل میں رہنے والوں کی حفاظت کے لئے عمارت کے اطراف ایک چار دیواری ہے اور ایک چوکیدار بھی متعین ہے -

ڈارمیٹری میں رہنے والے کرایہ وقیام کے لئے ماہانہ ۱۴۰ روپئے ہیں اور سنگل روم میں رہنے والے کو ۱۷۵ روپیے ماہانہ ادا کرنے ہوں گے - ہاسٹل میں مقیم افراد کو ہر مہینہ اپنا مینو تجویز کرنیکی آزادی حاصل ہے بشرطیکہ مینو کے مصارف کی حد ۸۵ روپئے ماہانہ سے متجاوز نہ ہونے پائے -

مرکزی و ریاستی محکموں نیم سرکاری اداروں جیسے بینکوں اور شہر کے تجارتی اداروں میں کام کرنیوالی خواتین جن کی عمر ۱۸ سال سے ۴۰ سال کے درمیان ہو اس ہاسٹل میں داخلہ لے سکتی ہیں - غیر شادی شدہ عورتوں بیواؤں اور قانونی طور پر شوہروں سے الگ ہوجانے والی خواتین کو جو کم آمدنی کے درجے میں آتی ہوں ترجیح حاصل رہیگی -

اس قسم کا ایک ہاسٹل کام کرنیوالی خواتین کے لئے وشاکھا پٹنم کے ابذنام گارڈن میں بھی کھولا گیا ہے -

ضلع کریمنگر کا تانبا کا مستقبل :—

۱۰ - اگست کو ضلع پریشد کریمنگر کے ارکان کو مخاطب کرتے ہوئے گورنر اندھرا پردیش شری یس - اوبل ریڈی نے کہا کہ ضلع کریمنگر جو پسماندہ اضلاع میں سے ایک ہے بوچم باد پروجکٹ کی وجہ سے ایک تابناک مستقبل کا حامل ہوگیا ہے -

انہوں نے کہا کہ ضلع کے مستقر تک ریلوے لائن کا آنا یقینی ہے کیونکہ بڑھتی ہوئی غذائی اجناس کی پیداوار کو منتقل کرنیکے لئے ریلوے لائن بہت ضروری ہے - انہوں نے کہا کہ ساؤتھ سنٹرل ریلوے تمام ضلع مستقروں کو ریلوے لائین

ے ملانا چاهتی هے - گورنر صاحب نے پنچایت راج اداروں
ے ارکان کو مشوره دیا که وه ۲۰ نکاتی معاشی پروگرام کی
مل آوری کے لئے بھرپور تعاون کریں تا که غریبی دور هوسکے -

شری جے- چکا راؤ وزیر زراعت نے اس موقع پر تقریر کرتے
وئے کہا که وزیر اعظم کے معاشی پروگرام کی عمل آوری
ں پنچایت راج اداروں پر بھاری ذمه داری عائد هوتی هے -

صدر نشین ضلع پریشد کریمنگر شری وی - سرینواس راؤ
ے خیر مقدمی خطبه پڑھا اور نائب صدر نشین ضلع پریشد
ری وی - وینکٹ ریڈی نے شکریه ادا کیا -

وآپریٹیو اداروں پر بھاری ذمه داری :

شری جے - وینگل راؤ چیف منسٹر نے کہا که وزیراعظم
ے ۲۰ نکاتی معاشی پروگرام پر عمل آوری کے سلسلے میں
وآپریٹیو سوسائٹیوں کو زبردست رول ادا کرنا هے تاکه کمزور
بقات کی بڑے پیمانے پر مدد کی جاسکے-

چیف منسٹر ۲۰ - اگست کو کوآپریٹیو سنٹرل بینکوں
ے افسروں کی اسٹیٹ کانفرنس کا افتتاح کر رهے تھے -

انہوں نے کہا که شری کے - بی - لال سکسینه چیف
کریٹری حکومت آندھرا پردیش کی صدارت میں بہت جلد
اسی سطح کی ایک ذیلی کمیٹی تشکیل دی جائیگی -
ری - کے - سبرامنیم سکریٹری اغذیه و زراعت ، سری پی - پی
- وٹھل راؤ سکریٹری فینانس اس کے ممبر هونگے - تا که
وآپریٹیو سوسائٹیز ایکٹ میں تبدیلی کے ذریعے غریبوں کی
د کی جاسکے -

شری پی - سبا راؤ وزیر امداد باهمی نے کانفرنس کی صدارت
کرتے هوئے کہا که حکومت چھوٹے اور مارجنل کسانوں کو
وآپریٹیو اداروں کے دائرے میں شامل کرکے بھاری پیمانے
مدد کرنا چاهتی هے - انہوں نے مشوره دیا که دیہی علاقوں
فاضل رقومات کو کام میں لایا جانا چاهئے -

شری کے - بی - لال سکسینه چیف سکریٹری حکومت آندھرا
ردیش نے کانفرنس سے خطاب کرتے هوئے کہا که ریاست کی صرف
۲ فیصد آبادی کو کوآپریٹیو اداروں میں شامل کیا گیا هے -
ورصرف ۱۴ فیصد عوام کو کوآپریٹیو سوسائٹیوں سے قرضے کی
سهولتیں حاصل هیں - انہوں نے تجویز پیش کی که سماج کے
ام طبقات کو قرضے کی سهولتیں مهیا کی جانی چاهئیں -

شری کے - سبرامنیم سکریٹری محکمه اغذیه و زراعت
نے کہا که قرضے کی سهولتوں کو ۳۰ کروڑ سے ۵۰ کروڑ روپیوں
تک بڑھا دیا گیا هے - انہوں نے کہا که اس سال ۲ هزار نئی
سوسائٹیاں قائم کی جائیں گی -

شری ٹی - لکشما ریڈی رجسٹرار کوآپریٹیو سوسائٹیز نے
کہا که بینک کھاد اور کیڑے مارنے کی دوا کی شکل میں
۵۰ فیصد قرضے ایصال کر رهے هیں -

قبل ازیں شری واسدیو راؤ پریس انچارج اسٹیٹ
کوآپریٹیو سنٹرل بینک نے اپنی خیر مقدمی تقریر میں کہا که
کوآپریٹیو اداروں کی جانب سے دئے جانے والے زرعی قرضے
جو اب تک ۴۲ کروڑ روپئے کی حد تک تھے اس سال بڑھا کر
ان کی حد کو ۵۰ کروڑ روپئے کردیا گیا هے - اسٹیٹ کوآپریٹیو
سنٹرل بینک کا منافع گزشته سال ۴۲ لاکھ سے بڑھ کر ۹۸ لاکھ
روپے هوگیا هے -

انہوں نے بتایا که سنٹرل کوآپریٹیو بینکوں کی اس سال مزید
۱۰۰ شاخیں قائم کئے جانے کی تجویز زیر غور هے تا که دیہی
عوام میں بینکنگ کی عادت کو فروغ دیا جاسکے اور کسانوں
کو جلد سے جلد قرضے مهیا کئے جاسکیں -

چیف منسٹر نے ڈپازٹوں میں اضافه کرنیوالے بینکوں کو
انعامات و اسناد تقسیم کئے -

سری پی - بی - سری واسو مینجنگ ڈائرکٹر اسٹیٹ
کوآپریٹیو سنٹرل بینک نے شکریه ادا کیا -

پنچایت راج اداروں کے لئے زیاده رقومات :

شری ایم - چنا ریڈی گورنر اتر پردیش نے ۱۹ - اگست
کو ضلع پریشد کھمم کے خصوصی اجلاس عام کو مخاطب کرتے
هوئے پنچایت راج اداروں کو زیاده سے زیاده فنڈ اور اختیارات
سونپنے کی وکالت کی تا که یه ادارے موثر طور پر کام کرسکیں -
گورنر نے کہا که پنچایت راج ادارے هی عوام کو بہتر طور
پر فائده پہنچا سکتے هیں - انہوں نے پنچایت راج اداروں سے
اپیل کی که وه ۲۰ نکاتی معاشی پروگرام کی عمل آوری کے لئے
دلجمعی کے ساتھ کام کریں - کھمم کوآپریٹیو سنٹرل بینک کے
توسط سے کسانوں کو ۵ کروڑ روپیوں کے زرعی قرضے فراهم کرنے
پر گورنر نے ضلع کے انتظامیه کو مبارک باد دی -

سری کے - وی - کیشولو وزیر هینڈ لوم نے کہا که
آندھرا پردیش پہلی ریاست هے جہاں زرعی اصلاحات پر عمل
کیا جا رها هے -

آندھرا مہیلا سبھا کی شاندار خدمات

کے۔ سگنا منی

آندھرا مہیلا سبھا نے جو شاندار خدمات انجام دی ہیں وہ بے مثال بھی ہیں اور اپنی جگہ پر منفرد بھی سبھا کے کارنامے اس بات کی ایک نمایاں دلیل ہیں کہ کس طرح چھوٹے چھوٹے کام، اور معمولی پیمانے کی ابتدائی کوشیش عظیم کارناموں کی شکل اختیار کرلیتی ہیں ۔ ان کارناموں کا سہرا ایک نادر الوجود شخصیت، یعنی ڈاکٹر (شریمتی) درگا بائی دیشمکھ کے سر ہے ۔ عالم نسواں میں ان کی شخصیت بلا شبہ ایک فلک وقار شخصیت ہے وہ نہ صرف جنگ آزادی کی ایک نڈر مجاہدہ رہی ہیں بلکہ، ذہانت و فطانت، اولوالعزمی اور بلند حوصلگی کی تمام صفات ان کی ذات میں مجتمع ہیں ۔ ابھی ان کی عمر بیس برس کی بھی نہیں ہوئی تھی کہ وہ مہاتما گاندھی کی حلقہ بہ گوش بن گئیں ۔ ۱۹۲۱ء میں کاکیناڈا میں گاندھی جی نے کانگریس کے جن جلسوں میں تقریریں کی تھیں ان کے ترجمے درگا بائی نے ہی کئے تھے اور اسی کم عمری کے زمانے میں کاکیناڈا میں انہوں نے "بالکا ہندی پاٹھ شالا،، اور" دبتر سیویکا سنگھم ،، جیسے ادارے قائم کئے تھے ۔

آج آندھرا مہیلا سبھا کی تنظیم، مدراس، حیدر آباد، سنگاریڈی اور محبوب نگر کی مہیلا سبھاؤں کا ایک طاقتور متحدہ مورچہ بن گئی ہے ۔ سبھا کی بانی صدر کی حیثیت سے ڈاکٹر (شریمتی) درگابائی دیشمکھ نے سبھا کے ایام طفولیت سے اس کے عہد شباب تک، ہر منزل پر اس کی خدمت میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا ۔ پچھلے چالیس برس کے عرصے میں انہوں نے بیسیوں اداروں کی بنیاد رکھی خصوصاً عورتوں، بچوں اور معذوروں کے رفاہی ادارے اور پھر تعلیم، صحت عامہ، باز آباد کاری اور اسی قسم کے دوسرے بہت سارے اداروں کی طرح ڈالی اور انہیں پروان چڑھایا ۔

سب سے پہلے انہوں نے اس قسم کے ادارے مدراس میں قائم کئے جن پر ہم سرسری نظر بھی ڈالیں تو حیرت ہوتی ہے کہ کس طرح صرف ایک فرد واحد اتنے سارے کام کرسکتا ہے ۔ ان اداروں کی بنیادیں، ایسے مالدار افراد اور مہاراجوں اور مہارانیوں کی وجہ سے مضبوط ہوسکیں جن کے دلوں میں خدمت خلق کا جذبہ موجزن تھا لیکن اس جذبے کو روبکار لانے میں اگر ڈاکٹر (شریمتی) درگا بائی دیشمکھ کی مساعی شامل نہ ہوتیں تو شاید یہ ادارے عالم وجود ہی میں نہ آسکتے ۔ ان اداروں میں "چناممبا مہیلا سبھا ودیالیہ،، کا ادارہ مرحوم سنت تھا مہاراجہ پتھاپورم کی دریا دلی کا ۔ اس ادارے نے سیکڑوں بے سہارا اور درماندہ عورتوں کو اپنی آغوش عافیت میں پناہ دی اور پھر یہاں تعلیم و تربیت پاکر یہی عورتیں اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے اور ایک خوش حال زندگی بسر کرنے کے قابل بن سکیں ۔ ملہ دیوی ہوسٹل، کی مالکہ تھیں مہارانی بوبیلی جس میں سبھا کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والی طالبات، مقیم ہوتی تھیں اور ان کے آرام و آسائش کے تمام سامان اس ہوسٹل میں فراہم کئے گئے تھے ۔ مذکورۂ صدر دونوں اداروں کی عمارات اور دوسری عمارتوں کی زمینات مرزا پور کی رانی کے عطیوں سے خریدی گئی تھیں ۔

سبھا کا ایک اور قابل ذکر کارنامہ ہے اڈیار کیمپس میں ایک میٹرنٹی ہوم اور ایک نرسنگ ہوم کا قیام جہاں، مدراس کی کم آمدنی والی خواتین کو ساری سہولتیں مفت حاصل ہوتی ہیں ۔ بڑے پیمانے پر خاندانی منصوبہ بندی، میٹرنٹی اور بچوں کی دیکھ بھال کی سروسیز بھی قابل ذکر ہیں ۔ بچوں کی دیکھ بھال کے لئے ایک علحیدہ ہسپتال بھی قائم کیا گیا ہے اور نرسوں کی ٹریننگ کے دوسالہ نصاب کا بھی انتظام کیا گیا ہے ۔

ایس ۔ لکشمی پاروتی اور ان کے شوہر شری ہنمنت راؤ (مرحوم) کے عطیوں سے ۱۹۶۰ء میں ایک آرتھوپیڈک سنٹر کا قیام عمل میں آیا ۔ یہ سنٹر، پولیو سے متاثرہ بچوں کے علاج معالجے اور ان کی تعلیم و باز آباد کاری کی قابل قدر خدمت انجام دے رہے ۔

سبھا نے مدراس میں جو ٹورسٹ ہوٹل قائم کیا ہے وہ باہر سے آنے والے سیاحوں کا سب سے پسندیدہ ہوٹل ہے تجویز یہ ہے کہ ہندوستان کے مختلف حصوں میں ایسے ہوٹل قائم کئے جائیں جہاں سیاحوں، خصوصاً، کم آمدنی اور متوسط آمدنی والے طبقے سے تعلق رکھنے والے سیاحوں کے لئے قیام و طعام کی سہولتیں فراہم کی جائیں ۔ رضاکارانہ سماجی خدمت کے ادارے کا غالباً یہ پہلا تجربہ ہے کہ باہر سے آنے والے مہمانوں کی اس

طرح مہمان نوازی کی جائے اور اسی کے ساتھ فلاحی سرگرمیوں کے لئے مالیہ کی فراہمی کا ایک ذریعہ بھی پیدا کیا جائے۔ یہ ھوٹل اتنا مشہور ھوگیا ھے کہ دنیا کے مختلف حصوں سے براہ راست بلنگ کے آرڈر ملتے ھیں۔

آئیے اب ھم سبھا کی ان سرگرمیوں کا جائزہ لیں جن کا تعلق حیدرآباد سے ھے۔ اس ضمن میں سب سے پہلے، ودیا نگر کیمپس میں سہیلاودیالیہ کا نام آتا ھے۔ اس تعلیمی ادارے کی سب سے اھم خصوصیت یہ ھے کہ ایسی بالغ خواتین کے لئے جو کسی نہ کسی وجہ سے، تعلیم جاری نہ رکھ سکی تھیں ۱۹۵۹ع میں کنڈنسڈ کورسس شروع کئے گئے۔ ھائر گریڈ اور سکنڈری گریڈ کے بیسک ٹریننگ کورسوں کا آغاز ۱۹۶۳ع میں کیا گیا اب تک اس ادارے سے ھائر گریڈ کی ۳۰۰ سے زیادہ اور سکنڈری گریڈ کی ۵۰۰ تربیت یافتہ خواتین نکل چکی ھیں۔ اسی ادارے کے زیر انتظام ایک ماڈل پرائمری اسکول بھی قائم کیا گیا تھا جو ۱۹۶۷ع میں ترقی کر کے ھائی اسکول کے درجہ تک پہنچ گیا۔ ھائی اسکول کے علاوہ اس ادارے کے تحت ایک ”سیووھار،، بھی چلتا ھے جہاں سکنڈ اسٹینڈرڈ تک بچوں کو انگریزی کے ذریعہ تعلیم دی جاتی ھے۔ مذکورۂ صدر ھائی اسکول آندھرا سہاسبھا کالج آف ایجوکیشن کے بی۔ ایڈ کی طالبات کے لئے ایک ماڈل اسکول کا کام دیتا ھے۔ عثمانیہ میٹرک کا امتحان دینے کے لئے بالغ خواتین کے واسطے، سنٹرل سوشیل ولفیر بورڈ کی منظوری سے اسٹیٹ سوشیل ولفیر ایڈوائزری بورڈ کی راست نگرانی میں، کنڈنسنڈ کورس شروع کیا گیا ھے۔ عثمانیہ یونیورسٹی کے پی۔ یو۔ سی کے امتحان کے لئے بھی، گھر گرھست عورتوں کے لئے کوچنگ کلاسس چلاتا ھے۔ ودیالیہ میں ایک اوپن ایرتھیٹر۔ ”گاندھی ویدیکا،،۔ قائم ھے جہاں عمدہ قسم کے کلچرل پروگرام پیش کئے جاتے ھیں۔ اسکے علاوہ سبھا کے خوبصورت اسمبلی ھال میں ایک اسٹیج بھی ھے جو مختلف تہذیبی ادبی پروگراموں اور ڈراموں کی پیش کشی کے لئے کام آتا ھے۔ اس وسیع ھال میں مختلف لاتعداد سماجی اور مذھبی تقاریب منعقد ھوتی رھتی ھیں جن میں ودیالیہ کی طالبات شریک رھتی ھیں۔ ”گاندھی ویدیکا آڈیٹوریم،، کے علاوہ ایک گاندھی پارک بھی ھے جہاں بڑے بڑے اجتماعات اور قومی تقاریب کا انعقاد عمل میں آتا ھے۔ سبھا کے شاندار ھوسٹل میں مقیم طالبات اس پارک میں محو مطالعہ نظر آتی ھیں۔

سبھا کا نرسنگ ھوم بھی اپنی جگہ پر بہت اھمیت کا حامل ھے۔ اس کا اوٹ پیشنٹ شعبہ ھمیشہ مریضوں کی آماجگاہ بنا رھتا ھے۔ بڑے اور چھوٹے آپریشنوں اور زچگیوں کا سلسلہ بھی چلتا رھتا ھے۔ سبھا کی ایک توسیعی سرویس یعنے اس کا میڈیکل سنٹر بھی بہت اھم خدمات انجام دیتا ھے۔ اس کے قیام کا مقصد یہ ھے کہ تمام امراض میں بشمول سرجری، ماھرین کے مشورے اور معالجے سے استفادہ کیا جائے۔ نرسنگ ھوم میں مرد مریضوں کے لئے بھی ایک علحدہ وارڈ موجود ھے اسکے علاوہ اکس۔رے کلینک، پیتھالوجیکل لباریٹری، فیملی پلاننگ کلینک اور دوسرے ضروری شعبے بھی نرسنگ ھوم میں قائم ھیں۔ نرسوں اور آکزلری نرس مڈوائیس کی ٹرنینگ کا بھی انتظام ھے اور ھرسال بیسیوں خواتین یہاں سے تربیت پا کر نکلتی ھیں اور انہیں ملازمت مل جاتی ھے۔ سنگا ریڈی اور محبوب نگر میں بھی نرسوں کی ٹرینگ کا انتظام ھے۔ حیدر آباد اور مدراس کے نرسنگ ھوسس میں اکس۔ رے کے یونٹوں اور پیتھالوجی کے تجربہ خانوں کا بہت عمدہ انتظام ھے اور یہاں، خصوصی امراض کے شعبے بھی قائم ھیں جیسے جلدی بیماریاں وغیرہ۔ ان دونوں نرسنگ ھوسس میں جملہ ۲۰۰ بیڈ ھیں اور تقریباً تیرہ ھزار مریض ھر سال اوٹ پیشنٹس کی حیثیت سے مستفید ھوتے ھیں۔

سبھا کے ودیا نگر کیمپس میں ایک ریجنل ھینڈی کرافٹس انسٹی ٹیوٹ بھی قائم ھے۔ یہاں اس بات کی پوری کوشش کی جاتی ھے کہ ھر قسم کے مزاج، مذاق اور غرض و مقصد کو پیش نظر رکھا جائے اور دستی مصنوعات اونچے معیار کی تیار کی جائیں اسی کے ساتھ ٹریننگ کو بھی لچکدار رکھا گیا ھے تا کہ ایک نمو پزیر سماج کے تقاضوں کو پورا کیا جا سکے یہاں آل انڈیا ھینڈی کرافٹس بورڈ کے نصاب کی پیروی کی جاتی ھے اور تربیت اس طرح دی جاتی ھے کہ متنوع بھی ھو اور پیدا آور بھی۔ چھاپے کا کام چمڑے کا کام اور کھلونے وغیرہ کا کام یہاں سکھایا جاتا ھے۔ اس کے علاوہ اور بھی کئی نئی چیزیں شروع کی گئی ھیں جیسے باٹک اور فیبرک پنیٹنگ، نرمل پینٹنگ اور بیدر کا کام بہت سے بدیسی ملکوں میں بھی یہاں کی مصنوعات فروخت ھوتی ھیں۔ آندھرا پردیش کے علاوہ کیرالا، میسور اور تامل ناڈو کی طالبات بھی اسی ادارے میں ٹریننگ حاصل کرتی ھیں۔ ٹریننگ کے سلسلہ میں طالبات کے رجحان اور ان کی صلاحیت کا بھی لحاظ رکھا جاتا ھے تا کہ آگے چل کر وہ قوم کے لئے تخلیقی خدمات انجام دے سکیں۔

آندھرا سہیلا سبھا کو یہ فخر بھی حاصل ھے کہ اس کا اپنا ایک پرنٹنگ پریس ”سہیلا پریس،، ھے۔ فارمس، رجسٹرس اکونٹ بکس، کی چھپوائی اور سبھا کے دوسرے تمام شعبوں کی چھپوائی کا کام یہی پریس انجام دیتا ھے۔ اسکے علاوہ ابتدائی درجوں کی کتابیں اور سبھا کے خواندگی کے پروجکٹوں کے لئے نئے قسم کا لٹریچر سب کچھ اسی پریس میں چھپتا ھے۔ نیز حکومت اور دوسرے اداروں کا طباعتی کام بھی، یہ پریس، بہت عمدگی

سے انجام دیتا ہے۔ مہیلا سبھا کی کارگذاریوں، اسکیموں اور تعلیمی پروجکٹوں کی خبروں اور مضامین پر مشتمل، "وجے درد" کے نام سے ایک میگزین بھی اس پریس میں چھپتا ہے - اس پریس میں کمپوزنگ، پرنٹنگ اور جلد سازی کی صنعت سے عورتوں کو ٹریننگ بھی دی جاتی ہے۔

عثمانیہ یونیورسٹی کے انجنیئرنگ کالج کے قریب واقع سبھا کے کیمپس میں (سرمتی ڈاکٹر) درگابائی دیشمکھ نے جو مختلف ادارے اور شعبے قائم کئے ہیں ان کو دیکھ کر ہم حیران رہ جاتے ہیں۔ یہاں کا شاندار کتب خانہ جس کی عمارت، فن تعمیر کا ایک بے مثال نمونہ ہے ہر شخص کی توجہ کو اپنی طرف منعطف کرلیتی ہے۔ اس احاطے کی دوسری خاص خاص عمارتیں یہ ہیں:۔ آرٹس اینڈ سائنس کالج برائے خواتین، طالبات کا ہوسٹل، بی ایڈ کالج، مہیر اباستی طالبات کا سنٹر، تعلیم بالغان کا انسٹی ٹیوٹ اور سب سے نمایاں لائبریری ہاؤس - مہیلا سبھا کا عام خواندگی کا پروگرام، آندھرا پردیش کے آٹھ اضلاع (ہر ضلع کے ایک بلاک میں) نافذالعمل ہے۔ اس پروگرام سے اب تک ہزاروں کسان اور کسان عورتیں مستفید ہوچکی ہیں مہیلا سبھا کے کیمپس کا سب سے زیادہ ولولہ انگیز مرکز ہے گاندھی شتابدی بھون - اس کی عمارت فن تعمیر کا ایک نادر نمونہ سمجھی جاتی ہے، یہ عمارت گاندھی شتابدی تقاریب کے موقع پر بابائے قوم کی یاد میں بنائی گئی تھی - اس عمارت میں جلسے اور بھجن وغیرہ کے پروگرام ہوتے ہیں جن میں مہاتما گاندھی کی زندگی اور تعلیمات کا خاص لحاظ رکھا جاتا ہے۔ ریاست کے تیرہ اضلاع میں بھی ایسے ہی بھون تعمیر کئے گئے ہیں -

ڈاکٹر (سرمتی) درگابائی دیشمکھ کی خدمات بے مثال اور ناقابل فراموش ہیں - جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے۔ یہ زبردست کارنامہ، فیاضانہ عطیوں کے ذریعہ روبعمل آسکا ہے - ملک کے مختلف بڑے بڑے صنعتی اداروں اور تنظیموں نے بھی عطیے دئے ہیں۔ لیکن ان عطیوں سے ٹھوس فائدہ اٹھانے اور انہیں مکمل کرنے کا سہرا اس ادارے کی بانی صدر کے سر ہے۔ ان کا واحد مقصد یہ تھا کہ ایسی تمام قسم کی ماری عورتوں نیز بچوں اور اپاہج و معذور خواتین کو ایک نئی زندگی عطا کی جائے اور بہت بڑے پیمانے پر ان کا یہ مقصد پورا ہو گیا ہے۔ ان کی شاندار خدمات نے زبردست اور بہت ہی متنوع کارنامے انجام دئے ہیں وہ رہتی دنیا تک یادگار رہیں گے -

---

زراف

بسلسله صفحه نمبر ۱۳

لیکن جب زراف اپنا سر پانی پینے کے لئے جھکاتا ہے تو اس کا بلڈ پریشر دگنا ہو جاتا ہے - لیکن قدرت نے اس حیوان کے شریانوں کا کچھ اس طرح انتظام کیا ہے کہ جب وہ اپنے سر کو نیچا کرتا ہے تو خون بجائے لطیف نالیوں میں جمع ہونے کے بڑی شریانوں میں بہنا شروع ہو جاتا ہے - اور دل کے والو (valve) اس کے دوران خون کو کنٹرول کرکے خون کی رفتار کو تیز ہونے نہیں دیتے - اگر ایسا نہ ہوتا تو خون کے زیادہ دباؤ کے باعث دماغ کی شریانیں پھٹ جانے سے زراف ہلاک ہوجاتا - سائنس داں اسی انتظام قدرت کے مشاہدے میں مصروف ہیں - ممکن ہے مستقبل قریب میں اس کھوج کے نتیجے میں ہائی بلڈ پریشر کے علاج کا کوئی کامیاب طریقہ نکل آئے - اگر ایسا ہو گیا تو یقیناً وہ دن زراف کی زندگی کا یادگار دن ہوگا - مگر تشویش اس بات کی ہے کہ یہ اہم جانور تعداد میں بڑی تیزی سے کم ہوتا جارہا ہے - اپنی بڑی دنیا میں اب براعظم افریقہ کے دس فی صد سے بھی کم حصے پر یہ جانور اپنی زندگی کے دن گزار رہا ہے -

آند

'' آندھرا مہیلا سبھا ''
اپنی نوعیت کی منفرد تاریخ ہے
ہے کہ کس طرح چھوٹی چھوٹی
اختیار کرلیتی ہیں -

۱ - بچوں کا ایک کلاس روم
۲ - عورتوں کے لئے کالج کی تعلیم
۳ - آندھرا مہیلا سبھا کے تعلیمی ادارے
۴ - چھاپہ خانہ کا شعبہ
۵ - چھاپہ خانہ میں جلد سازی کا شعبہ
۶ - ٹیلرنگ کی کلاس چل رہی ہے -
۷ - سبھا کی بانی صدر شریمتی درگاہ بائی دیشمکھ
۸ - عورتیں - رنگ برنگی دستی مصنوعات کی تیاری میں مصروف
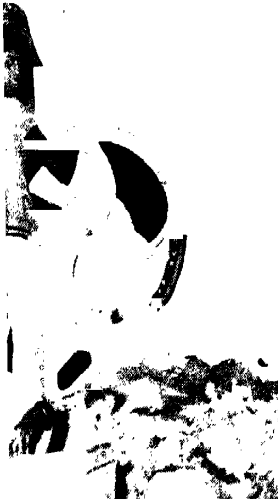
۔ یہ ایک طویل اور
ایک درخشاں مثال
ار کارناموں کی شکل
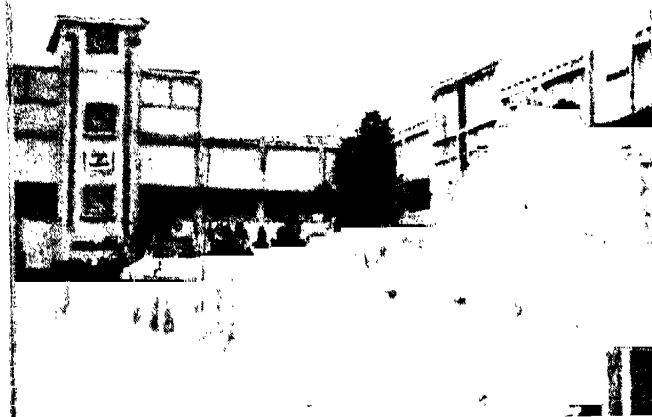
احمد بن سلطان محوی

بیس نکات

دکھائی دیتا ہے جمہوریت کا حسن عمل
فضا میں پھیل گیا آج امن کا آنچل
وہاں اجالوں نے پھیلائے اپنے بس جنت
سجا رہے تھے اندھیرے جہاں جہاں مقتل

ہزاروں سالوں سے تھے بند کب سے سخانے
حسین شہر بنے جا رہے تھے ویرانے
سنو! کہ ملک میں اندرا کی جرأتوں کے طفیل
لبوں پہ آج ہیں خوش حالیوں کے افسانے

خود اپنے آپ کو ہر طرح آزمانا ہے
نئی حیات کو اک روشنی دکھانا ہے
چلو! بہار نئی اب بہ شان جمہوری
ہمارے ساتھ تو اب وقت ہے زمانا ہے

غموں کو بانٹ لیں ہر ایک کو خوشی دے دیں
فسردہ زیست کو ہم پھر سے زندگی دے دیں
ہمارا حق ہے اندھیروں میں رہنے والوں کو
ہر ایک حال میں پیغام روشنی دے دیں

بنائیں حال کو ، ماضی کا احترام کریں
چلو کہ جشن بہاراں کا اہتمام کریں
حیات و فکر کی رعنائیوں کو ساتھ لئے
نکات بیس ہیں سمجھائیں انکو عام کریں

خود اپنی ، اوروں کی توقیر جانتے ہیں ہم
نئی حیات کی تعمیر جانتے ہیں ہم
ہم ایک دور ہیں تاریخ ہیں زمانہ ہیں
حیات نو کی تفسیر جانتے ہیں ہم

حیات کے نئے تازہ حیات لائے ہیں
وفا کے پیار کے سارے نکات لائے ہیں

خبریں تصویروں میں

یر سیاحت ڈاکٹر سی ۔ ایچ ۔ دیوندر راؤ نے ہورسلے ہلز
۔ اگست دو سیٹرو لوجیکل آبزرویٹری کا افتتاح دیا ۔

چیف منسٹر شری جے ۔ وینگل راؤ نے یکم اگست کو حیدرآباد
کے قریب بہادر گوڑہ میں سٹیلائیٹ انسٹر کشنل ٹیلی ویژن
اکسپریمنٹ کے موقع پر ایک اسپشل دا ڈ ری ٹکٹ جاری کیا ۔
چیف منسٹر نے اس ڈوں کے ایک جوڑے نوان ٹکٹوں کا ایک البم دیا

وزیر صحت و طبابت شری کے ۔ راجملو نے ایرسی مشین
ھاسپٹل ، سور میں ۸ ۔ اگست کو " نیوڈوایرفروارڈ " کا
افتتاح دیا ۔ تصویر میں ھسپتال کی سرجن اسپرنٹنڈنٹ
مسز ڈاکٹر آر ۔ ایچ تھنکا راج بھی نظر آرھی ھیں ۔

ظام آباد لیڈیز کلب میں خواتین کے بین الاقوامی سال کی
مب منائی گئیں ۔ بہبودی خواتین و اطفال کی وزیر شریمتی
می دیوی بھی تصویر میں دیکھی جاسکتی ھیں ۔

اوسط آبپاشی کے وزیر شری وی ۔ کرشنا مورتی نائیڈو نے ۲۱ ۔
اگست کومکوا میں پی ۔ ایچ ۔ سنٹر بلڈنگ کا سنگ بنیاد رکھا ۔

خواجہ ضؔ

غزل

قدم قدم پہ ہیں کچھ خار رہگذر کے لئے
خوشا نصیب سہولت تو ہے سفر کے لئے

مگر نیاز جھکانے سے کچھ نہیں ہوتا
جبین دل کی ضرورت ہے سنگ در کے لئے

یہ کائنات طلسمات ہست و بود سہی
وجود رکھتا ہے ہر ذرہ دیدہ ور کے لئے

سحر ہوی تو در و بام اجنبی ٹھہرے
لڑے تھے ہم کئی راتوں سے جس سحر کے لئے

تجلیوں کی تمنا تو عام ہے لیکن
شعور دید بھی لازم ہے کچھ نظر کے لئے

جبیں جھکے تو اٹھے نقش آستاں لے کر
اک ایسا سجدہ ہی کافی ہے عمر بھر کے لئے

جو ساتھ رہ کے بھی تنہائی میں نہ حایل ہو
وفا ترستی رہی ایسے ہم سفر کے لئے

ضمیر ان کی محبت کا امتحان توبہ
نفس نفس کے لئے ہے نظر نظر کے لئے

شہباب للت

آہنگ

اٹھائیس برسوں کے لمبے سفر کی
سیہ دھول چہرے پہ میرے جمی ہے
کڑے موسموں کی
مشقت کی سوغات یہ جھریاں
ٹیڑھی میڑھی لکیریں جو ابھری ہیں عارض پہ میرے
یہ پرچھائیاں میری کلفت بھری زندگی کی
یہ پونجی مرے تجربوں کی
یہ ہیں ماحصل میرے خون جگر کا
کہ میں قافلے کا ہوں سالار، اپنے قبیلے کا
سردار ہوں

کبھر نہ سکھیا ہوں میں
تھے گھرانے میں میرے حریص اور خونخوار، زر دار بھی
بے بضاعت ستم خوردہ نادار بھی
اک طرف وہ بھی تھے
جو مرے محنتی اور جفاکش سپوتوں کے منہ سے
نوالہ اچکنے کی دھن میں
کتنی الٹے سیدھے عدالت سے فرمان لائے
ادھر وہ بھی تھے، ہولیاں کھیلنا
جنکو مرغوب تھا
بھائیوں کے لہو سے
ادھر وہ بھی تھے نادان جن کی آنکھوں پہ حرص و ہوا کی
بندھی تھیں
جو اپنے قبیلے کے افراد کو
ان کی معصوم اولاد کو
نفع خوری، گرانی، ملاوٹ کے خونیں شکنجوں میں کس کر
لہو ان کے کومل بدن کا رہے چوستے
ان میں کچھ وہ تھے جو
بند، گھیراؤ، ہڑتال، پتھراؤ، دہشت گری
لوٹ مار اور آتش زنی کے تھے رسیا

اسکے برعکس کچھ لوگ تھے
جو تشدد کی نفرت بھری ظلمتوں میں
محبت کی قندیل ہاتھوں میں لے کر
اندھیروں سے دست و گریباں رہے
جان اپنی ہتھیلی پہ رکھ کر
میرے فرزند وہ بھی تھے جو
گھر کے دیوار و در
ایک اک اینٹ کی، چپہ چپہ زمیں کی
حفاظت کی خاطر
سر اپنے خوشی سے کٹاتے رہے
جاں کی بازی لگاتے رہے
ناخلف اور گمراہ بیٹے
جو میرے ہی گھرانے کے افراد تھے
زہر جھوٹ اور نفرت کا جن کی رگوں میں رچا تھا
وہ بے روح کو تہ نظر
ذہن و دل جن کے بیمار تھے
حلق میں ان کے میں نے انڈیلی ہیں کڑوی دوائیں
کہ وہ وقت اب آ گیا ہے
گھرانے کے افراد سارے شفایاب ہوں
جسم بے روگ ہوں
ذہن بے داغ ہوں
دل ہوں پاکیزہ، اور روح بیدار ہو
اور میں
اپنی دی شان اونچے گھرانے کے چھوٹے بڑے
سارے افراد کو
ساتھ لے کر چلوں
اپنے دامان تہذیب کی رنگ رنگی کو محفوظ رکھتا ہوا
ہر عقیدے کو
ہر حلقہ فکر و دانش کو
یکسر ہم آہنگ کرتا ہوا
اعتماد اور قوت سے آگے بڑھوں

* * * *

مولوی غلام ربانی صاحب

ردو کے ایک خاموش خدمت گزار

بیسویں صدی کے اس ترقی یافتہ دور میں بھی جب کہ
نمود اور شہرت و عزت کے حصول کی خواهش انسانوں
ت زیادہ بڑھ گئی ہے اور زبان و ادب اور علم و هنر کے
هر معمولی آدمی اپنے آپ کو مشہور و مقبول فن کار ثابت
پر تلا هوا ہے بعض ایسے لوگ موجود هیں جو نام و
. کوسوں دور ، خاموشی سے اپنے کام میں لگے هوئے هیں۔

آج میں اردو کے ایک ایسے هی خاموش خدمت گزار
. کرنا چاهتا هوں جو اردو زبان و ادب میں غلام ربانی
سے جانے جاتے هیں اور حیدر آباد هی میں فرو کش
ہ وهی ربانی صاحب هیں جو برسوں داغ کے جانشین
دهلوی کی صحبت میں رہے هیں ۔ مولانا محمد علی جوهر
ھ کام کیا ہے ۔ بابائے اردو مولوی عبدالحق صاحب
ں سال تک رفیق رہے هیں اور غلام یزدانی (ماهر آثار
کے ساتھ بھی کم و بیش پچیس سال گزار چکے هیں ۔
ربانی صاحب هیں جنہوں نے اب تک پانچ ڈکشنریوں
ی میں هاتھ بٹایا ہے ۔ یہ وهی ربانی صاحب هیں جن
کتابیں شایع هوچکی هیں ۔ اور مختلف رسائل و اخبارات
پہلے پچاس ساٹھ سال کے عرصے میں جن کے بیشمار
مختلف موضوعات پر نکل چکے هیں ۔ یہ وهی ربانی
هیں جن کے ریڈیو ڈراموں ، فیچروں اور نشری تقاریر
د دو سو سے بھی زیادہ ہے ۔

لیکن اس کے باوجود انہیں آج هندوستان اور پاکستان
میں تو کجا خود شہر حیدر آباد میں بہت کم لوگ جانتے هیں۔
اس کی وجہ محض یہی ہے کہ ان کی طبیعت میں انکساری اور
خود داری اس درجہ کوٹ کوٹ کر بھری هوئی ہے کہ کبھی
وہ کسی کے سامنے اپنے کچھ هونے کا دعوی نہیں کرتے اور
کبھی یہ نہیں چاهتے کہ کسی اخبار یا رسالے میں ان کے نام
کی تشہیر هو۔ ورنہ اردو زبان میں ان کی خدمات ایسی هیں کہ
ان کی جگہ کوئی اور هوتا تو آج علامہ دهر قرار پاتا ۔ لیکن
اس کے بر خلاف ان کا یہ عالم ہیکہ جب میں نے ان سے
گزارش کی کہ وہ اپنے بارے میں کچھ لکھیں تو وہ صاف ٹال
گئے اور برسوں ٹالتے رہے ۔ لیکن جب میرا اصرار جاری هی
رها تو بہ دقت تمام ایک روز وقت نکال کر انہوں نے
میرے سوالوں کا جواب دیا اور اس طرح یہ مضمون (جو اس
وقت آپ پڑھ رہے هیں) مکمل هو پایا ۔

ویسے ربانی صاحب کو زیادہ لوگ نہیں جانتے لیکن جو
جانتے هیں وہ انہیں خوب جانتے هیں اور ان کی صلاحیتوں
سے خوب واقف هیں ۔ میرے اور ان کے خاندانی مراسم هیں
اور بہت قدیم هیں ۔ جب وہ اورنگ آباد کالج میں اردو پڑھاتے
تھے تو میرے ماموں مولوی عبدالعزیز صاحب ان کے
شاگرد تھے ۔ (۱) بعد میں ربانی صاحب آثار قدیمہ میں آئے تو

(۱) موصوف حکومت هند کے وظیفہ یاب عہدہ دار هیں۔ انهوں نے کوئی (۳۷) سال تک محکمہ آثار قدیمہ میں ملازمت
میم هند سے قبل ریاست حیدر آباد میں یہ برسوں تک غار هائے ایلورہ و اجنتا کے مہتمم رہے ۔ وائسرائے هند
تھگو کو آپ هی نے ان غاروں کا معائنہ کرایا تھا ۔ هندوستان میں ان غاروں کے بارے میں تفصیلی معلومات
والے چند لوگوں میں مولوی عبدالعزیز صاحب کا بھی شمار هوتا ہے ۔ سابق صدر جمہوریہ هند راجندر پرشاد آنجہانی
ی آپ هی کی معیت میں ان غاروں کا معائنہ کیا تھا ۔ریاست حیدر آباد کے انڈین یونین میں انضمام کے بعد ان کا
یدر آباد هوگیا اور وہ مدد گار ناظم آثار قدیمہ کے طور پر صدر دفتر میں کام کرنے لگے ۔ ریاستی تنظیم جدید کے
کی خدمات مرکزی محکمہ آثار قدیمہ نے حاصل کرلیں اور وهیں سے انهوں نے وظیفہ حاصل کیا ۔ تاریخ تمدن هند
قدیمہ کے علاوہ آپ زبان و ادب کا بھی اچھا ذوق رکھتے هیں ۔ ویسے تو آپ کا وطن اجنتا (مہاراشٹرا) ہے لیکن
حیدر آباد میں سکونت اختیار کرلی ہے ۔ (رشید)

ہ دونوں ہم دفتر اور ساتھی بھی ہوگئے ۔ اس طرح یہ مراسم ور زیادہ گہرے ہوگئے ۔ اس لئے مجھے انہیں بہت قریب سے یکھنے کا موقع ملا ہے اور بار ہا میرے دل میں یہ خیال یا کہ اگر میں نے ربانی صاحب پر کچھ نہ لکھا تو یہ ایک ہم فرض سے رو گردانی ہوگی ۔ چنانچہ مجھے مسرت ہے کہ ج میں ”آندھرا پردیش ،، کے ذریعہ اپنے اس فرض سے بکدوش ہو رہا ہوں ۔

مولوی غلام ربانی صاحب دلی سے جانب شمال تیس میل ور واقع ایک قصبہ پلول میں (جس کا ضلع گڑگاؤں ہے اور بو ان دنوں ہریانہ میں شامل ہے) ۱۸۸۸ء میں ایک متوسط زمیندار گھرانے میں پیدا ہوئے ۔ ابتدائی تعلیم اسی صبے میں حاصل کرنے کے بعد وہ دلی آگئے اور گورنمنٹ ائی اسکول سے انہوں نے میٹرک کامیاب کیا اور سنٹ کالج دلی یں انٹر میں شریک ہوگئے ۔ یہ وہی کالج ہے جہاں ڈپٹی نذیر احمد کے شاگردان رشید مرزا فرحت اللہ بیگ اور مولوی ملام یزدانی نے تعلیم حاصل کی ہے ۔ لیکن بعض وجوہ کی بنا ر ربانی صاحب اپنی تعلیم جاری نہ رکھ سکے اور دلی کے کاونٹنٹ جنرل کے دفتر میں ملازم ہوگئے۔ یہ دفتر لال قلعہ کے اندر واقع تھا ۔ اس طرح ان دنوں وہ روز لال قلعہ کی زیارت کرتے تھے اسی زمانے میں ہم محلہ ہونے کی وجہ سے مشہور ردو شاعر علامہ بیخود دہلوی سے ان کے دوستانہ مراسم پیدا ہوگئے اور وہ روزانہ پابندی کے ساتھ ان سے ملنے لگے ۔ ربانی صاحب کا کہنا ہے کہ بیخود مرحوم کی صحبت میں انہوں نے زبان کے بہت سے رموز جانے اور بول چال اور تحریر میں من کا صحیح استعمال سیکھا ۔ علامہ مرحوم ان کے ساتھ بہت شفقت سے پیش آتے تھے ورنہ ان کی سخت مزاجی اردو ادب یں مشہور ہے ۔

تین سال تک اے ۔ جی ۔ آفس میں حساب کتاب کا کام کرنے کے بعد ربانی صاحب نے یہ ملازمت چھوڑ دی کیونکہ وہ کسی طرح ان کے ذوق کے مطابق نہیں تھی ۔ اس زمانے میں مولانا محمد علی جوہر نے کلکتہ سے انگریزی کا مشہور ہفتہ وار ”کامریڈ ،، نکالا ۔ ربانی صاحب بحیثیت خازن ان کے ساتھ کام کرنے لگے ۔ اس زمانے میں بلقان کی جنگ چل رہی تھی اور مولانا محمد علی کے مضامین کی وجہ سے ہندوستانی مسلمانوں میں ترکی کی تائید میں زبردست جوش و خروش پایا جاتا تھا اور بلقان فنڈ میں دھڑا دھڑ روپیہ جمع ہورہا تھا جو ”کامریڈ ،، کے توسط سے ترکی بھجوایا جا رہا تھا ۔ بعد میں مولانا محمدعلی جوہر نے ”کامریڈ ،، کے ساتھ ایک اردو روز نامہ ”ہمدرد ،، بھی جاری کیا ۔ اس زمانے میں ”کامریڈ ،، اور ”ہمدرد ،، کے ادارے سے قاضی عبدالغفار ، میر محفوظ علی بدایونی (عبدالحق صاحب کے خاص ساتھی) ضیاء الدین برنی ، سید ہاشمی فرید آبادی ، جالب دہلوی اور راجہ غلام حسین جیسے لوگ وابستہ تھے ۔ ان میں سوائے سید ہاشمی فریدآبادی کے سب مرحوم ہوچکے ہیں

ربانی صاحب نے جہاں بھی کام کیا پوری فرض شناسی اور ذمہ داری کےساتھ کیا ۔ ”ہمدرد ،، کا دفتر اور مولانا محمد علی جوہر کی رہائش ایک عمارت میں ہی تھی ۔ ایک بار اندر سے ان کی نوکرانی نے آکر کہا کہ ”بیگم صاحبہ ، صاحب کے سگار کے لئے پچیس روپے منگا رہی ہیں ،، ۔ انہوں نے جواب دیا کہ ”صاحب کی چٹھی لاؤ ،، ۔ نوکرانی اندر گئی اور پھر آکر اس نے کہا کہ ”بیگم صاحبہ بہت خفا ہو رہی ہیں اور کہہ رہی ہیں کہ بغیر چٹھی کے پیسے دے دو ،، ربانی صاحب نے انکار کردیا اور اپنے کام میں مصروف ہوگئے ۔ تھوڑی دیر بعد انہوں نے پیچھے سے اپنے کندھوں پر کسی کے ہاتھ کا دباؤ محسوس کیا ۔ انہوں نے مڑ کر دیکھا تو مولانا جوہر کھڑے مسکرا رہے تھے ۔ جوں ہی دونوں کی آنکھیں چار ہوئیں مولانا نے کہا ۔

”ارے بھئی تم نے بہت اچھا کیا ۔ مجھے قوم کے پیسے کی حفاظت کے لئے ایسے ہی خازن کی ضرورت تھی ،، ۔

علی برادران (محمد علی ، شوکت علی) کی گرفتاری کی وجہ سے ”کامریڈ ،، اور ”ہمدرد ،، دونوں اخبار بند ہوگئے اور ربانی صاحب پھر بیکار ہو کر اپنے وطن واپس چلے آئے ۔ دو سال بعد ”کامریڈ ،، کے ممتاز صحافی راجہ غلام حسین نے جب لکھنو سے اپنا ذاتی انگریزی ہفتہ وار ”نیو ایرا ،، جاری کیا تو انہوں نے ربانی صاحب کو ”نیو ایرا ،، کے منیجر کی حیثیت سے لکھنو بلالیا ۔ یہ اخبار کافی اچھا چلتا تھا اور اس زمانے میں ”کامریڈ ،، کا جانشین سمجھا جاتا تھا مگر ایک ٹرافک کے حادثے میں راجہ صاحب کی اچانک اور بے وقت موت کی وجہ سے یہ اخبار بھی بند ہوگیا ۔

ربانی صاحب مولوی عبدالحق کے والد شیخ علی حسین صاحب کے ملنے والوں میں سے تھے ۔ مولوی صاحب کے بڑے بھائی ضیاء الحق اور چھوٹے بھائی احمد حسین صاحب سے بھی ان کی ملاقات تھی ۔ خصوصاً احمد حسین صاحب سے ان کے مراسم دوستانہ تھے ۔ جب احمد حسین صاحب انجینیر بن کر بھوپال چلے گئے تو ایک بار یہ بھی ان سے ملنے وہاں گئے ۔ اتفاق سے مولوی عبدالحق صاحب بھی پانی پت سے مولانا الطاف حسین حالی کے آخری مراسم میں شرکت کے بعد اورنگ آباد واپس ہوتے ہوئے (جہاں ان دنوں انجمن ترقی اردو ہند کا دفتر

واقع تھا) ایک دو دن بھوپال میں اپنے بھائی کے پاس ٹھہر گئے تھے ۔ یہیں ربانی صاحب اور عبدالحق صاحب کا ایک دوسرے سے تعارف ہوا (۱) اور بعد میں ۲۵ سال تک یہ ایک دوسرے کے ساتھی بنے رہے ۔ چونکہ ربانی صاحب ان دنوں بے کار تھے اس لئے مولوی صاحب نے انہیں انجمن ترقی اردو (جس کے وہ اعزازی معتمد تھے) کے دفتر میں کام کرنے کے لئے بلالیا اور اس طرح ربانی صاحب انجمن کے دفتر سے وابستہ ہوگئے ۔ مولوی صاحب ان دنوں اورنگ آباد میں مہتمم تعلیمات تھے ۔ اس لئے انہوں نے ربانی صاحب کو تعلیمات میں ملازم بھی رکھوادیا اور وہ گورنمنٹ ہائی اسکول میں (جو ان دنوں کالج سے ملحق تھا) اردو پڑھانے لگے ۔ یہیں میرے ماموں مولوی عبدالعزیز صاحب (جن کا ذکر اوپر آچکا ہے) ان کے شاگرد ہوئے ۔ ربانی صاحب کے اس زمانے کے قابل ذکر شاگردوں میں میرے ماموں کے علاوہ اردو کے مشہور شاعر سکندر علی وجد اور حامد علی عباسی سابق معتمد فینانس وغیرہ شامل ہیں ۔ وجد صاحب اپنا ابتدائی کلام ان ہی کو دکھایا کرتے تھے اور انہوں نے اس زمانے میں ان کی بے حد حوصلہ افزائی کی ۔ عباسی صاحب حیدر آباد کی ایک ممتاز علمی اور ادبی شخصیت ہیں ۔ ان کا وطن اورنگ آباد ہے ۔ یہ کئی برس تک حکومت آندھرا پردیش کے فینانس سکریٹری رہے ہیں اور ان دنوں نظامس جیوبلی پنشن ٹرسٹ کے مالی مشیر ہیں ۔ عباسی صاحب بے حد سنجیدہ اور باذوق شخصیت کے مالک ہیں ۔

دن میں نوکری کرتے ہوئے ربانی صاحب رات میں دیر گئے تک مولوی صاحب کے ساتھ بیٹھ کر انجمن کا کام کیا کرتے تھے ۔ وہاں ان کے ذمے انجمن کی مطبوعات اور سہ ماہی رسالہ "اردو" میں اشاعت کی غرض سے آنے والے مسودات کو دیکھنے کا کام تھا ۔ "فرہنگ اصطلاحات علمیہ" کی تیاری میں بھی آپ نے مولوی صاحب کا ہاتھ بٹایا۔ جس کے دیباچے میں مولوی صاحب نے ان کا شکریہ بھی ادا کیا ہے ۔ مولوی صاحب کی شہرۂ آفاق "اسٹنڈرڈ انگلش اردو ڈکشنری" میں بھی (جو دراصل کنسائیز آکسفورڈ ڈکشنری کا ترجمہ ہے) انہوں نے کام کیا ۔ اس زمانے میں پنڈت ونتی دھرودتا السلر ، وہاج الدین صاحب اور محمد حسین محوی صاحب اس کام میں ان کے ساتھ تھے ۔ مولوی صاحب ان تمام لوگوں کو ساتھ لے کر تراجم کو قطعی صورت دیتے تھے ۔ عام طور پر یہ نشست شام کے کھانے کے بعد (مولوی صاحب مغرب کے فوری بعد کھانا کھالیتے تھے کیونکہ وہ دوپہر میں کھانا نہیں کھاتے تھے) رات دیر گئے تک جاری رہتی تھی (۱)

اس زمانے میں انجمن کی جانب سے "اردو لغت" کی تیاری کا کام بھی جاری تھا ۔ مولوی صاحب اردو کی پرانی کتابوں سے الفاظ جمع کر کے یہ لغت مرتب کرنا چاہتے تھے چنانچہ ربانی صاحب نے بہت سی پرانی کتابیں پڑھ کر سینکڑوں الفاظ تلاش کئے ۔ افسوس کہ یہ کام دہلی کے دفتر میں فسادات ۱۹۴۷ء کے زمانے میں تلف ہو گیا ۔ اسی زمانے میں ربانی صاحب نے عبدالحق صاحب کی فرمائش پر انجمن ترقی اردو کی سلور جوبلی کے موقع پر "انجمن کی کہانی" نامی مختصر سی کتاب لکھی جس میں انجمن کی پوری تاریخ موجود ہے ۔ جو بھی شخص انجمن کے ماضی کے بارے میں کچھ پوچھتا تو وہ اسے اس کتاب کے پڑھنے کا مشورہ دیتے تھے ۔ اس کتاب کا انگریزی ترجمہ بھی شائع ہوچکا ہے ۔

اپنے قیام اورنگ آباد کے زمانے میں ربانی صاحب کی ملاقات غلام یزدانی صاحب (۲) سے ہوئی وہ ان کی صلاحیتوں ، قدیم فن تعمیر کے ذوق ، پرانے سکوں کے شغف اور تاریخ سے

(۱) مولوی صاحب یہ سارا کام اعزازی طور پر انجام دیتے تھے اور صرف اردو کی خدمت کے جذبے کے تحت کرتے تھے ۔ اس کام میں وہ اس قدر منہمک رہتے تھے کہ انہیں اپنی صحت اور آرام کا بھی خیال نہیں رہتا تھا ۔ چنانچہ ایک بار اورنگ آباد میں اسی طرح وہ رات میں کام انجام دے رہے تھے کہ انہیں بچھو نے ڈنک مار دیا لیکن باوجود تکلیف کے انہوں نے کام جاری رکھا اور کام کے ختم ہونے تک اپنے ساتھیوں سے اس کا تذکرہ نہیں کیا (رشید)

(۲) یزدانی صاحب کا شمار ہندوستان کے ممتاز ماہرین آثار قدیمہ میں ہوتا ہے ۔ اس موضوع پر ان کی کئی کتابیں موجود ہیں ۔ وہ سابق ریاست حیدر آباد میں برسوں تک ناظم آثار قدیمہ رہے اور غار ہائے ایلورہ و اجنتا کی باز یافت کے بعد اس کی صفائی اور روشنائی میں خصوصی دلچسپی لی ۔ ان کا وطن دلی تھا لیکن ان کی ساری زندگی حیدر آباد میں گزری اور وہ یہیں ابدی نیند سو رہے ہیں ۔ اردو کے مشہور ادیب مرزافرحت اللہ بیگ ان کے بچپن کے دوست تھے اور "نذیر احمد کی کہانی" نامی کتاب میں بیگ صاحب نے جگہ جگہ ان کا تذکرہ کیا ہے ۔ یزدانی صاحب کی اردو اور انگریزی میں کئی کتابیں ہیں ۔ (رشید)

دلچسپی کی بنا پر ان سے بہت متاثر ہوئے اور ربانی صاحب کو تعلیمات سے آثار قدیمہ میں منتقل ہونے کی دعوت دی ۔ اس زمانے میں مولوی عبدالحق صاحب بھی حیدر آباد آچکے تھے اور ربانی صاحب بھی حیدر آباد آنا چاہتے تھے اس لئے انہوں نے یزدانی صاحب کی اس دعوت کو قبول کرلیا اور حیدر آباد آکر محکمہ آثار قدیمہ میں بحیثیت مہتمم کام کرنے لگے ۔ کچھ دن وہ بیدر میں بحیثیت مہتمم بھی برقرار رہے لیکن پھر منتقلی پر حیدر آباد آ گئے اور ۱۹۵۲ء میں وظیفہ حسن خدمت پر سبکدوش ہو کر مستقل طور پر حیدر آباد ہی میں سکونت پذیر ہو گئے ۔ حیدر آباد سے انہیں کچھ ایسی انسیت ہو گئی کہ اگرچہ ان کے سارے رشتہ دار پاکستان میں ہیں پھر بھی وہ پاکستان منتقل ہونا نہیں چاہتے اپنے رشتہ داروں سے ملنے کے لئے پاکستان جاتے بھی ہیں تو کچھ دن رہکر حیدر آباد لوٹ آتے ہیں اور تبھی اطمینان کی سانس لیتے ہیں ۔

ربانی صاحب کی گھریلو زندگی بے حد خوشگوار رہی اور آج بھی ہے ۔ انہوں نے اپنی شادی کی گولڈن جوبلی عرصہ ہوا منائی ہے ۔ مسز ربانی ایک بے حد خوش اخلاق خاتون ہیں اور مجھ سے اور میرے بیوی بچوں سے بے حد شفقت سے پیش آتی ہیں ۔ ربانی صاحب کے بڑے فرزند سلام یزدانی ہیں جو عثمانیہ کے گریجویٹ ہیں اور اے ۔ جی ۔ آفس حیدرآباد میں آڈیٹس آفیسر ہیں ۔ دوسرے فرزند غلام جیلانی ہیں جو عثمانیہ کے ایم ۔ ایس ۔ سی ہیں اور اسی یونیورسٹی میں طبیعیات کے ریڈر ہیں ۔ یہ دونوں حضرات بھی افسانے ، ڈرامے اور مضامین لکھتے ہیں اور آکاش وانی حیدر آباد سے اکثر ان کی چیزیں نشر ہوتی رہتی ہیں ۔ ربانی صاحب کی دو لڑکیاں تسنیم ربانی اور نسیم ربانی ہیں ۔ یہ دونوں بھی عثمانیہ یونیورسٹی کی فارغ التحصیل ہیں اور پاکستان میں اچھے گھروں میں بیاہی گئی ہیں ۔

غلام ربانی صاحب نے اب تک مختلف موضوعات پر سینکڑوں مضامین لکھے ہیں جو زیادہ تر انجمن ترقی اردو کے سہ ماہی رسالے " اردو " میں شائع ہوئے ہیں ۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے رسالے " جامعہ " میں بھی ان کے بہت سے مضامین شائع ہوتے رہے ہیں ۔ مکتبہ جامعہ کے بچوں کے رسالے " پیام تعلیم " میں بھی ان کے بے حد دلچسپ مضامین شائع ہوتے رہے ہیں ۔ بعض مضامین چیدہ چیدہ طور پر دیگر اخبار و رسائل میں بھی شائع ہوئے ہیں ۔ ان دنوں حیدر آباد کے موقر روز نامہ " سیاست " اور وقیع ماہنامہ " آندھرا پردیش " (اردو) میں (جو اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے) ان کے مضامین پابندی سے شایع ہوتے ہیں ۔ دراصل ربانی صاحب کبھی بھی کسی رسالے یا اخبار کو خود سے مضمون نہیں بھجواتے جب ایڈیٹر حضرات خط لکھتے ہیں اور بار بار فرمائش کرتے ہیں تو اپنی نگارشات روانہ کردیتے ہیں ۔

ربانی صاحب کے مضامین کے خاص موضوعات زبان و ادب کے مسائل ، تاریخ ، آثار قدیمہ ، قدیم سکے ، طرز تعمیر مجسمہ سازی ، علم فلکیات اور موسیقی و مصوری وغیرہ ہوتے ہیں ۔ آپ کا اپنا ایک منفرد طرز تحریر ہے جو بے حد سلیس ، دلکش اور موثر ہے ۔ وہ دوسروں کو بھی ایسی ہی زبان لکھنے کی تلقین کرتے ہیں اور ادق اور بوجھل زبان کو پسند نہیں کرتے ان کی تحریر کا ایک نمونہ ملاحظہ ہو :—

> " مولوی عبدالحق صاحب فتح پور کے دورے پر تھے ۔ نرمل راؤ صاحب مہتمم تعلیمات تھے ۔ وہ بھی ان کے ساتھ ڈاک بنگلہ میں ٹھیرے ہوئے تھے ۔ نرمل راؤ صاحب کو پاس کے کسی گاؤں میں کچھ کام تھا ۔ وہ کچھ دیر کے لئے چلے گئے ۔ مولوی صاحب نے ایک پلنگ پر کچھ کپڑے اور بستر رکھ کر اس پر چادر ڈال دی اور ایک تکیہ پر کوٹ ڈال کر آدمی کا چہرہ بنا کر سرہانے رکھ دیا ۔ دور سے معلوم ہوتا تھا کہ کوئی آدمی کروٹ لئے سو رہا ہے ۔ کچھ دیر بعد نرمل راؤ صاحب آئے ۔ مولوی صاحب برآمدے میں بیٹھے ہوئے تھے ۔ کہنے لگے : " ارے بھائی ! تمہارے کوئی دوست کب سے ملنے آئے ہیں ۔ وہ بہت تھکے ہوئے تھے ۔ پلنگ پر لیٹتے ہی سو گئے ۔ نرمل راؤ صاحب نے دروازے میں سے دیکھا تو واقعی کوئی شخص پلنگ پر لیٹا ہوا دکھائی دیا ۔ جب زیادہ دیر ہوگئی تو نرمل راؤ صاحب اٹھ کر اندر گئے ۔ چادر اٹھائی تو مطلع صاف تھا ۔ "
>
> (" کچھ بابائے اردو کے بارے میں " مطبوعہ " سیاست " حیدرآباد)

بے شمار مطبوعہ مضامین کے علاوہ ربانی صاحب کی تصنیفات میں " انجمن کی کہانی " کے علاوہ " تاریخ ہند " (یہ تقسیم سے قبل عثمانیہ یونیورسٹی کے بی ۔ اے ۔ کے نصاب میں شامل تھی) " ہندو اصطلاحات " (یہ ایک ترجمہ ہے) اور " رہنمائے اردو " (یہ غیر اردو داں افراد کو اردو سکھانے والی کتاب ہے جو ڈاکٹر گوپال ریڈی کی ایماء پر انجمن ترقی اردو حیدر آباد نے شایع کی ہے) شامل ہیں ۔ ان کے پاس اب بھی بے شمار مطبوعہ اور غیر مطبوعہ مضامین ہیں جنہیں مرتب کیا جائے تو کئی کتابیں تیار ہوسکتی ہیں ۔ ربانی صاحب نے ہندی پرچار سبھا حیدر آباد کی جانب سے مرتبہ اردو ہندی ڈکشنری اور ہندی اردو ڈکشنری کی

تیاری میں بھی حصہ لیا ۔ نیز انجمن ترقی اردو حیدر آباد کی جانب سے مرتب ہونے والی تلگو اردو ڈکشنری میں بھی کام کیا ہے ۔ یہ کام ہنوز نا مکمل ہے ۔

غلام ربانی صاحب بے حد منکسر المزاج ، سنجیدہ ، وضعدار ، ہمدرد اور شایستہ انسان ہیں ۔ وہ ایک خاموش اور کم آمیز انسان ہیں لیکن جن کے سامنے کھلتے ہیں خوب کھلتے ہیں اور معلومات کے خزانے بکھیر دیتے ہیں ۔ ان سے ملنے کے بعد بڑا سکون اور جذباتی آسودگی میسر آتی ہے ۔ جب بھی میں ان سے مل کر لوٹتا ہوں تو مجھے مولانا حالی کا یہ شعر یاد آجاتا ہے ۔

بہت جی خوش ہوا حالی سے مل کر ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں

* * * * *

یاد دہلوی

غزل

مستقل اندھیرا ہے مستقل ہے تنہائی
ہم کو مطمئن کرنے زندگی کہاں لائی

جب کسی سفینے سے موج کوئی ٹکرائی
زندگی کے ماتھے کی ہر شکن ابھر آئی

ہے مری نگاہوں میں ذرہ ذرہ آئینہ
آپ ہی تماشہ ہوں آپ ہی تماشائی

موت کو حسیں کہہ کر آج ہم نے یہ جانا
اس طرح بھی ہوتی ہے زندگی کی رسوائی

برق آ کے لہرائی جب کسی نشیمن پر
میرا دل لرز اٹھا میری آنکھ بھر آئی

جانے کتنی امیدیں ، یاد ، رقص کرتی ہیں
پھر بھی کم نہیں ہوتی اپنے دل کی تنہائی

* * * * *

سٹ اسپانر

افراد

کوثر

واجد

توفیق

(مکان کا صحن صحن میں رسی سے بندھا ہوا سیکل کا فریم اس کے قریب واجد بیٹھا ہے اور اس کے اطراف مختلف قسم کے اسپانرز (Spanners) اور سیکل کے پرزے پڑے ہیں - واجد صورت سے زندہ دل اور خوش باش لگتا ہے وہ انہماک سے سیکل درست کر رہا ہے - مکان کے دروازے سے کوثر داخل ہوتی ہے - واجد کے قریب آتی ہے

کوثر - کیا ہو رہا ہے ؟

واجد - (اپنا چہرہ اوپر کرتا ہے) مس جوزف کی سیکل درست کر رہا ہوں -

کوثر - کیا خرابی ہے ؟

واجد - ارے ایک ہو تو بتاؤں سارے بیرنگ شکستہ ہیں چھرے ٹوٹ گئے ہیں چکے سیدھے نہیں ہیں -

کوثر - مجھے تم سے ایک ضروری بات کہنی ہے -

واجد - پہلے تم یہ بتاؤ آفس سے جلدی کیوں چلی آئیں ؟

کوثر - دوپہر کو ایک سہیلی سے فون پر گفتگو ہوئی اور اس بات چیت کے بعد سے میں ایک عجیب الجھن کا شکار ہوں - اس الجھن سے مجھے اسی وقت نجات مل سکتی ہے جب تم میری مدد کرو -

واجد - مدد کرنے کے لئے واجد ہی تو رہ گیا ہے - کل مس جوزف نے مجھ سے کہا تھا - " واجد زرا میری سیکل درست کردو ، مجھے تکلیف ہو رہی ہے " - کچھ دن پہلے تمہاری گھڑی خراب ہو گئی تھی اور اب تم الجھن کا شکار ہو - مجھے یقین ہے جب تمہاری الجھن کا راز معلوم ہوگا تو وہ معمولی سی بات ثابت ہو گی -

کوثر - واجد - معمولی بات نہیں ہے -

واجد - کیا تم نے کسی کو قتل کیا ہے ؟

کوثر - فضول باتوں سے فائدہ -

واجد - پھر یہ کیسی الجھن ہے ؟ . . . اچھا ذرا ادھر سے سٹ اسپانر (Set Spanner) تو دینا (کوثر اپنے سامنے رکھے ہوئے اسپانرز دیکھتی ہے) -

کوثر - (ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے) ان میں سے کون سا ؟

واجد - سٹ اسپانر

کوثر - پتہ نہیں سٹ اسپانر کونسا ہوتا ہے ؟

واجد - ارے - بابا - وہ . . . جس پر بارہ نمبر ہے (وہ اسپانر دیتی ہے) -

کوثر - اگر تم نے میری مدد کی تو میں ایک مہینے تک تمہارا پکوان کرتی رہوں گی -

واجد - سچ !

کوثر - ہاں . . .

واجد - تو پھر میں تیار ہوں - پکوان سے مجھے نفرت ہے - مگر پرانیوں میں کچھ رکھنا نہیں -

کوثر - میں سمجھی نہیں -

واجد - اس سے پہلے میں اپنی کمپنی کے منیجر کے مکان میں رہتا تھا اور ہر ماہ اپنی خوراکی دے دیا کرتا تھا - منیجر کی ایک لڑکی تھی وہ مجھے پسند کرنے لگی تھی ایک دن اس نے پراٹھے کی اوپری پرت کے نیچے ایک چھوٹی سی چٹھی رکھ دی میں کیا علم تھا - جوں ہی میں نے پراٹھا توڑا تو مجھے وہ چٹھی مل جاتی ہو کیا لکھا تھا اس میں -

کوثر - محبت کا اقرار - افسانے کی باتیں -

واجد - ہاں

کوثر - تم نے کیا جواب دیا ؟

واجد - کچھ بھی نہیں — مجھے یہ اچھا نہیں لگتا -

کوثر - کیا کسی سے محبت کرنا بری بات ہے -

واجد - میں برا سمجھتا ہوں - جو اسے اچھا سمجھے وہ کرے

کوثر ۔ یہ سیکل کتنی دیر میں درست ہوگی ۔

واجد ۔ ایسی واهیات سیکل میں نے آج تک نہیں دیکھی ۔ کوئی کل سیدھی نہیں ۔ حب کی کٹوریاں ٹوٹ کر چپک گئی ہیں ۔ فری وهیل تار چھوڑ چکا ہے ۔ باٹم سٹ (Bottom Set) انتہائی ناقص ہے ، وہ تو خیر سے میں ہوں کوئی دوسرا ہوتا تو بنانا بڑی نہیں ۔

کوثر ۔ وہ نئی سیکل کیوں نہیں خرید لیتی ۔

واجد ۔ روپیہ یوں ہی تو جمع نہیں ہوتا ۔ ہاں تم کچھ کہنے والی تھیں ۔

کوثر ۔ کیا فائدہ ۔ تم انکار کردو گے ۔

واجد ۔ کیا کبھی میں نے انکار کیا ہے

کوثر ۔ توفیق کو تو تم جانتے ہی ہو ۔

واجد (سوچتے ہوئے) کون توفیق ..... اچھا ..... وہ اسمارٹی ۔

کوثر ۔ ہاں ۔

واجد ۔ اسے کیا ہوا ؟

کوثر ۔ میں نے اسے خط لکھے تھے ۔

واجد ۔ کیا !!

کوثر ۔ ہاں واجد ۔ وہ ان خطوط سے ناجایز فائدہ اٹھانا چاهتا ہے ۔

واجد ۔ وہ کیسے ؟

کوثر ۔ وہ کہتا ہے کہ وہ ان خطوط کے ذریعہ میری شادی رکوا دے گا اور ....

واجد ۔ اور ؟

کوثر ۔ وہ مجھے کسی ہوٹل میں ملنے کے لئے مجبور کررہا ہے ۔

واجد ۔ کمینہ کہیں کا — وہ تم سے شادی کیوں نہیں کرلیتا ۔

کوثر ۔ میں اس سے نفرت کرتی ہوں ۔

واجد ۔ جب تم اس سے نفرت ہی کرتی ہو تو کیا سوچ کے تم نے اسے چٹھیاں لکھیں ۔

کوثر ۔ غلطی ہوگئی ۔

واجد ۔ ہماری والی لڑکی پردے کی پابند تھی اس لئے اس نے پرانهوں میں چٹھیاں بھجوائیں ۔ تمہیں لکھنے کی کیا ضرورت تھی تم تو آفس جاتی ہو بے پردہ ہو ۔ زبانی کہہ دیا ہوتا ۔

کوثر ۔ میں نے کہا نا ۔ مجھ سے غلطی ہوگئی ۔

واجد ۔ تم کیا چاهتی ہو ؟

کوثر ۔ میں چاهتی ہوں کہ وہ خطوط مجھے واپس مل جائیں ۔

واجد ۔ کتنے خط ہیں ؟

کوثر ۔ تین ۔

واجد ۔ کیا کہتا ہے وہ ؟

کوثر ۔ وہ دے نہیں رہا ہے ۔

واجد ۔ تمہاری شادی بھی تو ابھی نہیں ہو رہی ہے ۔

کوثر ۔ بات پکی ہوگئی ہے ۔ عنقریب ہو جائے گی ۔ بابا نے مجھے اس بارے میں لکھا ہے ۔

واجد ۔ میری دعوت رہےگی ؟

کوثر ۔ کیوں نہیں ۔

واجد ۔ دولہا سے ملنا نہیں ہوگا ۔

کوثر ۔ یہی کہ تم میرے بھائی ہو ۔

واجد ۔ لاحول ولا ۔ مجھے بھائی بننا پسند نہیں ۔

کوثر ۔ کیوں ؟

واجد ۔ بس یونہی ۔

کوثر ۔ مذاق چھوڑو ۔ مجھے کوئی ترکیب بتاؤ ۔

واجد ۔ ترکیب ۔ ایک ترکیب میرے ذهن میں ہے ۔ کسی دن اسے یہاں بلاؤ ۔ میں اس کے بیرنگ کس دوں گا ۔

کوثر ۔ کیا ؟

واجد ۔ ہاں تھوڑی مارپیٹ کریں گے وہ خود لوٹا دے گا ۔

کوثر ۔ اور اگر اس نے واپس نہیں کئے تو ۔

واجد ۔ تو پھر کوئی دوسرا طریقہ اختیار کریں گے ۔

کوثر ۔ مارپیٹ سے ہٹ کر کوئی اور ترکیب بتاؤ ۔ تم نہیں جانتے وہ انتہائی چالاک ہے ۔

واجد ۔ گویا انگلش چھرا ہے ۔

کوثر ۔ توبہ ۔ چھرا ، بیرنگ ، یہ کیا ؟ کیا تم سیدھی سادی زبان میں بات نہیں کرسکتے ۔

واجد ۔ تم دیکھ رہی ہو میرے ہاتھ چل رہے ہیں ۔ جب ہاتھ چلتے ہیں تو زبان سے اسی قسم کے الفاظ نکلتے ہیں جو ہاتھ میں ہوتے ہیں ۔

کوثر ۔ اب مذاق ختم کرو ۔ میں پریشان ہوں ۔

واجد ۔ تم نے ایک سہیلی کے پکوان کا ذمہ لیا ہے تو میں وہ خطوط اس سے کسی قیمت پر بھی حاصل کرلوں گا ۔

کوثر ۔ وہ کیسے ؟

واجد۔ اس کے کمرے سے میں واقف ہوں ۔کسی دن تم ایسے یہاں روکے رکھو میں اس کے کمرے کی تلاشی لوں گا ۔

کوثر ۔ یہ ہوئی نا کوئی بات ۔

واجد ۔ اچھا میرا ایک کام کرو ۔ وہ سامنے والا پہیہ لو اس کی کٹوریوں میں گریس لگا کر چھرے جمادو ۔ (وہ پہیہ اٹھا کر گریس لگاتی ہے) ارے ایسے نہیں پہلے اکسل (Axle) تو داخل کرو ۔

کوثر ۔ مجھ سے نہیں ہوگا ۔

واجد ۔ تم سے تو بس چٹھیاں لکھنا ہوگا ۔ ذرا کام کہا کہ منہ بسورنے لگیں ۔ مجھے دیکھو تمہارے لئے کام کرتا ہوں ۔ (دروازے پر دستک ہوتی ہے) دیکھو کون آیا ہے (کوثر دروازے تک جاتی ہے ۔ اور پھر دبے پاؤں واپس آتی ہے)

کوثر ۔ (سرگوشی کرتے ہوئے) توفیق ہے (واجد اپنی جگہ سے اٹھتا ہے اور قریب ہی پڑی ہوئی سیکل کی چین اٹھا لیتا ہے)

واجد ۔ صرف دو مار ۔ وہ بے ہوش ہوجائے گا ۔ پھر ہم جیب سے کنجیاں نکال لیں گے ۔ اور اسے ہوش آنے تک میں واپس آجاؤں گا ۔

کوثر ۔ (اس سے چین چھین لیتی ہے) میں نے کہا نا بغیر کسی مارپیٹ کے یہ کام ہونا چاہئے ۔

واجد ۔ ٹھیک ہے ۔ وہ اندر آئے تو تم مجھے چائے کے لئے بھیج دینا میں چائے میں بھنگ ملا کے لاؤں گا ۔

کوثر ۔ نہیں کوئی اور ترکیب ۔

واجد ۔ کوئی اور ترکیب ؟ بہتر یہی ہے کہ تم اس سے کسی ہوٹل ھی میں مل لو ۔

کوثر ۔ واجد ۔

واجد ۔ تم سے عجیب مشکل ہے میری کوئی ترکیب تمہیں پسند نہیں آتی ۔ خیر . . . . اسے اندر تو آنے دو ۔

کوثر ۔ (بہ آواز) آجاؤ توفیق ۔ (توفیق اندر آتا ہے ۔ یہ وجیہہ جوان ہے اس کی آنکھوں میں غیر معمولی کشش ہے) میں ابھی آتی ہوں ۔

توفیق ۔ اچھا ۔

کوثر ۔ (واجد سے) واجد پلیز زرا چائے لادو نا ۔

توفیق ۔ کیوں تکلیف کرتی ہو ۔

واجد ۔ ابھی لے آیا (توفیق سے) میں آپ کی سیکل لے جاؤں

توفیق ۔ لے جاؤ ۔

واجد ۔ کوثر زرا تھرماس تو دینا ۔

کوثر ۔ ابھی (وہ تھرماس لئے اس کے قریب آتی ہے)

واجد ۔ اب میرا کمال دیکھنا ۔

کوثر ۔ تالا کیسے کھولو گے ؟

واجد ۔ اس کے لئے تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ۔ بس دیکھتی جاؤ (وہ باہر چلا جاتا ہے)

دوسرا سین

(آدھ گھنٹہ بعد ۔)

کوثر ۔ ابھی تک واجد نہیں آیا ۔

توفیق ۔ مجھے جلد ہی واپس ہونا ہے ۔ میرا ایک دوست ہے پولیس انسپکٹر ۔ اسے میں نے یہی وقت دیا تھا وہ میرا انتظار کررہا ہوگا ۔

کوثر ۔ (پریشان ہوتے ہوئے) پولیس انسپکٹر !

توفیق ۔ ہاں ۔ تم نے اخباروں میں نام پڑھا ہوگا۔ انسپکٹر انصاری ، چوری اور ڈکیتی کا ماہر ۔

کوثر ۔ اچھا وہ ۔

توفیق ۔ اس نے کتنے ہی نامی چوروں کو گرفتار کیا ہے جب وہ تفتیش کرتا ہے تو رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں ۔

کوثر ۔ کیوں ؟

توفیق ۔ بری طرح سے پیٹتا ہے ۔

کوثر ۔ واجد ابھی تک نہیں آیا ۔

توفیق ۔ کیا میں دیکھ آؤں ؟

کوثر ۔ نہیں ۔

توفیق ۔ ہوٹل تو یہاں سے بالکل قریب ہے ۔ میں پیدل ہی چلا جاتا ہوں ۔

کوثر ۔ بیٹھونا ایسی جلدی کیا ہے ۔

توفیق ۔ وہ میرا دوست ہے ۔ جب میرا کمرہ بند دیکھے گا تو کیا کہے گا ۔

کوثر ۔ واجد بس آتا ہی ہوگا ۔

توفیق ۔ یہ واجد کون ہے ؟

کوثر ۔ سامنے والے کمرے میں رہتا ہے ۔ بیچارہ بڑا ہمدرد ہے ۔ لوگوں کے کام آتا ہے ۔

توفیق ۔ ایسے لوگوں سے دور ھی رہنا ۔ ان کی ہمدردی یونہی نہیں ہوتی ۔ اس قسم کے جاہل خطرناک ہوتے ہیں ۔

کوثر ۔ جاہل ! واجد تعلیم یافتہ ہے اس نے بی ٹیک (B. Tech) کیا ہے ۔

توفیق ۔ کیا !؟

کوثر ۔ ہاں ۔

توفیق ۔ میں تو اسے سیکل ریپرر سمجھ رہا تھا ۔

کوثر ۔ اسے اس قسم کے کام بے حد پسند ہیں ۔ اچھا توفیق فرض کرو کہ کوئی تمہارے کمرے میں گھس جائے اور تمہارا بست آجائے تو کیا ہوگا ؟

توفیق ۔ کیا ہوگا ؟ وہ اسے گرفتار کرلے گا

کوثر ۔ پھر ؟

توفیق ۔ مقدمہ چلے گا اسے جیل ہوگی ۔ اچھا میں چلتا ہوں سیکل بھجوا دینا (وہ اٹھتا ہے)

کوثر ۔ ٹھہرو نا ۔ جاتے آتی ہی ہوگی ۔

توفیق ۔ کل تک تو تم میری صورت دیکھنے کی روادار نہ یں اور آج یہ عنایت کیسی ؟

کوثر ۔ اس لئے کہ مجھے اپنی بے بسی کا شدید احساس ہونے لگا ہے ۔

توفیق ۔ اچھا ۔ تو کیا میں یہ امید رکھوں کہ آج رات تم میرے ساتھ گزارو گی ۔

کوثر ۔ اگر تم وہ خطوط واپس کردو ۔

توفیق ۔ میں دے دوں گا ۔

کوثر ۔ اگر تم نے نہیں دئے تو ؟

توفیق ۔ میں دے دوں گا ۔ میں جب سے یہی سمجھانے جارہا ہوں ۔ تم اس قدر بدگمان کیوں ہو ۔

کوثر ۔ اس لئے کہ تمہارا کردار ٹھیک نہیں ۔

توفیق ۔ (ہنستا ہے) ۔ ہم شاید پچھلی باتوں کی طرف لوٹ رہے ہیں ۔

کوثر ۔ اگر میں آنے سے انکار کردوں تو ۔

توفیق ۔ اگر انکار کروگی تو میں .... (وہ رک جاتا ہے)

کوثر ۔ انتقام لوگے ۔ یہی نا ؟

توفیق ۔ اتنا حق تو مجھے ملنا ہی چاہیئے ۔

کوثر ۔ کیا شرافت اسی کا نام ہے ؟

توفیق ۔ آج کل شرافت ہے کس میں (واجد داخل ہوتا ہے)

واجد ۔ آپ کی سیکل بھی عجیب ہے ۔ مکان سے کچھ دور گیا تھا کہ پنکچر ہوگئی ۔ پنکچر کے لئے ولکنائزنگ کروائی تو دو چار پرانے پنکچر اور کھل گئے ۔ آپ اسکا ب بدلوالیجئے ۔

کوثر ۔ ارے تمہارا ہاتھ زخمی کیسے ہوگیا ؟

واجد ۔ میرا ہاتھ ... وہ ... میں سیکل سے گرگیا ۔ کوثر چائے بہ گئی مگر ....

کوثر ۔ مگر کیا ؟

واجد ۔ ایک ضروری کام ہوگیا ۔

توفیق ۔ کون سا ضروری کام ؟ (کوثر اسے چپ رہنے کا اشارہ کرتی ہے ۔)

واجد ۔ مس جوزف کی سیکل کے لئے کچھ ضروری چیزیں خریدنی تھیں ۔

توفیق ۔ تم آؤ گی نا ؟

کوثر ۔ ہرگز نہیں تمہارا جو جی چاہے کرلینا ۔

توفیق ۔ مجھے تمہارے مشورے کی ضرورت نہیں (وہ سیکل لئے چلا جاتا ہے) ۔

کوثر ۔ (واجد کی طرف بڑھتے ہوئے) کہاں ہیں ؟

توفیق ۔ ایسی بھی کیا جلدی ہے ۔ تم نے تو تین کہا تھا اور میں یہ سمجھ رہا تھا کہ تین صفحے ہوں گے ۔ ایک ایک چٹھی اٹھارہ اٹھارہ بیس بیس صفحوں کی ہے ۔ تم میں افسانہ نگار بننے کی پوری پوری صلاحیت ہے ۔

کوثر ۔ تم نے خط کیوں پڑھے ؟

واجد ۔ پڑھے کہاں ۔ درمیان سے کچھ سطریں دیکھیں جس جملے کو تم نے ڈپٹی نذیر احمد کا لکھا ہے وہ دراصل منشی پریم چند کا ہے ۔ اس کے علاوہ املا کی غلطیاں بھی ہیں ۔

کوثر ۔ بے وقوف کہیں کے ۔ پڑھنے کے لئے تم سے کس نے کہا تھا ؟

واجد ۔ اچھا تو تم سے اجازت لینی ہوگی ۔

کوثر ۔ دیر کیوں ہوئی ۔

واجد ۔ اس کمبخت نے سات لیور والا علی گڑھ کا تالا ڈال رکھا ہے ۔ وہ تالا یا تو کنجی سے کھلتا ہے یا توڑنا پڑتا ہے ۔ کنجی تو تھی نہیں ۔ کوشش کر رہا تھا کہ ....

کوثر ۔ انسپکٹر آگیا ۔

واجد ۔ (حیرت سے) تمہیں کیسے معلوم ہوا ؟

کوثر ۔ پھر اس سے تمہاری مار پیٹ ہوئی اور تمہارا ہاتھ شاید اسی لئے زخمی ہوگیا ہے ۔

واجد ۔ نہیں تو ۔ انسپکٹر انصاری تو میرے بچپن کا دوست ہے ۔ اس سے جھگڑے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ۔

اب رہا ہاتھ تو یہ اسکرو ڈرائیور کے پھسل پڑنے سے زخمی ہوا ہے ۔ بڑا مزہ آیا ۔ اس نے مجھے تالا کھولتے ہوئے دیکھا تو وجہ دریافت کی ۔ اس سے کیا پردہ ۔ میں نے ساری روداد اس سے کہدی ۔

کوثر۔ کیا کہا اس نے ؟

واجد۔ اسے غصہ آگیا کہنے لگا ہوسکے تو کمرے کو آگ لگادو۔

کوثر۔ پھر ؟

واجد۔ پھر اس کی اور میری شرط لگی ۔ وہ کہتا تھا میں قفل نہیں کھول سکوں گا ۔ اس نے دعوی کیا کہ وہ کھول سکتا ہے میں کوشش کرکے ہار گیا اس نے کوشش کی وہ بھی ہار گیا آخر میں تصفیہ یہ ہوا کہ دروازے کے بولٹ کھولے جائیں ۔ چنانچہ میں قریب کی گرج سے اسکرو ڈرائیور لے آیا اور بولٹ کھولے ۔ دروازے کے پٹ کو تھوڑا سا ہٹا کر وہ اندر گیا پھر میں گیا صندوق میں اخبار کے نیچے سے تمہارے خط ، خود انصاری کی بہن کے خط کسی اور لڑکی کی تصویر اور اس کے خط اور پچاس روپئے نکلے ۔ یہ توفیق کرتا کیا ہے ؟

کوثر۔ دواخانے میں کلرک ہے ۔

واجد۔ یہ ماننا پڑتا ہے کہ بڑا بانکا جوان ہے ۔ جب اتنی ساری لڑکیاں اس پر مرتی ہیں تو یہ فلم انڈسٹری کا رخ کیوں نہیں کرتا ۔ کلرکی میں کیا دھرا ہے ۔

کوثر۔ انصاری کا کیا ردعمل تھا ؟

واجد۔ بھڑک گیا ۔ کہنے لگا سڑک پر عزت اتاروں گا ۔ میں نے اسے مشورہ دیا کہ اس کی عزت اتارنے کے بجائے اپنی بہن کی گوش مالی کردو۔

کوثر۔ گوش مالی ؟

واجد۔ یعنی شادی۔

کوثر۔ تمہیں شادی اور گوش مالی میں فرق محسوس نہیں ہوتا

واجد ۔ میرے نزدیک یہ دونوں ہم معنی الفاظ ہیں گوش مالی ایک موقتی فعل ہے اور شادی اس فعل کے تسلسل کا نام ہے ۔

کوثر۔ اب تم سے جٹ کون کرے ۔ روپے تم نے کیوں لئے ؟

واجد۔ مجھے لینے سے انکار تھا مگر انصاری نے کہا "رکھ لے یار"

کوثر۔ اور تم نے رکھ لئے ۔

واجد۔ دوست کی بات کیسے ٹالتا ۔ تمہارے توفیق کے بچے کو سزا بھی تو ہونی تھی ۔ سمجھو یہ پچاس روپے جرمانہ ہے ۔ ان روپیوں کو میں مس جوزف کی سیکل کے لئے خرچ کروں گا ۔ بیچاری بہت دور جاتی ہے ۔

کوثر۔ خطوط نکالو۔

واجد۔ بے وقوف تو نہیں ہو۔ میں نے ابھی پڑھے نہیں ۔

کوثر۔ مذاق ٹھیک نہیں لاؤ ۔

واجد۔ صرف ایک شرط پر واپس ہوں گے ۔ وہ یہ کہ توفیق سے تم نہیں ملوگی اور وہ یہاں نہیں آئے گا ۔

کوثر۔ مجھے منظور ہے ۔ (وہ جیب سے خطوط کا بلندہ نکالتا ہے اور اس میں سے کچھ پرچے کوثر کو دیتا ہے) وہ کیا ہے ؟

واجد۔ تمہاری طرح ایک اور بے وقوف لڑکی کے خطوط ہیں ۔ بہتر یہی ہے کہ انہیں بھی جلا دو ۔

کوثر۔ اور تصویر ؟

واجد۔ یہ میرے پاس رہیگی یوں لگتا ہے جیسے ... جیسے یہ تصویر کچھ کریگی۔

کوثر۔ کیا کرے گی ؟

واجد۔ پاگل (تصویر جیب میں رکھ کر سیکل کی طرف بڑھتا ہے)

دو غزلیں

گو اصل میں گوہر صدف ہوں
دنیا کی نگاہ میں خزف ہوں

تابندہ خیال ہے چپ و راست
تنہا ہوں مگر میں صف بہ صف ہوں

ہے مجھ پہ عنایت رفیقاں
تشنیع کا طعن کا ہدف ہوں

ہے میرا سکوت میرا نغمہ
نے ہوں نہ میں چنگ ہوں نہ دف ہوں

اگلوں کی ہے آبرو گرہ میں
میں کشتۂ شیوۂ سلف ہوں

مجھ سے نہ ہے جہاں جہاں مشرف
یوں بھی تو میں صاحب شرف ہوں

متھرا نہ ہے کرشن میرا مولا
میں معتقد شہ نجف ہوں

ہوں تشنہ رسان اہل عالم
اک جام مگر میں کف بکف ہوں

ہے عرش نکوئی میری فطرت
اک شاعر نیک کا خلف ہوں

* * *

رہگذر رہگذر سے پوچھ لیا — اس کا گھر سب کے گھر سے پوچھ لیا
نہ تم آؤ نہ آئے گی رونق — ہم نے دیوار و در سے پوچھ لیا
جو زباں سے نہ کرسکے وہ بیاں — ہم نے ان کی نظر سے پوچھ لیا
جب زمیں نے دیا نہ تیرا پتہ — ہم نے شمس و قمر سے پوچھ لیا
گمرہی اور بڑھ گئی اپنی — راستہ راہبر سے پوچھ لیا
علم کا راز عرش بس یہ ہے — کچھ ادھر کچھ ادھر سے پوچھ لیا

وقار خلیل

مہاتما گاندھی کو اردو شاعری کا خراج

بقول پروفیسر احتشام حسین اردو شعرو ادب کی یہ روایت رہی ہے کہ افراد کے تذکرے سے زیادہ ان کے کارناموں ، یا نصب العین کا مجموعی حیثیت سے ذکر کیا جائے ۔ اس لئے اردو ادب میں ہندوستان کے ان سیاسی رہنماؤں ، اخلاقی معلموں ، مذہبی و تمدنی اور ادبی پیشواؤں کا تذکرہ ملتا ہے جنہیں تاریخ اپنے دامن میں جگہ دیتی ہے ۔

اردو کے متعدد شاعروں نے گاندھی جی کی تعلیمات اور ملک کی آزادی میں ان کی عظیم رہنمائی اور ان کے پیام کو بڑے فخر کے ساتھ نظم کیا ہے ۔ تقریبا ہر چھوٹے بڑے شاعر نے اپنے عقیدے اور جذبے کی روشنی میں انہیں دیکھا ہے ۔ مہاتما گاندھی پر کئی کتابیں لکھی گئیں ، بے شمار رسالوں کے خاص نمبر نکلے ، لاتعداد شعری محفلیں منعقد ہوئیں ، اس طرح اردو میں گاندھیانی ادب کے نام سے قابل قدر ادبی ذخیرہ جمع ہوا ، ایسا شرف شاید ہی کسی اور زبان کو نصیب ہوا ہو ۔

گاندھی جی نے زندگی کے ہر شعبے پر اثر ڈالا ۔ سیاسی سماجی اور معاشی مسائل کو اپنے ڈھنگ سے حل کرنے کے لئے نئی راہ دکھائی ۔ اہنسا ، سچائی اور امن سے سامراجی طاقتوں کا مقابلہ کیا ۔

باپو کی شخصیت تیس سال تک سیاست پر چھائی رہی ، جس کا اثر اردو شعر و ادب پر گہرا پڑا ، صحیح ادب کا معیار بھی یہی ہے کہ وہ انسانیت کے مقصد کی تکمیل کرے۔ شاعر اور ادیب اپنے ماحول اور زمانے کی عکاسی کرتے ہیں ۔

اردو شعر و ادب نے ملک کو آزاد کرانے میں ہر دور میں اور ہر مرحلے پر سیاسی رہنماؤں کا ساتھ دیا ہے ۔

خود گاندھی جی کو بھی اردو کی عظمت اور مقبولیت کا احساس تھا ، وہ زندگی بھر اردو رسم الخط اور اردو زبان کے حامی رہے ۔ ان کا اخبار '' ہریجن ،، اردو رسم الخط میں بھی چھپتا رہا ———یہ اردو سے ان کی دلچسپی کا بین ثبوت ہے ۔

ہندوستان کے بے شمار اردو اخباروں نے گاندھی جی کی ہمت ، جرأت ، صداقت ، اور قوت کو سراہا اس سلسلے میں خاص طور پر مولانا ابوالکلام آزاد کا اخبار ''الہلال ،، قابل ذکر ہے ۔

پنڈت برج نارائن چکبست نے جو گاندھی جی کے جذبات قوم پروری اور حب الوطنی کو اپنی شاعری کے سانچے میں ڈھال رہے تھے ، ۱۹۱۴ء میں گاندھی جی کو اردو دنیا کی طرف سے بھر پور خراج عقیدت ادا کیا اور '' بخدمت فدائے قوم مسٹر کرم چند گاندھی ،، کے عنوان سے یہ شعر نذر کیا

نثار ہے دل شاعر ترے قرینے پر
کیا ہے نام ترا نقش اس نگینے پر

گاندھی جی کی قیادت میں قومی تحریک نے '' ہوم رول ،، کی شکل میں کروٹ لی اور ہماری سیاسی تنظیم کا سنگ بنیاد بن گئی اور قوم پرستی کے جرم میں گرفتار ہونا ایک قابل فخر کارنامہ سمجھا جانے لگا تو چکبست نے مہاتما گاندھی کا نام لے کر خون کو گرمایا ۔

ہمارے واسطے زنجیر و طوق گہنا ہے
وفا کے شوق میں گاندھی نے جس کو پہنا ہے
سمجھ لیا ہے ، ہمیں رنج و درد سہنا ہے
مگر زباں سے کہیں گے وہی جو کہنا ہے
طلب فضول ہے کانٹے کی پھول کے بدلے
نہ لیں بہشت بھی ہم '' ہوم رول ،، کے بدلے

۱۹۱۲ء میں عظیم قومی شاعر اکبرالہ آبادی نے گاندھی جی کی شخصیت کی عظمت اور انکے فلسفہ عدم تشدد کی اخلاقی قدر و قیمت پر تبصرہ کرتے ہوئے ، یوں ستائش کی تھی ۔

لشکر گاندھی کو ہتھیاروں کی کچھ حاجت نہیں
ہاں مگر بے انتہا صبر و قناعت چاہئے

ساتھ ھی اپنے ملک کے عظیم قائد کے دور پرحشمت کی یوں بشارت دی ۔

انقلاب آیا ، نئی دنیا ، نیا ھنگامہ ھے   شاہ نامہ ھوچکا اب دور گاندھی نامہ ھے

* * * * *

اور یہ نعرہ لگایا ۔

آ گرے تمہارے رنگ کسی کا جچا نہیں   جیسے ھو تمہاری اے مرے گاندھی مہا تما

* * * * *

علامہ اقبال نہ صرف گاندھی جی کو " مرد پختہ کار و حق اندیش و با صفا ،، سمجھتے تھے بلکہ ان کی تحریک عدم تعاون کے موافق بھی تھے ۔ جب گاندھی جی نے اچھوتاُدھار کے لئے برت رکھا تو اقبال بھی بیحد متاثر ھوئے ۔ ان کی مشہور نظموں " نیا شوالہ ،، اور " ترانہ ھندی ،، میں گاندھیائی خیالات کی روح رواں دواں نظر آتی ھے ۔

اقبال نے اپنی ایک نظم میں مرد مومن کی جو تعریف کی ھے ، وہ گاندھی جی پر پوری طرح صادق آتی ھے ۔

ھاتھ ھے اللہ کا بندۂ مومن کا ھاتھ   غالب و کار افریں ، کار کشا ، کار ساز

نرم دم گفتگو ، گرم دم جستجو   رزم ھو یا بزم ھو پاک دل و پاک باز

عقل کی منزل ھے وہ عشق کا حاصل ھے وہ   حلقہ آفاق میں گرمئی محفل ھے وہ

* * * * *

علامہ اقبال کے متعلق گاندھی جی نے ایک خط میں لکھا تھا " ڈاکٹر اقبال کی مشہور نظم " ھندوستان ھمارا ،، پڑھ کر ھر بار میرا دل بھر آتا ھے ۔ میں نے اس نظم کو جیل میں سیکڑوں بار گایا ھے ۔ اقبال بھی مہاتما جی سے بیحد متاثر تھے ، وہ کہتے ھیں ۔

گاندھی سے ایک روز یہ کہنے لگے مالوی   کمزور کی کمند ھے دنیا میں تار سا

نازک یہ سلطنت صفت برگ گل نہیں   لے جائے گلستاں سے اڑا کر جسے صبا

بولا یہ بات سن کے کمال وقار سے   وہ مرد پختہ کار و حق اندیش و با صفا

خارا حریف سعئی ضعیفاں نمی شود   صد نوحہ است در بن دنداں خلال را

سنہ ۱۹۳۳ ع میں مشہور صحافی مولانا ظفر علی خاں نے مہاتما گاندھی کی " برہنی سینہ گرہ ،، اور انکے فلسفہ عدم تشدد پر کئی نظمیں لکھیں ۔

گاندھی نے آج جنگ کا اعلان کردیا   باطل سے حق کو دست و گریباں کردیا

ھندوستاں میں ایک نئی روح پھونک کر   آزادئ حیات کا ساماں کردیا

شیخ اور برھمن میں بڑھایا وہ اتحاد   گویا انہیں دو قالب و یک جاں کردیا

پروردگار نے کہ وہ ھے منزلت شناس   گاندھی کو بھی یہ مرتبہ پہچاں کردیا

اور ظفر علی خاں نے گاندھی جی کی زبان سے ان کے فلسفے کی تشریح یوں کروائی ۔

پھر نکیوں سے کہدو کہ میں دھرم کی ھوں مورت   جو کریں گے وہ عداوت تو میں آشتی کروں گا

مرا دھرم ھے اھنسا ، ھے اسی میں سب کی مکتی   مرے پاس ھے وہ ھندی ، اسے روشنی کروں گا

کوئی دن میں سبزہ ھوگا ، وہ چمن جو جل رھا ھے   نہ میں انہیں اپنے آنسوؤں سے وہ فسوں گری کروں گا

اور ظفر علی خاں کی یہ شعری پیش گوئی پوری ہوئی کہ ہم آج باپو کے آزاد دیس میں ترقی کے زینے طے کر رہے ہیں ۔ اور جب آزادی کے بعد ہماری ملکی سیاست میں زہر گھل گیا اس کے جسم کے ٹکڑے ہوئے ، اس پر بسنے والوں کے جسم کے ٹکڑے ہوئے ، فرقہ وارانہ تنگ نظری کی آگ بھڑکی جس میں ہندوستان کی ساری شرافت ، تہذیب اور انسانیت بھسم ہوتی ہوئی نظر آنے لگی تو گاندھی جی پہلے تو کہتے اور سمجھاتے رہے ، پھر اس آگ میں خود کود پڑے اور جب یہ آگ تقریبا بجھ چکی تھی اس وقت نفرت کے ہاتھ نے انہیں موت کی نیند سلا دیا ۔

ایک تابندہ مینارۂ روشنی گل ہو گیا ۔ انسان دوستوں نے سمجھا کہ انسانوں کا ایک بڑا دوست نہ رہا ۔ گاندھی جی لیڈر ہی نہیں مسیح کے مانند نجات دھندہ بھی تھے ۔ ان کے پہلو میں ایک ایسا گداختہ دل تھا ، جو پیغمبروں کے پہلو میں پایا جا تا ہے ۔ وہ اس کرۂ ارض میں اہنسا اور اتحاد کے سب سے بڑے ہی نہیں بلکہ بلا شرکت غیرے واحد مبلغ بھی تھے ۔
جوش ملیح آبادی نے انکی شہادت پر ایک طویل اور اثر انگیز نظم لکھی ۔

تو امین رحمت و آئینہ ایثار تھا صحت افکار انسان کے لئے بیمار تھا

برھمن کا چارہ فرما ، شیخ کا غمخوار تھا تو رواداری کا دیوتا ، امن کا اوتار تھا

السلام اے کعبہ و کاشی کے دربان السلام السلام اے ہند کے شاہ شہیداں السلام

جادۂ حق پر درخشاں ہیں ترے نقش قدم پر فشاں ہے آسمان عدل پر تیرا علم

اے حسین ابن علی کے پیرو قدسی حشم اے یزید عصر نو کے کشتہ مشق ستم

اے صلیب تازہ کے عیسی دوراں السلام السلام اے ہند کے شاہ شہیداں السلام

تو ہی اک دانا نے کامل بزم نادانی میں تھا روشنی کا تو منارہ بحر طوفانی میں تھا

تیرے دم سے زمزمہ گنگا کی جولانی میں تھا نغمہ تجھ سے کوثر و تسنیم کے پانی میں تھا

اے غرور ہندو و فخر مسلماں السلام السلام اے ہند کے شاہ شہیداں السلام

* * * * *

ملک کے ایک اور عظیم قومی شاعر پنڈت تلوک چند محروم نے یوں باپو کی شہادت پر آنسو بہائے ۔

گو بظاہر بے نوا تھا عالم اسباب میں سینہ تانے روبروئے سطوت اغیار تھا

رہبروں کو روشنی ملتی تھی اسکی ذات سے ہند میں گاندھی منار جلوۂ انوار تھا

حضرت جگرمرادآبادی نے مہاتما گاندھی کو منظوم خراج عقیدت ادا کرتے ہوئے انہیں ماهتاب هند اور صدر انجمن بھی کہا ہے اور یہ افتخار باپو ہی کو زیب دیتا ہے ۔

هزار در هزار هیں اگرچہ رهبران ملک — مگر وہ پیر نوجوان وہ ایک مرد صف شکن
وهی مہاتما ، وهی شہید امن و آشتی — بریہ جسکی زندگی ، خلوص جس کا پیرهن
وهی ستارے هیں مگر کہاں وہ ماهتاب هند — وهی هے انجمن مگر کہاں وہ صدر انجمن

* * * * *

مہاتما گاندھی کی دلنواز شخصیت انسانیت کے رستے ہوئے زخم پر مرہم بنکر چھا گئی تھی ۔ ان کی عظمت کی حقیقی وجہ یہ تھی کہ انسانوں کی صف میں وہ ایک عظیم انسان تھے ۔ جو راست بازی ، دیانت داری ، پابندی وقت ، نکتہ سنجی ، دقیق نظری ، عمہ گیر دانشمندی ، همدردانہ معاملہ فہمی ، لامتناهی قوت برداشت ، عجز و انکساری ، عفو پسندی ، پاکیزگی نفس ، صبر و تحمل اور عدم تشدد جیسی بے انتہا خوبیوں سے مالامال تھی ۔

صحیح معنوں میں آزاد هندوستان باپو کے خوابوں کی حسین اور روشن تعبیر ہے ۔ پنڈت آنند نرائن ملا نے باپو کے حضور یوں خراج عقیدت ادا کیا ہے ۔

لذت تری باتوں میں ہے صہبائے وطن کی — هونٹوں پہ هنسی ہے گل رعنائے وطن کی
آنکھوں میں تجلی سی ہے بردائے وطن کی — یوں لگ جھلک ہے رخ زیبائے وطن کی

هستی پہ تری ناز جو جتنا بھی کم ہے
اس ملک کی قسمت ترے ماتھے پہ رقم ہے

تو مہر برستا رہا ، دشمن کی جفا پر — صدمے تجھے کیا کیا ہوئے غیروں کی خطا پر
آیا نہ کبھی حرف ترے صدق وصفا پر — هستی تری تفسیر ہے آئین وفا پر

تو اپنے عدو سے بھی کدورت نہیں رکھتا
پیمانہ دل جز مئے الفت نہیں رکھتا

* * * * *

علامہ جمیل مظہری فرماتے هیں ۔

سروں سے اس کیا تیل هم نے گاندھی جی — صدائیں آتی هیں پیہم کہ هائے گاندھی جی

اقبال احمد سہیل کی طویل نظم "گاندھی جی" کے یہ چند شعر دلوں میں اتر جاتے ہیں۔

وطن عزیز کو شان دی ، ایسے قید غم سے چھڑا دیا ۔ رہ اتحاد میں جان دی ، جو کہا وہ کر کے دکھا دیا

تجھے مندروں نے صدائیں دیں کہ ترے کرم سے اماں ملی ۔ تجھے مسجدوں نے دعائیں دیں کہ تباہیوں سے بچا لیا

تری شان کون گھٹا سکے اسے خود خدا نے بڑھا دیا ۔ کہ تجھے بقائے دوام دی ، تجھے منصب شہدا دیا

* * * * *

سراج لکھنوی کہتے ہیں۔

بشر کہیں کہ تجھے دیوتا محبت کا ۔ زمیں تابہ قدم آئینہ حقیقت کا

* * * * *

اسرار الحق مجاز ، اپنی رندی و سرمستی کے عالم میں بھی گاندھی کی شہادت کے المیے سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے ، وہ اس عالم میں بھی کہہ اٹھتے ہیں۔

درد غم حیات کا درماں چلا گیا ۔ وہ خضر اور وہ عیسی دوراں چلا گیا

ہندو چلا گیا نہ مسلماں چلا گیا ۔ انساں کی جستجو میں اک انساں چلا گیا

اب کافری میں رسم و رہ دلبری نہیں ۔ ایماں کی بات یہ ہے کہ ایماں چلا گیا

باچشم نم ہے آج زلیخائے کائنات ۔ زنداں شکن وہ یوسف زنداں چلا گیا

بیمار زندگی کی کرے کون دل دہی ۔ نباض و چارہ ساز مریضاں چلا گیا

* * * * *

پنڈت بالمکند عرش ملسیانی کی نظم "معمار امن" کے یہ شعر باپوجی کے آدرش اور انکے فلسفے کی یاد دلاتے اور ان پر عمل پیرا ہونے کی تلقین کرتے ہیں۔

محبوب ہر بشر تھا تو منظور ہر نظر ۔ کرتے ہیں یاد آج بھی تیری ادائیں ہم

تو نے کہا تھا ایشور، اللہ ایک نام ۔ اے کاش اس خیال کو دل میں بسائیں ہم

درس مہاتما کا اگر عرش پاس ہے ۔ پردہ جو ہے دوئی کا دلوں سے مٹائیں ہم

* * * * *

ہماری وزیر اعظم محترمہ اندرا گاندھی نے کہا تھا " گاندھی جی نے اپنے دو دبلے پتلے ہاتھوں سے تمام قوم کو اونچا اٹھایا۔ انہوں نے معمولی اور ممتاز سبھی طرح کے ہزاروں لوگوں کی نجی زندگی میں بے مثل انقلاب برپا کردیا۔ گاندھی جی ایسے رہنما تھے جنہیں عوام کی نفسیات اور انکی ذہنی کیفیات کا گہرا علم تھا۔ وہ ایک زندۂ جاوید ہستی ہیں جو ہمیشہ انسانیت کے اعلی ترین معیار کی یاد دلاتے ہیں۔ ان کے بلند خیالات ملک اور زمانے کی حدود سے ماورا تھے"۔

اس عظیم ہستی کو حضرت ساغر نظامی نے '' سابر متی کا سادھو ،، کے زیر عنوان یوں خراج عقیدت ادا کیا ہے۔

هزار انجم رخشاں نچوڑ کر تو نے	شب سیہ کو کیا مطلع سحر تو نے
فغان نیم شبی کو نئی سحر بخشی	دعا کی بے اثری کو دیا اثر تو نے
جو اپنی قوت پرواز بھول بیٹھے تھے	لگادئے انہیں ذروں میں بال و پر تو نے
بہار کو شفقی کردیا لہو نے ترے	چمن کی خاک کو بخشا لباس زر تو نے
دل زمانہ دمکتا رہے گا صدیوں تک	لہو سے ثبت کیا نقش کالحجر تو نے

* * * * *

جگن ناتھ آزاد کہتے ہیں۔

اس نے طلسم توڑ دیا سامراج کا	انساں کی عظمتوں کا سہارا لئے ہوئے
وہ پیکر نحیف وہ اک ناتواں سا جسم	آدم کی قوتوں کا سہارا لئے ہوئے
آیا وہ مست خواب غلاموں کے دیس میں	بیداری حیات کی دنیا لئے ہوئے

* * * * *

پروفیسر ال احمد سرور نے پیرمغاں کو یوں خراج عقیدت ادا کیا ہے۔

تیرے ہی دم قدم سے بیاباں مہک گئے	اپنے گلوں میں جو بھی ہے تیری بہار ہے
تھی تجھ سے پہلے اپنی سیاست گداگری	تو نے دعا کو ضرب کلیمانہ کردیا
دھقاں پہ راز کج کلہی فاش کردئے	افلاس کا مزاج بھی شاہانہ کردیا
دیر و حرم کے جلوے فراموش ہوگئے	یوں اهتمام زینت میخانہ کردیا

* * * * *

'' باپو کی امانت ،، خورشید احمد جامی کی خوبصورت علامتی نظم ہے۔ جس کا ایک بند بار بار دھرانے کو جی چاھتا ہے۔

اگر دلوں میں یہی نفرتوں کے شعلے ہوں	تو آرزو کے حسیں پھول کھل نہیں سکتے
گھروں کی آگ جلادے نہ چاندنی کے بدن	کہیں حیات زمانے کی بد دعا نہ بنے
جودل کے ساتھ دھڑکتی ہے وہ صدا بھی کہیں	ہجوم کشمکش و یاس میں نہ کھو جائے
وہ روشنی کہ جو باپو کی اک امانت ہے	اسے بچاؤ کہ وہ بھی نہ قتل ہوجائے

* * * * *

باپو کی ارتھی جب سیکڑوں لاکھوں غمین ہندوستانیوں کے ھجوم میں راج گھاٹ لے جائی جارھی تھی تو آل انڈیا ریڈیو دھلی سے شمیم کرھانی کی خون دل سے لکھی پر تاثیر نظم نشر ھورھی تھی ، جسے سنکر ھمارے ھر دل عزیز وزیراعظم پنڈت جواھر لعل نہرو کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ھوگئے تھے -

محبت کے جھنڈے کو گاڑا ھے اس نے
چمن کس کے دل کا اجاڑا ھے اس نے

گریباں اپنا ھی پھاڑا ھے اس نے
کسی کا بھلا کیا بگاڑا ھے اس نے

اسے تو ادا پیار کی بھاگئی ھے
جگاؤ نہ باپو کو نیند آگئی ھے

وہ پربت ، وہ بحر رواں سورھا ھے
وہ پیری کا عزم جواں سورھا ھے

وہ امن جہاں کا نشاں سورھا ھے
وہ آزاد ھندوستاں سورھا ھے

اٹھے گا سحر مجھ کو بتلا گئی ھے
جگاؤ نہ باپو کو نیند آگئی ھے

* * * * *

حیدر آباد دکن کے آخری فرمانروا نواب میر عثمان علی خاں نے بھی فارسی میں ایک نظم ''راج گھاٹ ،، لکھکر باپو کی عظیم خدمات کو خراج عقیدت ادا کیا ھے - دیسی ریاستوں کے حکمرانوں میں یہ پہلی اور آخری مثال ھے - حضور نظام کے یہ شعر خصوصی توجہ چاھتے ھیں -

سبزہ تازہ شدہ زابر بہار مرغزار پست ، گلفشانی نیست
دانست زندہ بہ دو جہاں عثمان روح گاندھی نگر کہ فانی نیست

* * * * *

امن کے پیامی مہاتما گاندھی کی مقدس روح کو امیر احمد خسرو یوں خراج عقیدت ادا کرتے ھیں -

افق ھند کا وہ اختر تابندہ جبیں جس نے ھر ذرے کو انوار سحر بخش دئے
جس کے ھاتھوں نے الٹ دی رخ ھستی سے نقاب
جس کی کوشش نے کیا باغ وطن کو شاداب
عزم نے جس کے ابھارے ھیں ھزاروں مہتاب
اپنے باپو کا ھر ایقان ابھی زندہ ھے ھند میں عظمت انسان ابھی زندہ ھے

* * * * *

اور ھم اس عظیم مہاتما کے جنم دن پر نذرانہ سلام و رحمت بھیجتے ھوئے جگن ناتھ آزاد کا یہ شعر دھراتے ھیں -

ناز ھم کیوں نہ کریں آج کے دن پر آزاد
ھم کو گاندھی سا ملا راہ نما آج کے دن

* * * * *

PRINTED BY THE DIRECTOR OF PRINTING, GOVT. OF ANDHRA PRADESH, AT GOVT. CENTRAL PRESS, HYDERABAD
PUBLISH BY THE DIRECTOR OF INFORMATION & PUBLIC RELATIONS ANDHRA PRADESH, HYDERABAD.

Regd. No. H./HD-76.

رتھ کے دو پہیے

ہمارے بزرگوں نے مرد اور عورت کو زندگی کے رتھ کے دو پہیوں سے تعبیر کیا ہے۔ لیکن شاذو نادر ہی ایسا ہوا ہے کہ فیصلہ کن یا اہم امور میں حصہ لینے یا مرد کے برابر درجہ پانے کا موقع دیا گیا ہو، چند بلند مرتبت اور مشہور عورتوں کو چھوڑ کر، بالعموم عورتوں کو فکر و دانش یا سیاست کے میدان سے دور ہی رکھا گیا۔

خواتین کا بین الاقوامی سال اس امر کا اعتراف ہے کہ سائنس اور ٹکنالوجی کی زبردست ترقی کی بدولت پیدا ہونے والے صنعتی انقلاب نے مرد اور عورت کے اقتصادی کردار کی کایا پلٹ کردی ہے۔

انسانیت نے بہت سے پرانے مسائل حل کرلئے ہیں۔ لیکن ان کی جگہ نئے اور زیادہ پیچیدہ مسائل پیدا کردیے ہیں۔

مستقبل کے چیلنج کا مقابلہ کرنے کے لئے ان تھک اور مستقل جدوجہد ناگزیر ہے۔ اب، بہر صورت دنیا کی آدھی آبادی کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ آئیے! ہم، خواتین میں اس بیداری کو پیدا کرنے کے لئے اس سال سے فائدہ اٹھائیں۔ ہم ایک قابل فخر سرمایہ رکھتے ہیں۔ آئیے کہ اسے اور سالا مال بنائیں۔

شریمتی اندرا گاندھی